

www.PakiBooks.Site

جولائی 2018

www.PakiBooks.Site

کرن
ماہنامہ

PakiBooks

PakiBooks.Site



کرن ماہنامہ

چاند ندر پدھ پلے پلے پلے

دکھن

رکن آل پاکستان نواز مہجہ رسوسائٹی
رکن کونسل آف پاکستان نواز مہجہ راجہ طارق

MEMBER
APNS
CPNE

مڈیرہ ————— نادرہ خاتون
مڈیرہ اعلیٰ ————— غلام رحیم
نائب مڈیرہ ————— شجاع حسین
مڈیرہ خصوصی ————— اصمت الصبور
ریشہ ہارات ————— خالدہ جیلانی
قانونی مشیر ————— نور الدین سرکی اینڈ کمپنی
ایڈووکیٹس اینڈ لایو کالسٹرز

PakiBooks





مستقل سلسلے

245	خالد جیلانی	241	شعاع عید	کرن کریں خوشنویں
252	ادوار	246	بشری عیون	یادوں کے دریچے
250	روایت شریف	248	شگفتہ سیلان	مجھے شعر کہنا ہے
255	مدیر کریم	253	ذوالقرنین	نابلے پر دریا

جگلائی 2018

جلد 41 شمارہ 4

قیمت 70 روپے

مکتبہ کائنات

کرن

37-اڈو، لاہور

مکتبہ کائنات، لاہور۔ 37-اڈو، لاہور۔

بلاشر آڈیو ویس نے اس متن پر شک نہ کریں۔ یہ سب کچھ کرائی گیا۔ مقام: ٹی 91، بلاک W، لاہور۔ ایم ڈی آر

Phone: 32721777, 32726617, 021-32022494 Fax: 92-21-32766872

Email: kiran@khawateendigest.com Website: www.khawateendigest.com

حمد
نعت

سیدنا طہرین 11
پروفیسر انیس 11

اشعار

کمل ناول

12	رشا خان سے لافان	شاہین ہرشید
20	آواز کی دینا	سہیل خان
16	میری بھی سنئے	ولہج علی
25	مقابلہ پے آئینہ	سید رحید سعیدی

ناولٹ

216	غم ہے یا خوشی ہے تو	تخیر ریاض
54	چھوٹی سی خطا	نادر احمد
125	سورنا	نذیر قلم
28	شب زم زم کی سحر	خج چوہدری
152	ہوا میں رخ بدل گئیں	نگہت جہان

افسانے

49	گھر و تہذیب	ایمل رضا
79	تیری چاہت	فرح بھٹو
120	ڈھول سہانے	عمارہ خان
166	لغوش	عمارہ امداد
208	برسوں بعد	رضوانہ اکاٹ
145	محبتیں تقسیم کرتی ہیں	کشف بلوچ

ذات سارا کتب خانہ کتب خانہ کتب خانہ

پاکستان (سالانہ) ----- 700 روپے
انڈیا (سالانہ) ----- 6000 روپے
امریکہ (سالانہ) ----- 7000 روپے
subscriptions@khawateendigest.com

یہ سب کچھ کرائی گیا۔ مقام: ٹی 91، بلاک W، لاہور۔ ایم ڈی آر
مکتبہ کائنات، لاہور۔ 37-اڈو، لاہور۔
بلاشر آڈیو ویس نے اس متن پر شک نہ کریں۔ یہ سب کچھ کرائی گیا۔ مقام: ٹی 91، بلاک W، لاہور۔ ایم ڈی آر

دیکھو کہ خوشی و غم، دوج و ذوال زندگی کا حصہ ہیں۔ شاید ہی کوئی انسان ایسا ہو جسے زندگی میں ایسے بڑے حالات سے دو گزنا پڑا ہو۔ فرق یہ ہے کہ کچھ لوگ ناگہانی پر دل بڑا دے ہو کر منت پار بیٹھتے ہیں۔ وہ حالات کا مقابلہ نہیں کر پاتے ہیں اور زندگی کے اندھیروں میں گم ہو جاتے ہیں۔ اس کے برعکس کچھ لوگ حالات کے بدلنے پر ڈھلنے کے بجائے اپنا کاغذ بدلتے ہیں۔ ان کو بدلنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جی لوگ زندگی کے میدان میں کامیاب ہوتے ہیں۔

زندگی میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے دو باتیں بہت اہم ہیں۔ مثبت سوچ اور صحیح وقت پر صحیح فیصلہ۔ مثبت سوچ ہماری شخصیت کو کھلا کرتی ہے اور خداوندی پیدا کرتی ہے اور صحیح وقت پر صحیح فیصلے ہمیں زندگی میں آگے بڑھاتے ہیں۔ جیسے کہ کامیابی کے دورانے کو ملے ہیں۔

کچھ فیصلے جانی ذاتی زندگی سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کا اثر محدود ہو جاتا ہے لیکن کچھ فیصلے انفرادی ہوتے ہیں۔ ان کے باوجود پوری قوم کی زندگی کو بدلنے کی طاقت رکھتے ہیں۔ ان میں ایک فیصلہ پانچ سال کے لیے ملک کے سربراہ اور اس کے وزیروں کی زندگی کا انتخاب ہے۔

آپ کو شاید پانچ سال کے لیے اپنے ملک کی بہتری اور استحکام کے لیے فیصلہ کرنا پڑے۔ اپنا حق لے لینی ضرور استعمال کریں۔ اپنا رونا ہمارے منتخب کریں جو بارگاہ ہو، جس کا عمل اس کے دھوکے کی تصدیق کرنا ہو گا۔ چاروں درجے کو ان کا نام ہے۔ دیکھنا باغک دھوکا کا۔

فیصلہ کرنا وقت والا وقت ملک کے لیے استحکام اور خوش مالی کر آئے۔ آئیں۔

اس شام میں،

- ۱. فکراہ رضا خان سے شاہین رشیدی کی ملاقات،
- ۲. فکراہ دواج علی، "بہتر ہے میری جی سنیے"،
- ۳. اس ماہ مسجد و مسجدی کے مقابلے سے آئینہ،
- ۴. آواز کی دنیا سے "آر جی سہیل خان" اس ماہ مہمان ہیں،
- ۵. شب قدر کی حمد و نعت محمدی کا نیا سلسلہ دار ناول،
- ۶. ہماری دنیا بدل گئی، "گہمت مولانا کا سلسلہ دار ناول،
- ۷. "نقشہ جہنم" سائنس دان کی ماکمل ناول،
- ۸. "آپا جی میں اور تم" ام ایم ایم قاضی کا ناول،
- ۹. "جسے باغی ہوئے" ستریزہ ربان کا ناول،
- ۱۰. "چھوٹی سی مٹلا" نادر احمد کا ناول،
- ۱۱. "سدا" نظیر ظفر کا ناول،
- ۱۲. ایل رضا، "فرخ جیٹ" علامہ نثار، "نعت بروج" عمارہ املا اور دھرماداسا حق کے انٹلسٹاد مستحل سلسلے،

مختصر،

کرن کتاب کرن کا دستر خوان، "کرن کے ہر شمارے کے ساتھ میگزین سے مفت حاصل کریں۔

عقل، عقل، جلوہ جلوہ، گلشن گلشن تیرا ظہور
برگ درگ میں، بچہ و تجویز، تیس و قریش تیرا نور

فردہ ذرہ گل عالم کا ذکر میں تیرے ہے مشغول
کون سی بلے کلن سادل ہے جہاں میں ہے نمود

تیرا وجود اور تیری وحدت، ہر شے سے ظاہر ہے مگر
ان کے لیے اندھیرے دنیا جہاں کو نہیں ہے عقل و شعور

ایک میں معنی تیرا جلال اور ایک میں معنی تیرا جمال
بلے شک تیری ہی تخلیق کا مظہر ہیں یہ نار و نور

کافی مجھ کو تیری رحمت دنیا ہو یا معنی ہو
تیرے بغیر عیث ہے ہر شے جنت ہو یا نور و قصور

تیرے در کا ادنیٰ گدا ہے عاجز ہے محتاج بے گنا
تو مالک ہے میں مملوک، اور تو قادر ہیں مجبور

سیدنا محمد حسین گل پانڈ پوری

کونک

ہے ذکر فرشتوں میں جمال بشری کا
اللہ سے یہ ادب تری بلوہ گری کا

ہے عشق محمد میں گریبان کا یہ عالم
فن سر بہ گریبان ہے یہاں سجدہ گری کا

اے جوش جنوں آج وہاں نکٹھکے بل
مل جاتا ہے جس باپ و صلہ و بددی کا

خوشبوئے دیانت نبوی کا جو امیں ہو
آبائے وہ ایک جھونکا نسیم سحری کا

تا بندہ تیرے نور سے آدم کی جہیں ہے
رکھتا ہے مجرم تھینے مقام بشری کا

پروفیسر تابش

ریشلے خات سے ملاقات شاہین رشید



دیکھ رہی ہوں۔۔۔ واہ بہترین پرغام کر رہی ہو؟
 ☆ ”بہت شگرمی۔۔۔“
 ”کیا بات ہے کہ یہ مسلسل تیسرا سیر مل ہے
 کہ یہ بعد معصوم اور مظلم لڑکی کا رول کر رہی ہو؟“
 ☆ جیسے ہوئے ”میں شاید کبھی ایسا ہی ہے۔۔۔
 ویسے اتفاق ہے کہ اوپر تلے ایسے سیر مل آن ایئر ہو
 گئے۔۔۔ ورنہ اور بھی کردار کیے ہیں۔ آنے والے
 سیر ملز میں آپ مجھے مختلف اور منفرد رولز میں دیکھیں
 گی۔“
 ”اے انا اللہ اللہ۔۔۔ اللہ تعالیٰ نے ایک دم سے
 اتنی شہرت دے دی تو کیا لگ رہا ہے؟ لیکن تم پہلے
 اپنے بارے میں بتاؤ؟“
 ☆ ”مختصر ٹھیک ہے۔ میرا نام جیسا کہ آپ
 معلوم ہے ”رمشا خان“ ہے اور میں 23 جون
 1994ء میں کراچی میں پیدا ہوئی۔ والدہ حیات
 ہیں جبکہ والد کا انتقال ہو چکا ہے۔ بہمدوسی نہیں ہیں،
 میں بڑی ہوں اور مجھ سے ایک چھوٹی بہن ہے۔ مجھے
 میری امی ”رمبا“ کہتی ہیں اور میری فریڈنڈز مجھے
 ”رامو“ کہتی ہیں اور میں نے ان ہی کے ساتھ اپنا
 فوچر 5 فٹ ساڑھے سات انچ میرا قد ہے
 اور۔۔۔ بس۔“
 ”بس نہیں بلکہ یہ بتاؤ کہ کب۔۔۔ کوئی
 ہے؟ مطلب کب ہو۔۔۔“
 ☆ ”نہیں نہیں۔۔۔ نہیں نہیں ہوں اور نہ ہی ایسا
 فی الحال کوئی ارادہ ہے۔ ابھی بہت کام کرنا ہے، بہت
 آگے جانا ہے ابھی لپٹا اچھا سا ٹھکانا ہے۔ اور
 بہت اسٹرونگ وومن بننا ہے مجھے۔“
 ”واہ۔۔۔ بہت اچھے خیالات ہیں؟“

”وہ ایک مل“ ”تمہاری مریم“ اور ”ماہ قمام“
 تینوں ہی مشہور سیر ملز اور تینوں کی ہیروئن ”رمشا خان“
 رمشا کے قد و خال تو ہیں ہی بہت معصوم ٹھکانے کو اب تک
 سننے والے گردا گرد میں بہت معصوم ہیں۔ آج کل آپ ان
 کا ”ماہ قمام“ دیکھ رہے ہیں ایک معصوم ٹنڈا رول رمشا
 خان بہت کمال مہارت سے ادا کر رہی ہیں۔ ویسے کچھ
 پوچھیں تو آج کل کے زمانے میں ایسی معصوم ”ٹنڈری“
 ہوتی نہیں۔ ہاں بھابی کا کردار بالکل فٹ ہے۔
 ”کیا حال ہے رمشا خان؟“
 ☆ ”جی اللہ کا شکر ہے۔“
 ”کیا پور پورا تھا؟“
 ☆ ”شوت پور ہوں۔ مگر ابھی فرصت میں ہوں۔“
 ”او۔۔۔ اچھا۔۔۔ گڈ تمہارا ”ماہ قمام“

مردوں کی ہوتی ہے کہ کمرہ بنانا ہے، کچھ کمانا ہے۔ یہ
 سوچ میری ہے۔ شاید میری امی کی تربیت کا نتیجہ ہے
 اور امی کا کہنا ہے کہ سارا اخصا مردوں پر نہیں کرنا
 چاہیے۔ خود بھی کچھ کرنا چاہیے۔“
 ”شوہر میں کیسے؟“
 ☆ ”یہ بہت لمبی کہانی ہے، مگر آپ کو مختصر آتا
 ہوں کہ ایک ٹینٹس انجینی ہے ان کے تحت میں
 نے ایک دو کرٹاز کیے۔ پھر مجھے بتایا گیا کہ ایک فلم
 کے ڈائریکٹر آپ کو فلم میں لینا چاہتے ہیں کیونکہ انہیں
 آپ کی شکل بہت اچھی سی ہے اس فلم میں میں نے
 کام کیا اور یوں انہیں کتنی محنت کی اور تاحل لگایا
 اور اسنے اچھے لوگ ملے کہ میں ایک طرح سے
 اور اداکاری میں تھوڑی ٹھنکی اگرچہ فلم قلاب ہوئی تھی
 لیکن میرے لیے اس فلم نے جس کا نام ”تھوڑا جی
 لے“ تھا میرے راتے ہوا کر دیے۔ فلم میں میرا
 لیڈ ٹک تھا اور قبا ایک ایڈی چینیٹ وومن کا اور بہت
 اچھا تھا۔۔۔ لیکن ایسا ہونا ہی رہتا ہے۔“
 ”فلم قلاب ہوئی، تم کا سیاب، قسمت جی یا
 ڈائریکٹر کی محنت؟“
 ☆ ”قسمت بھی اچھی تھی اور ڈائریکٹر کو تو میں

جس انجینی کا ذکر کیا وہاں میں 9-5 کی جاب بھی کر
 رہی تھی۔ تو اسی وقت امی بھی جس کسٹم اداکاری کرو
 تم میں ٹینٹس ہے کیونکہ میں نے بچپن میں جیٹز میں
 بہت کام کیا ہے۔ تو امی کا بہت اسرار تھا اور میں انہیں سن
 کر جیتی تھی۔ کہ مجھے 10 بجے نہیں اٹھنا اور نہ ہی مجھے
 رات کو سو بیٹے واپس آنا ہے۔ تو امی کتنی جس کسٹم
 کوشش تو کرو۔ تو جس میری کوشش، امی کا اسرار مجھے
 اس فیلڈ میں مکمل طور پر لے آیا۔ اس فیلڈ میں
 ہمارے خاندان کے کچھ لوگ ہیں مگر میں ان کی وجہ سے
 نہیں آتی بلکہ خاندان اپنے ٹینٹس کی وجہ سے آتی
 ہوں۔ مجھے بہت جیب سے لگتا ہے کہ میں کسی کے ساتھ
 جاؤں اور وہ کہے کہ اس کو اداکاری کا شوق ہے۔ اللہ کا
 بہت شکر ہے کہ مجھے خود بخود آفر آتی ہیں۔“
 ”پہلی فلم ”تھوڑا جی“ ہے اور ”پہلا ڈراما؟“
 ☆ ”پہلا ڈراما ”وہ ایک مل“ تھا اور بہت
 اچھا تھا مگر مجھے لگا کہ میرا کردار عزت والا نہیں ہے کہ



وہا ج علی

شاہین کریم



6 "کیا بننے کے لیے تعلیم حاصل کی؟"
"میں اچھا انسان بننے کے ساتھ ساتھ اچھا اداکار بننا چاہتا تھا بلکہ چاہتا ہوں۔ اس لیے NCA سے ماسٹر ان ٹی میڈیا کی ڈگری حاصل کی۔"

7 "شادی؟"
"الحمد للہ شادی شدہ ہوں اور تقریباً ایک سال کی بیٹی بھی ہے اور "ایڈو" نام ہے بیٹی کا۔"

8 "اندر پر ڈکس/آن ایئر ڈرامہ؟"
"آج کل جو سیریل آن ایئر ہے اس کا نام "ماوقام" ہے جبکہ آنے والے سیریل میں "میران" ہے جو ان شامہ اللہ "اسے آروائی" سے ملے گا۔"

9 "اداکاری سے گھر والے خوش ہوئے؟"
"نہیں تھا یہی اس وقت جب دو چار سیریل آن ایئر آچکے تھے۔ تو میں کچھ نہیں کیا۔ نہ خوش ہوئے نہ ناراض۔"

10 "گھر والوں کا اصرار تھا کہ؟"
"میں حجاب کروں۔ اور جب بتا چلا کہ اس فیلڈ میں آ گیا ہوں تو والد صاحب کے کونٹ تھے کہ مجھے معلوم تھا کہ یہ تو گری نہیں کر سکتا۔"

11 "شوہر میں کس بات نے ڈسٹرب کیا؟"
"مکہ اپنی کوئی سوشل لائف نہیں دیتی، پرائیوٹ لائف بھی خود ہی ڈسٹرب ہو جاتی ہے۔"

12 "والد کی نصیحت جو گروہ سے باہر کی ہے؟"
"ڈوئلڈ ایڈیو گنگ۔"

13 "فیئریٹیوٹیو؟"
"میرا نام؟"

14 "وہا ج علی؟"

15 "کون سا کام؟"

16 "میرا نام؟"

17 "وہا ج علی؟"

18 "میرا نام؟"

19 "میرا نام؟"

20 "میرا نام؟"

21 "میرا نام؟"

22 "میرا نام؟"

23 "میرا نام؟"

24 "میرا نام؟"

25 "میرا نام؟"

26 "میرا نام؟"

27 "میرا نام؟"

28 "میرا نام؟"

29 "میرا نام؟"

30 "میرا نام؟"

31 "میرا نام؟"

32 "میرا نام؟"

33 "میرا نام؟"

34 "میرا نام؟"

35 "میرا نام؟"

36 "میرا نام؟"

37 "میرا نام؟"

38 "میرا نام؟"

39 "میرا نام؟"

40 "میرا نام؟"

41 "میرا نام؟"

42 "میرا نام؟"

43 "میرا نام؟"

44 "میرا نام؟"

45 "میرا نام؟"

46 "میرا نام؟"

47 "میرا نام؟"

48 "میرا نام؟"

49 "میرا نام؟"

50 "میرا نام؟"

51 "میرا نام؟"

52 "میرا نام؟"

53 "میرا نام؟"

54 "میرا نام؟"

55 "میرا نام؟"

56 "میرا نام؟"

57 "میرا نام؟"

58 "میرا نام؟"

59 "میرا نام؟"

60 "میرا نام؟"

61 "میرا نام؟"

62 "میرا نام؟"

63 "میرا نام؟"

64 "میرا نام؟"

65 "میرا نام؟"

66 "میرا نام؟"

67 "میرا نام؟"

68 "میرا نام؟"

69 "میرا نام؟"

70 "میرا نام؟"

71 "میرا نام؟"

72 "میرا نام؟"

73 "میرا نام؟"

74 "میرا نام؟"

75 "میرا نام؟"

76 "میرا نام؟"

77 "میرا نام؟"

78 "میرا نام؟"

79 "میرا نام؟"

80 "میرا نام؟"

81 "میرا نام؟"

82 "میرا نام؟"

83 "میرا نام؟"

84 "میرا نام؟"

85 "میرا نام؟"

86 "میرا نام؟"

87 "میرا نام؟"

88 "میرا نام؟"

89 "میرا نام؟"

90 "میرا نام؟"

91 "میرا نام؟"

92 "میرا نام؟"

93 "میرا نام؟"

94 "میرا نام؟"

95 "میرا نام؟"

96 "میرا نام؟"

97 "میرا نام؟"

98 "میرا نام؟"

99 "میرا نام؟"

100 "میرا نام؟"

101 "میرا نام؟"

102 "میرا نام؟"

103 "میرا نام؟"

104 "میرا نام؟"

105 "میرا نام؟"

106 "میرا نام؟"

107 "میرا نام؟"

108 "میرا نام؟"

109 "میرا نام؟"

110 "میرا نام؟"

111 "میرا نام؟"

112 "میرا نام؟"

113 "میرا نام؟"

114 "میرا نام؟"

115 "میرا نام؟"

116 "میرا نام؟"

117 "میرا نام؟"

118 "میرا نام؟"

119 "میرا نام؟"

120 "میرا نام؟"

121 "میرا نام؟"

122 "میرا نام؟"

123 "میرا نام؟"

124 "میرا نام؟"

125 "میرا نام؟"

126 "میرا نام؟"

127 "میرا نام؟"

128 "میرا نام؟"

129 "میرا نام؟"

130 "میرا نام؟"

131 "میرا نام؟"

132 "میرا نام؟"

133 "میرا نام؟"

134 "میرا نام؟"

135 "میرا نام؟"

136 "میرا نام؟"

137 "میرا نام؟"

138 "میرا نام؟"

139 "میرا نام؟"

140 "میرا نام؟"

141 "میرا نام؟"

142 "میرا نام؟"

143 "میرا نام؟"

144 "میرا نام؟"

145 "میرا نام؟"

146 "میرا نام؟"

147 "میرا نام؟"

148 "میرا نام؟"

149 "میرا نام؟"

150 "میرا نام؟"

151 "میرا نام؟"

152 "میرا نام؟"

153 "میرا نام؟"

154 "میرا نام؟"

155 "میرا نام؟"

156 "میرا نام؟"

157 "میرا نام؟"

158 "میرا نام؟"

159 "میرا نام؟"

160 "میرا نام؟"

161 "میرا نام؟"

162 "میرا نام؟"

163 "میرا نام؟"

164 "میرا نام؟"

165 "میرا نام؟"

166 "میرا نام؟"

167 "میرا نام؟"

168 "میرا نام؟"

169 "میرا نام؟"

170 "میرا نام؟"

171 "میرا نام؟"

172 "میرا نام؟"

173 "میرا نام؟"

174 "میرا نام؟"

175 "میرا نام؟"

176 "میرا نام؟"

177 "میرا نام؟"

178 "میرا نام؟"

179 "میرا نام؟"

180 "میرا نام؟"

181 "میرا نام؟"

182 "میرا نام؟"

183 "میرا نام؟"

184 "میرا نام؟"

185 "میرا نام؟"

186 "میرا نام؟"

187 "میرا نام؟"

188 "میرا نام؟"

189 "میرا نام؟"

190 "میرا نام؟"

191 "میرا نام؟"

192 "میرا نام؟"

193 "میرا نام؟"

194 "میرا نام؟"

195 "میرا نام؟"

196 "میرا نام؟"

197 "میرا نام؟"

198 "میرا نام؟"

199 "میرا نام؟"

200 "میرا نام؟"

201 "میرا نام؟"

202 "میرا نام؟"

203 "میرا نام؟"

204 "میرا نام؟"

205 "میرا نام؟"

206 "میرا نام؟"

207 "میرا نام؟"

208 "میرا نام؟"

209 "میرا نام؟"

210 "میرا نام؟"

211 "میرا نام؟"

212 "میرا نام؟"

213 "میرا نام؟"

214 "میرا نام؟"

215 "میرا نام؟"

216 "میرا نام؟"

217 "میرا نام؟"

218 "میرا نام؟"

219 "میرا نام؟"

220 "میرا نام؟"

221 "میرا نام؟"

222 "میرا نام؟"

223 "میرا نام؟"

224 "میرا نام؟"

225 "میرا نام؟"

226 "میرا نام؟"

227 "میرا نام؟"

228 "میرا نام؟"

229 "میرا نام؟"

230 "میرا نام؟"

231 "میرا نام؟"

232 "میرا نام؟"

233 "میرا نام؟"

234 "میرا نام؟"

235 "میرا نام؟"

236 "میرا نام؟"

237 "میرا نام؟"

238 "میرا نام؟"

239 "میرا نام؟"

240 "میرا نام؟"

241 "میرا نام؟"

242 "میرا نام؟"

243 "میرا نام؟"

244 "میرا نام؟"

245 "میرا نام؟"

246 "میرا نام؟"

247 "میرا نام؟"

248 "میرا نام؟"

249 "میرا نام؟"

250 "میرا نام؟"

251 "میرا نام؟"

252 "میرا نام؟"

253 "میرا نام؟"

254 "میرا نام؟"



46 "نہو چہ؟"

"جب سے والد صاحب رخصت ہوئے ہیں۔ ہر چیز پر اشتباہ رہتا ہو گیا ہے۔ اس لیے کوئی شو چھپاؤنگ نہیں کرتا۔"

47 "ایک خواہش جو حسرت بن گئی ہے؟" والد سے سننے کی خواہش اب حسرت بن گئی ہے میرا دل چاہتا ہے ان سے ملوں ان کے گلے لگوں۔ ڈیڑھ سارا بچا رکوں اور ان کے پاس یہ رہ جاؤں۔"

48 "رول جو کرتا چاہتا ہوں؟" مجھے مشکل دھن اور چیلنجنگ ٹاپ کے رول بہت پسند ہیں اور ایسے ہی رول کرتا چاہتا ہوں جو لوگ یاد رکھیں۔"

49 "ایک انوکھی خواہش؟" "میرا دل چاہتا ہے کہ میں اپنی زندگی کا حصہ جنگل میں گزاروں۔"

50 "مجھے ڈر لگتا ہے؟" "مجھے بے پانی سے۔"

51 "خوارہ ہے کہ عبت ارجی ہوتی ہے۔ کیا بچہ ہے؟"

"نہیں، بالکل جھوٹ ہے۔ انسان بہت خود غرض فطرت کا مالک ہوتا ہے۔ یہ سب کچھ اپنی باتیں ہیں۔ کم سے کم آج کل کے دور میں عبت اندیشی نہیں ہوتی کہ سب کچھ لانا دو۔"

52 "بستر چھوڑنا آسان ہے یا مشکل؟" "میرے خیال میں بہت مشکل۔ اس لیے اگلے کے بعد بستر چھوڑنا مجھے بہت مشکل لگتا ہے۔"

53 "سکھاتا کون ہے، وقت، اپنا تجربہ یا دوسروں کا تجربہ؟"

54 "میں تو سمجھتا ہوں کہ انسان اگر سمجھے والا ہو تو جتنی چیزیں سکھاتی ہوں۔ وقت، تجربہ اور دوسروں کا تجربہ انسان کے استاد ہیں۔"

54 "اپنی کمائی سے کیا خرچہ؟" "وہی تو بہت کچھ خرچہ۔ گھر اپنی ذاتی کار خرید کر بہت سونگلا۔"

55 "مجھ میں کہاں جانا رہا نہیں لگتا؟" "بہر حال کہاں نہیں لگتا؟۔ ہر جگہ جانا برا لگتا ہے۔ کسی محسن میں تو دل چاہتا ہے کہ میں ہوں اور میرا فرم لکھ کر ڈیڑھ سونگلا۔"

☆

عبت اپنی باتیں یادیں۔
اب بھی عبت قلموں اور ڈراموں میں ہی نظر آتی ہے۔
"مگر کم۔"

38 "لوگوں کی ایک بات جو بری لگتی ہے؟" "کسانے والدین سے عبت کرو۔ تو کیا اب لوگوں سے پوچھ کر پاتا کر عبت کروں گا؟ کون ہے جو اپنے والدین سے عبت نہیں کرتا۔"

39 "مگر میں کس کے ساتھ وقت گزارتا ہوں؟"

"(چائے) Tea اور ٹی وی (T.V) اور مگر آتے ہی پرانا کام ہاتھ میں ریموٹ پکڑتا ہوتا ہے۔"

40 "مگر میں کھانا کھاتا ہوں؟" "اپنے بیٹہ سے۔ بہترین جگہ ہوتی ہے کھانے کے لیے۔"

41 "پسندیدہ ترین کھانا جو ہمیشہ کھا سکتا ہوں؟"

42 "آج کل کی لڑکیوں کو چاہتا ہوں؟" "کسانے داغ سے اپنے والدین کے داغ سے سوچا کریں۔ دل کی باتوں میں نہ آیا کریں۔"

43 "میری خواہش ہے کہ؟" "میرے ہاتھ میں آئی دولت آجائے کہ میں اپنے ملک کا قرض اٹا دوں۔ تاکہ پاکستان کسی کے دباؤ میں آ کر کوئی کام نہ کرے۔"

44 "میرے لیے ایک یادگار تاریخ؟" "جب میری بیٹی اس دنیا میں آئی۔ کبھی نہیں بھول سکتا۔"

45 "اب تک کے ڈراموں میں میرا پسندیدہ رول؟"

"ماہ تمام" میں "تقی" کا رول اور ایک ڈرامہ "گھر" جو تھا اس میں میں نے "سانو" کا رول کیا تھا۔ یہ دونوں ہی رول مجھے بہت پسند ہیں۔"

میری اچھی یادیں۔
27 "تہوار بچاؤ کرتا ہوں؟"

"بچہ و عید کا تہوار۔ بہت حرا آتا ہے۔"

28 "افسردہ ہو جاتا ہوں؟"

29 "لازمی لے کر گھر سے نکلتا ہوں؟"

30 "میری اچھی بات؟"

31 "مگر میں دوسروں کی زندگی میں مداخلت نہیں کرتا اور نہ ہی نوہ لیتا ہوں۔"

32 "ماں اور بیگم میں ٹینس کس طرح رکھتا ہوں؟"

33 "ناشتا بیگم کے ہاتھ کا پسند ہے اور کھانا اس کے ہاتھ کا۔"

34 "لہذا سانس لیتا ہوں؟"

35 "جب سینا اچھا نہیں ہو جاتا ہے اور اوکے بھی ہو جاتا ہے۔"

36 "پہلی اور آخری عبت؟"

37 "ایک نئی لڑکی سے کی عبت اور پھر اسے اپنا ہم سفر بنالیا۔ تو یہی پہلی اور آخری عبت ہے۔"

38 "وقت کی اہمیت؟"

39 "بہت زیادہ ہے۔ میری نظر میں اور بہت پابندی کرتا ہوں وقت کی۔"

40 "ایک ملک جو عبت پسند ہے؟"

41 "مالدیب۔ گھوٹا چاہتا ہوں بہت سارا۔"

42 "کیا اب بھی کچھ عبت ہوتی ہے؟"

43 "جی۔ جی ہوتی ہے۔ اپنی بیگم سے کی، پہلے۔"

آج سہیل خان

شاہین رشید

آواز کی دنیا کا ایک معتبر نام۔ بصارت سے محروم
مگر ہر چیز پر آ رہے ملاقات کیجیے۔

”کیسے ہیں۔ کیا حال ہے؟“

”جی اچھا۔ آپ کیسے ہیں؟“

”جی بالکل۔ ریڈیو کیسا چارہ ہے؟“

”جی آپ کی دعا سے بہترین۔“

”ریڈیو ہے، بارے میں بات بعد میں کریں
کے پہلے آپ اپنا پہلی بیک کراؤ پڑھائیے؟“

”11 فروری کو کراچی میں پیدا ہوا، میرا
تعلق کسی کراچی سے ہی ہے۔ میں گھر کا بڑا بیٹا ہوں اور

مجھ سے چھوٹی تین بہنیں ہیں والد صاحب نے ساری
زندگی جاب کی اور والدہ ہاؤس وانف رہیں۔ ٹیڈیا

ہونے کی وجہ سے تعلیم میں بہت پیچھے رہ گیا۔ لیکن
والوں نے بھی زیادہ سپورٹ نہیں کیا۔ وہ میرا ساتھ

دیتے تو شاید آج میں بھی ایک تعلیم یافتہ انسان ہوتا۔
جب میرا پڑنے اور آگے بڑھنے کا چاہ تھا میری

حوصلہ افزائی کرنے والا کوئی نہیں تھا۔ میں صرف
آجوں جی جماعت تک ہی تعلیم حاصل کر سکا۔ اس

زمانے میں مثنوی بچپن میں ایک ہی مشغلہ تھا یہ سننا
اور ریڈیو سن کر میں نے بہت کچھ سیکھا اور

وقت نے مجھے میری عمر سے پہلے ہی بچھڑ کر دیا۔
”جن لوگوں میں قدرتی طور پر باپ پیدا نہیں ہو

پر کچھ کی ہوتی ہے اللہ انہیں ایک شاعر بنیوں سے نوازتا
ہے۔ آپ کو بھی نوازا ہوگا کچھ تاہم اس بارے

میں؟“
”جی جیسا کہ آپ کو معلوم ہی ہے کہ میں

ایف ایم 101 سے وابستہ ہوں۔ تو اللہ تعالیٰ نے
مجھے بہترین یادداشت سے نوازا ہے تو میں نہ صرف



ہر ماں باپ کی خواہش ہوتی ہے کہ ان کی اولاد
جب دنیا میں آئے تو پورے جسمانی اعضاء کے
ساتھ، یعنی دوستانہ بھی ہو۔ پورے جسمانی اعضاء کی بودہ
و باقی طور پر فٹ ہو، ہاتھ پاؤں سلامت ہوں اور
جب بڑا ہو تو اپنے پورے قد کا کچھ کے ساتھ۔
اب خدا جانے کہ یہ جینز جو حرکت کرتے ہیں یا کہ
اللہ تعالیٰ کی مصلحت کہ بہتر افراد میں کچھ نہ کچھ کی رو
جاتی ہے کوئی قوت سماعت و گویائی سے محروم ہوتا ہے تو
کوئی بصارت سے کوئی دماغی طور پر ان فٹ، کوئی
بہت لمبا تو کوئی انتہائی کوتاہ قد۔ بہر حال جب
انسان کسی نہ کسی کی قوت اس دنیا میں آتا ہے تو پھر
”جینے“ کے عادت و اطوار بھی سیکھ جاتا ہے اور اس دنیا
میں بہت سے لوگ اس کے سچے اور کھلم کھلا دوست بن
بن جاتے ہیں۔ مگر وہ خود کس طرح مکی بیتا ہے
یہ وہ خود ہی جانتا ہے۔ ”تکلیف خان آ رہا ہے“

مختلف جنموں کے لیے بھی کام کرتا ہوں۔ میں کرکٹ
statistical ہوں۔ جب انٹرنیشنل میچز ہوتے
ہیں تو میں انہیں کور کرتا ہوں اور اس کام میں مجھے
بہت مہارت حاصل ہو گئی ہے۔ تو میرے کام کو
دیکھ کر اکثر لوگ کہتے ہیں کہ اگر تمہاری پہلی جینس
سپورٹ کرنی اور اپنی تعلیم حاصل کر لیتے تو آج پتا
نہیں کہاں ہوتے۔

”تو جب آپ کو اس چیز کا احساس ہو گیا کہ
تعلیم میں کی روٹی ہے تو آپ نے دوبارہ کیوں نہ
شروع کیا؟“

”میں دوبارہ شروع کر سکتا تھا اور کر سکتا
ہوں اور میرا ارادہ بھی ہے مگر اب ریکارڈ طالب علم والی

انٹرنیشنل ہے۔ تو آج کا لٹو ہے مگر میں پرائیویٹ
انٹرنیشنل ضرور شروع کروں گا۔ تاکہ ایک سٹوڈنٹ

ایک ڈگری تو ضرور ہونی چاہیے۔“
”اپنا طالع کر دیا تھا۔ مطلب پہلی نے؟ اور

کا احساسات تھے جب والدہ میری نظر آئی؟“
”جی ہاں۔ جو پہلی ٹی طور پر ٹیڈیا ہوتے

ہیں ان کا کوئی طالع نہیں ہے تو ڈاکٹر نے تو بچپن
میں ہی بائیں کر دیا تھا اور والدہ میری تو کبھی بھی نظر

نہیں آئی۔ ہاں دنیا کو دیکھنے میں اور دنیا کو سمجھنے
میں مجھے کافی وقت لگ گیا۔ جب چھوٹا تھا تو

میرے گھر والے نے وی ڈی لگا کر اور ریڈیو لگا کر چلنے
جاتے تھے تو میں گھر میں اکیلا ریڈیو سنتا رہتا تھا اور

ریڈیو سن کر کہ اتنا پیچور ہو گیا تھا کہ مجھ میں بھی یہ
احساس پیدا نہیں ہوا کہ مجھ میں کوئی کمی ہے۔ ہاں۔

کافی وقت لگ گیا مجھے دنیا دیکھنے میں۔ اور اللہ کا
شکر ہے کہ میری یادداشت بہت اچھی ہے جس کی وجہ

سے لوگ حیران ہوتے ہیں کہ ہمیں ساری باتیں یاد
کیسے رہ جاتی ہیں۔“

”گھر والوں کو آپ کی پرورش میں مشکلات
آئیں؟“

”نہیں میرے خیال میں تو نہیں ہوئی۔“

”میں ریڈیو نہ صرف باقاعدگی سے سنتا تھا
بلکہ باقاعدگی کے ساتھ فون بھی کیا کرتا تھا۔ بچپن سے
ہی ریڈیو کا کارڈنگ کار بن گیا تھا۔ میری یادداشت



متاثر ہوتے تھے۔ تو بھی ریڈیو والے مجھے جانتے تھے تو سارا وقت، یہی میرے ساتھ رہتی تھیں۔ اور آج تک لوگ اگر مجھے سپورٹ کرتے ہیں تو میری اچھی یادداشت کی بدولت مجھے یاد ہے کہ ایک آربے کے ساتھ ساتھ میں نے پروگرام کیا اور پھر اس آربے کے ساتھ کافی ٹائم کے بعد پروگرام کرنے کو ملا تو میں ان سے کہا کہ آپ کو یاد ہے کہ 19 ستمبر کو بھی ہم ملے تھے، وہ دو بے ساختہ یوٹوبس "اچھا نہیں یاد ہے" تو مجھے ڈیٹ کے ساتھ ساری باتیں یاد رہتی ہیں۔ "اچھا نہیں یاد ہے" "میں ریڈیو جاننے کیلئے حاضر ہو گیا ہے؟" "میں ریڈیو سنتا تھا، کمال کرتا تھا۔ وقت بچی آگے بڑھتا رہا۔ 2008ء وہ سال تھا جب میں اہلیہ ایم جان کو کرنے کے ارادہ سے تو نہیں مگر بہن کی پاراسٹیوڈی کی قیادار چونکہ ریڈیو کے لوگ مجھ سے واقف نہ تھے، ساتھ ساتھ میری زندگی تو وہ بھی کھار مجھے ریڈیو پر پروگرام کرنے کے لیے بلا لیا کرتے تھے۔ مجھے یاد ہے کہ یہ سلسلہ یوٹی ویٹا جا جب میری ضرورت پڑی مجھے بلا لیتے تھے۔ پھر 2016ء میں کرکٹ کا "ایشیا کپ" ہوا، تو ہماری پروگرام منیجر ربیعہ اکرم اور فرخ نسیم نے آپس میں مل کر کیا کہ یہ بندہ اتنا زیادہ آتا ہے اور اپنے کام کو منت و شفقت کے ساتھ کرتا ہے تو ہم کیوں نہ اسے مستقل رکھ لیں۔ تو میں سمجھتا ہوں کہ ربیعہ اکرم صاحبہ نے ایک لحاظ سے مجھے ہانڈ کر کے رکھ ہی لیا کہ تاجا ہے۔ انہیں کبھی کام ٹیک طور پر رکھی گئی تھیں کہ کبھی نہیں۔ مجھے بھی سوچ لیا تھا کہ کچھ کر کے ہی دکھانا گا۔ چنانچہ 24 فروری 2016ء کو میرا پہلا پروگرام آن ایئر ہوا۔ شروع شروع میں میں سنگھن پروگرام ہی کرتا تھا آہستہ آہستہ کیا ان بھی دینا شروع کر دیئے۔ تو مکس کرتا تھا کبھی اکیلا تو کبھی سماجی کے ساتھ۔ چونکہ مجھے موسیقی میں بھی بہت ناٹن ہے تو پھر آہستہ آہستہ مجھے دیگر پروگرام بھی ملنا شروع ہو گئے جن میں میوزک کے پروگرام بھی شامل تھے۔

ستمبر 2016ء سے آقا محمد بھٹیت آربے کے کام کر رہا ہوں۔ اللہ کا شکر ہے کہ میزمرہ ربیعہ اکرم کو میں نے اپنے کام سے بھی باخبر نہیں کیا۔ "لوگ کہتا ہیں چارہ کرنا ناٹن حاصل کرتے ہیں۔ آپ نے کس طرح سب کچھ حاصل کیا؟" "مجھ میں ہی ریڈیو میرا شوق اور میرا جیون رہا ہے اور جب آپ کو کام سے لگاؤ پیدا ہو جاتا ہے تو اس کے بارے میں کچھ جانتا مشکل نہیں رہتا۔ مجھے تو ریڈیو پر کام کرنے والے آرزو کی بھی پوری ہنری معلوم ہوتی تھی کہ کب جوائن کیا، کب پہلا پروگرام کیا۔ کسی طرح کے پروگرام کے۔ تو میں نے ایک قدرتی صلاحیت کی جس کی وجہ سے میں آگے آگے بڑھتا چلا گیا۔ میرا شوق میرا جیون میرے کام آیا اور میں ریڈیو کا ہی ہو کر رہ گیا۔" "اللہ نے بہترین یادداشت دے کر اور بہترین آواز دے کر آپ کے لیے زائد ہر کار بنایا۔ تو شکر کرتے ہیں یا بھی اللہ سے کسی کا شکریہ بھی کرتے ہیں؟" "ہاں سوچتے ہوئے۔" "میں بہت اچھی زندگی گزار رہا ہوں۔ شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ مجھے لوگ بہت اچھے ملے۔ خواہ میرے دوست ہوں۔ خواہ اہلیہ ایم کے لوگ ہوں یا میرے چاہنے والے ہوں جو مجھے سنتے ہیں میرے سپورٹر۔ مگر پھر بھی اپنی اپنی اس کی احساس کی ہے بہت زیادہ ہوتی ہے۔ مگر پھر جتنا ہوں کہ ہر انسان کی زندگی میں کوئی اتار چڑھاؤ ہوتا ہی ہے۔ تو میں چاہتی ہوں تو لاکھ کہبت انجرائے کرنے والا بندہ ہوں۔" "وہ لوگ جنہوں نے آپ کا دل دکھایا آپ کا ساتھ نہیں دیا، آپ کی تعلیم اور آپ کی پوری سوانحہ اس کے کہہ چڑھتے سورج کی سب ہی پوچھا

کرتے ہیں۔ اس صحت کو بدلتا ہوں۔ اس صحت کو بدلتا ہوں۔ میری زندگی بہت اچھی ہیں۔ بہت سپورٹ کرتی ہیں۔ خیال رہتی ہیں۔ سب ہی بہت خیال رکھتے ہیں۔" "اپنے پروگراموں کے بارے میں کچھ بتائیں؟" "بنیادی طور پر چونکہ میں اسپورٹس کا بندہ ہوں تو میرا پروگرام بھی اسپورٹس پر ہوتا ہے۔ میرے پروگرام میں میلوں کی خبریں ہوتی ہیں، مگلا یوں کو اپنے پروگرام میں مدعو کرتا ہوں۔ اس کے علاوہ میوزک کے پروگرام کرتا ہوں۔ "بھٹ قاری" اس میں گانے ہوتے ہیں، میوزک کے خالے سے ریسرچر ہوتی ہیں۔ میں نے زیادہ تر اپنی پسند کے گانے ہوں۔ کبھی کھار لائے گا کفری لیے لیتا ہوں۔ مختلف ادارہ کے میوزک مجھے پسند ہے۔" "کس طرح کا میوزک پسند ہے؟" "مجھے 90's کی پاپ میوزک بہت پسند ہے۔ اس سے آواز زیادہ زندہ کر رہا ہوں۔ کبھی جو گانے ہیں انہیں یاد دلایا رہا ہوں اور اپنے پروگرام میں پوری تیاری کے ساتھ آتا ہوں۔" "کتنے گانے سننے میں دن پروگرام کرتے ہیں اور پروگرام کی تیاری کس طرح کرتے ہیں؟" "آج کل مجھے میں 3 دن پروگرام کرتا ہوں۔ پھر اور بھرات کو سپورٹس کا پروگرام کرتا ہوں اور مشکل کی صبح "Just for you" کرتا ہوں اور پروگرام کی تیاری اس طرح کرتا ہوں کہ میرے موبائل پر Talking سونف دہرے ہیں۔ اس کے ذریعے دینا جیسا کہ معلومات حاصل کر لیتا ہوں۔" "زندگی میں بہت سے اچھے لوگ بھی ملے ہیں اور برے بھی۔ بے شک کے ہوتے ہیں۔ برے لوگوں سے اور بچوں سے ڈرا کہی؟ کیونکہ وہ نکلے بازی ضرور کرتے ہیں؟" "نہیں۔ ایسا کوئی سنن تو نہیں ہوا اور نہ

زندگی کا انجوائے کرنے کے لیے ہوتی ہے۔" "لوگ زندگی کے لیے کیا سیکھا؟" "ہاں سیکھا کہ جن لوگوں نے آپ کو سپورٹ کیا۔ جنہوں نے آپ کو آگے بڑھنے میں مدد دی ہے۔ ان لوگوں کو بھی کھانا نہیں، اگر آپ کو خودی کے تو پھر زندگی بے سکون ہو جائے گی اور آپ انہیں کریں گے۔ اچھے لوگوں کو ہیٹا اپنے ساتھ رکھیں۔" "محبت کی کسی سے؟ یا کسی نے آپ سے؟" "ہاں مجھے ہوتے۔" "نہیں۔ اچھی تک زندگی میں ایسی کوئی نہیں آئی کہ جس سے محبت ہوتی ہو اور ہاں مجھ سے کسی کے۔ اور وقت میرے لیے بہت حیران کن تھا۔ مگر بات آگے نہ بڑھ کر کیا کبھی درمیان میں کچھ اور مسئلے مسائل آگے تھے۔ بہت کل کر کسی نے اٹھار لیا تھا۔ خبر۔ بہت عزت کے ساتھ بہت کل کر بھی بھول نہیں پاؤں گا۔" "وقت کی پابندی کرتے ہیں؟ دیگر آربے سے کدھی؟ اور مزاج کیا کیسے ہو؟" "میں وہ بندہ ہوں جو دے دے نام سے آواز کھانچتا پیلیا کرتا ہوں۔ اور پہلے پچھتاہی بہتر ہوتا ہے تاکہ کبھی موجود لوگوں سے ٹھوڑی سی ڈسکشن بھی ہو جائے۔ اور پروگرام کے بعد بھی یہی تصویر جی وی اور ٹیوی آفس کچھ مزاح بندہ ہوں۔ ریشس ہو کے کا کرتا ہوں۔ کل مزاج بہت ہوں۔" "دیگر جو کچھ نے راپ کیا آپ سے؟" "جی۔ ہائل ڈیگر جو کچھ سے آفرز ہوئیں مگر اہلیہ ایم 101 سے ایسی انیٹ ہو گئی ہے کہ اسے چھوڑنے کو دل نہیں جاتا۔ یہاں کا ماحول بہت اچھا ہے۔ یہاں کے لوگ بہت اچھے ہیں اور میری نظرس میں لوگوں کے ساتھ میں ہم آہنگی بہت جتنی

کرتے ہیں۔ اس صحت کو بدلتا ہوں۔ اس صحت کو بدلتا ہوں۔ میری زندگی بہت اچھی ہیں۔ بہت سپورٹ کرتی ہیں۔ خیال رہتی ہیں۔ سب ہی بہت خیال رکھتے ہیں۔" "اپنے پروگراموں کے بارے میں کچھ بتائیں؟" "بنیادی طور پر چونکہ میں اسپورٹس کا بندہ ہوں تو میرا پروگرام بھی اسپورٹس پر ہوتا ہے۔ میرے پروگرام میں میلوں کی خبریں ہوتی ہیں، مگلا یوں کو اپنے پروگرام میں مدعو کرتا ہوں۔ اس کے علاوہ میوزک کے پروگرام کرتا ہوں۔ "بھٹ قاری" اس میں گانے ہوتے ہیں، میوزک کے خالے سے ریسرچر ہوتی ہیں۔ میں نے زیادہ تر اپنی پسند کے گانے ہوں۔ کبھی کھار لائے گا کفری لیے لیتا ہوں۔ مختلف ادارہ کے میوزک مجھے پسند ہے۔" "کس طرح کا میوزک پسند ہے؟" "مجھے 90's کی پاپ میوزک بہت پسند ہے۔ اس سے آواز زیادہ زندہ کر رہا ہوں۔ کبھی جو گانے ہیں انہیں یاد دلایا رہا ہوں اور اپنے پروگرام میں پوری تیاری کے ساتھ آتا ہوں۔" "کتنے گانے سننے میں دن پروگرام کرتے ہیں اور پروگرام کی تیاری کس طرح کرتے ہیں؟" "آج کل مجھے میں 3 دن پروگرام کرتا ہوں۔ پھر اور بھرات کو سپورٹس کا پروگرام کرتا ہوں اور مشکل کی صبح "Just for you" کرتا ہوں اور پروگرام کی تیاری اس طرح کرتا ہوں کہ میرے موبائل پر Talking سونف دہرے ہیں۔ اس کے ذریعے دینا جیسا کہ معلومات حاصل کر لیتا ہوں۔" "زندگی میں بہت سے اچھے لوگ بھی ملے ہیں اور برے بھی۔ بے شک کے ہوتے ہیں۔ برے لوگوں سے اور بچوں سے ڈرا کہی؟ کیونکہ وہ نکلے بازی ضرور کرتے ہیں؟" "نہیں۔ ایسا کوئی سنن تو نہیں ہوا اور نہ

رہی ہے اور یہاں سب کچھ ہے۔ اور چرخہ کی دوسری
تو بت بھی نہیں آئی کہ اس چرخہ کو چھوڑ دوں۔

”کچھ کر لیجئے کہ یہ مشکل بنانا آسان ہے یا بنایا جا
سکتا ہے۔“

”میری ذاتی رائے تو یہی ہے کہ ریڈیو کو
پریشان بنانا ایک مشکل کام ہے۔ یہ تو جن کا دوسرا
نام ہے۔ ریڈیو پر کام کر کے غیب ہی تکسین حاصل
ہوتی ہے۔ اس سے گھر کا بیڑی پر لپٹا نہیں چل سکتا تو
میں دیگر کام کر لیتا ہوں۔ میں بیڑیوں کی خاطر نہیں
چاہا بھی جانوں تو میرا دل نہیں ٹھنکا۔“

”دوسرا اور کی بھی کمرشل کے لیے یا
ڈراموں کے لیے آپ نے؟“

”نہیں جی۔ کیونکہ ابھی ایسا کوئی موقع
نہیں ملا اور شان ماثلاً کسی موقع ملا تو ضرور کروں گا۔
”کچھ ریڈیو کے علاوہ کیا مصروفیات ہیں آپ
کی؟“

”میرا بنیادی کام کرکٹ سے متعلق ہے اور
میں کرکٹ کے اعداد و شمار میں ماہر سمجھا جاتا ہوں۔
میں بنیادی طور پر اسپورٹس statistician
ہوں۔ میرا کام اعداد و شمار کو دیکھنا ہوتا ہے۔ مثلاً
اگر کسی کھلاڑی نے 100 رنز کیے ہیں تو اس سے پہلے
وہ کتنے 100 کر چکا کسی کس کے خلاف کر چکا ہے یہ
سب اعداد و شمار دیکھنا میرا کام ہے، ریکارڈ رکھنا میرا کام
ہے۔ یہ میرا شوق بھی ہے اور یہ میری فیلڈ بھی ہے
اور آئندہ فوج میں بھی اس کام کو آگے لے جانے کا
پلان بھی ہے کیونکہ اس فیلڈ میں بہت کم لوگ آتے
ہیں۔ اور لوگ مجھے کہتے ہیں کہ بہت مختلف فیلڈ
میں آئے ہیں۔ تو میں بھی کہتا ہوں کہ میں زندگی
میں مختلف کام ہی کرتا ہوں۔ اپنی ایک پچکان ایک
انفرادیت ہونی چاہیے۔“

”مزا مٹاؤ آپ کس کھارہ جڑی ہیں۔ جذباتی
بھی ہیں؟“

”بہت زیادہ جذباتی ہوں۔ اپنے جذبات
کو کنٹرول نہیں کر سکتا، دو روئے والا جذباتی نہیں

ہوں۔ صرف اس لیے اور اس لیے مجھے اس سے بچنا
ہوتا ہے۔ بہت کچھ کر جاتا ہوں اور بعد میں افسوس ہوتا
ہے کہ یہ بات نہیں مٹنی چاہیے گی۔ وہ بندہ کیا سوچے
گا۔ دیکھو وغیرہ۔ اور دوسروں کے وقایع کے
لیے بھی بہت جذباتی ہوں۔ اس طرح کوئی کھوڑ
فریضہ ہے اس کے ساتھ کچھ غلط ہو رہا ہو تو میں رو نہیں
پاتا۔ اور اس کا قیام کرتا ہوں۔“

”رہتا آتا ہے؟“

”پتھر دل آدھی ہوں۔ بہت مشکل سے رونا
آتا ہے اور کبھی رونا بھی آتا ہے تو اکیلے میں رونا
ہوں۔ مجھے لوگ کہتے ہیں کہ تم پتھر دل انسان ہو تو
میں کہتا ہوں کہ ہاں میں ایسا ہی ہوں۔“

”کھانے پینے میں کیا پسند ہے۔ گھر کا پسند
ہے یا باہر کا؟“

”میں کھانے پینے کا بہت شوقین ہوں۔ گھر
کا بھی بہت شوق ہے کھاتا ہوں اور باہر جا کر کھانے
کا تو اپنا ہی حراز ہے۔ ریسٹورانٹ میں جا کر کھانا
کوئی تھک جاتا چلتی ہے تو وہاں بھی محض وہ دوسری
کرتا ہوں کہ کھانا کیسا ہے۔ اور کون سے پیرے کے
شوق ہے۔ اپنے ہم سفر کے ساتھ کھانا پھرنا اچھا لگتا
ہے۔ اپنے سینئر کے ساتھ بات کرنا ان سے کچھ
سیکھنا بہت اچھا لگتا ہے اور فضا آئے تو لڑنے کا بھی
بہت شوق ہے۔“

”کچھ پکاتے کا بھی شوق ہے؟“

”لوگ کہتے ہیں کہ تم بہت ”پکاتے“
ہو۔ تو کھانا پکاتے کا شوق نہیں ہے بس دوسرا
”پکاتے“ کا شوق ہے۔“

”اس کے ساتھ ہی ہم نے سہیل خان سے
اجازت چاہی کہ انہوں نے اپنی مصروفیات سے غم
دیا۔“

☆☆

مقابلہ ہے اپنے

سعدیہ وحیدہ سعیدی

ادارہ

”س! اصلی نام کیا ہے؟ گھر والے پیار سے کیا
کہتے ہیں؟“

”ج! اصلی نام سعدیہ ہی ہے۔ گھر والے بھی
سعدیہ ہی کہتے ہیں البتہ میرے پیارے ابو جان کو
جب زیادہ لاڈ آتا ہے مجھ پر تو ”سارو“ کہتے ہیں اسی
جان بھی پیار میں ہی کہتی ہیں۔ ”دو شیں“ سعدیہ
کہتی ہیں۔“

”س! آئندہ آپ سے کیا کہتا ہے؟“

”ج! یہی کہ اللہ تعالیٰ نے فریخت بنایا ہے۔
الحمد للہ۔“

”س! حسین صورتیں دیکھ کر کیا خیال آتا ہے؟“

”ج! کوئی کوہنہ والا کیسا ہوگا۔“

”س! کوئی کہ جس کی طرف سے کون سا آف شور
کپینوں کے ریکارڈ رکھے ہیں۔ بابا موصیٰ، وائٹ،
ڈائری، وین، دایک، دوپ، انک بل جائے گی۔“

”س! یقیناً مجھی۔ مجھی واسطہ تو نہیں پڑا۔ پر نام
سے تو لگتا ہے۔“

”س! مہمان کیسے اچھے لگتے ہیں؟“

”ج! سب ہی اچھے لگتے ہیں۔ دل کرتا ہے اپنی
شیت سے بڑھ کر چھوڑ بیٹنی کروں۔“

”س! کھانے میں کیا پسند ہے؟“

”ج! نہ پانی، نہ پیسے، نہ گوشت ای کے ہاتھ کی
کڑھی، مرگا، بھنڈی، چینی۔“

”س! اگر آپ کو ایک دن کی حکومت مل جائے تو

سچی سحر

لندن کے انتہائی سرد موسم میں بڑھیا چائٹ کلب کی عمارت کے نیچے بیٹھی برآتے جاتے بندے کے آگے بیٹھ کر کے اپنے پیار شوہر کی دوا اور کھانے کے لیے پیسے مانگ رہی تھی کہ اچانک ٹی اپنے ہوائے فریضہ کے ساتھ وہاں سے گزرتے ہوئے بڑھیا کی جگہ بندہ رقم لے کر بھاگ جاتی ہے۔

”سلیم منزل“ کے کلو تے چشم و چراغ سلیم الدین جن کی والدہ حمیدہ خاتون ان کی شادی اپنی برادری یعنی لواتی رسم و رواج والی لڑکی سے کرنا چاہتی ہیں اور ان کے شوہر فواب سلیم الدین اپنے دیرینہ دوست ملک غیاث کی بہن شگفتہ کو بطور بیاہ پسند کر آتے ہیں اور اس پسند میں سلیم الدین اور دونوں بیویوں کی پسند شامل ہوتی ہے مگر حمیدہ خاتون مختلف زبان و مختلف ثقافت اور کم تعلیم یافتہ بہو کو دل سے قبول نہیں کرتیں اور دن رات کڑا کر تھیں۔

تھیں۔ آج ایک سرکاری افسر ہیں مزا ہا اہانتیا بدحزان، لاکھ بات بات پر بیوی کی بے عزتی اور اس پر ہاتھ اٹھانا اپنی شان سمجھتے ہیں۔ عیسٰی احمد اور قیہ کے دو بیٹے، دو بیٹیاں ہیں انما شہید، کلیل اور نسیل۔ عیسٰی احمد کے بڑے بھائی کبیر احمد سخت ضرور تھے مگر بیوی پر ہاتھ اٹھانے کو مرد کی بڑائی اور کمزوری سمجھتے ہیں۔ ان کے دو بیٹے عابد اور ساجد خواہ اسلئے عیسٰی کے سخت پسند ہیں اور تین بیٹیاں جن میں دو کلیل اور نسیل کی محبت ہیں اور ایک کسی کزن بھانجے کے ساتھ بیاہی جاتی ہے۔

اب آگے چلیے۔

چوتھی قسط



PakiBooks

کہا کہ، یہاں کوئی سے نہیں ہو گا۔

”میں تمہارے باپ کا نوکر نہیں، تمہیں پانی پلاؤں۔ ہونہ۔“ اچھا رہے باپ نے مجھے بطور مہربان سنا۔
تمہارے بلے سے تو باندھ دیا ہے، مگر وہ نہیں جانتے کتنا برا کیا ہے میرے ساتھ اور تمہارے ساتھ بھی۔“ مگر کسی کے
ساتھ سے برا کر وہ تم کو برا نہ کہل کر نہیں پریشان ہوئے۔ وہ اپنی رتی پھنسی سانسوں کو سنبھالتی، مگر پتی پتی، پانی
کھانے لگی۔ اپنا ایک الٹ کر دیکھا، مگر نہیں ملا، وہ اسی اذیت کے سمندر میں غوطہ زن رہی۔

☆ ☆ ☆

”مسٹر راسی! آپ کو کچھ تو آئیگا یا ہوگا، کون آپ کا دشمن ہے۔ کون آپ کے جزل اسٹور میں چوری کر سکتا
ہے؟“ پولیس آفیسر معاملے کی تحقیق کر رہا تھا، اس بات پر راسی کے ہونٹوں پر پھر بھی مسکراہٹ آگئی۔

”آئیگا یا نہیں، یقیناً ہے۔“ آفیسر یقیناً ہے، چونکہ کوئی اور دشمن میری بیٹی ہے۔
پورے نشان دہی کرتے ہوئے راسی نے دانستہ طور پر دھجی آواز نکالی گی، شفت پوری آؤ گے آئی گئی۔
پھر بھی تمہاری فیسر کی ساتوں تک بات نہ پہنچ پائی البتہ ساتھ والی کرسی پر بیٹھی رویکا نے نہ صرف شوہر کو گورا بلکہ اس کا
ہاتھ دیا ہاتھ میں لے کر لگا سا دیا۔

”راسی! تم۔۔۔ تم پاگل ہو گئے ہو، ایسی انکوی پیٹی کو چور ثابت کر کے اسے جیل بھیجا جاوے۔“ دلی
دلیری کوئی نے آفیسر کو شکوک نظر دے دینے پر مجبور کر دیا۔

”مسٹر راسی! آئی ایم وینٹنگ یور آفسر۔“
راسی تو جانے کیا جواب دیتے، رویکا آئی دیر میں سوچ چکی تھی اس کو کیا جواب دینا ہے۔

”نہیں، تمہارا کوئی دشمن نہیں اور نہ ہی ہمیں کسی پر شک ہے۔ اس لیے ہم اپنی تحقیق واپس لیتے ہیں،
پھر راسی۔“

رویکا پولیس اسٹیشن سے فرار جا رہی تھی۔ تمنا ہے کیوں اسے بھی اسی پر شک تھا، جس پر راسی کو تھا اور وہ
اپنے شک کو اپنے دل کی حدود سے نکلے دینا چاہتی تھی، وہ مگر بڑی ہو گئی اور راسی کا ہاتھ پکڑ کر اسے اٹھا چا ہا مگر راسی

نہیں ہلے۔
”مجھے شک ہے۔“ راسی کے لہجے میں جانے کیا تھا کہ آفیسر سمیت سب متوجہ ہو گئے۔ رویکا کا مطلق
ننگ ہو گیا۔

”راسی پلیز۔“ رویکا نے ملتی نظروں سے شوہر کو دیکھا۔ درخواستی انداز میں ہاتھ دبا کر چپ رہنے کی
درخواست کی کیونکہ اسے یقین تھا کہ راسی کی کے خلاف رپورٹ لکھوادے گا۔ چاہے بعد میں خود ہی پچھروانا

پڑے۔ راسی نے سختی سے رویکا کو دیکھا، ہاتھ پکڑا کر آفیسر کی طرف بڑھا۔
”اسٹریٹ رائیڈ راز!“ راسی کے چہرے پر تھکاؤ تھا، اٹھاتی ہوئی تھی۔ رویکا نے شہت ضبط سے آنکھیں

بھینچ لیں۔ دراصل اسٹریٹ رائیڈ راز ملتا ہے کہ جو ان لڑکے لڑکیوں کا شیطاں گرد تھا، جو دوسروں کو تکلیف اور
نقصان پہنچا کر ”چل“ کرنے کو اپنا حق سمجھتے تھے اور یہی اسی گروپ کی سرگرمی تھی۔ پلیز لوگوں کے اس ٹوٹے سے

لوگ پریشان تھے۔ راسی نے کتنا درد کاٹو تھا اسے اس گروپ میں شریک نہ ہونے کے لیے مگر یہی اور رویکا کے
راسی کی دال کہاں لائی تھی۔ راسی نے دیکھیں کہ کہا تو آفیسر تھے اسے دیکھ کر ہنس پڑا۔

”اسٹریٹ رائیڈ راز۔“ آفیسر دوسرے رویکے دالوں کو دیکھ کر ہنسنا تو وہ بھی نہیں دے۔
”میرا خیال ہے مسٹر راسی! آپ کی سڑک بھی گئی ہیں، آپ کو اپنی شکایت دالیں لے لے۔“

لغات انسان کے سامنے کھڑے ہوتے ہیں اور وہ مگر ہر بار ہوا کی سی تھکے آگے تیز کر دیتی ہیں۔ اس کی جانی کی
مگر دوسرا پانیہ میں شراہو گئی۔ ساسی تھا کہ ساسی کی نالی میں نہیں پھنس کر رہ گیا تھا۔ جب ممکن ہو رہی
تھی۔ کیوں ہو رہا تھا، ایسا اس کو تو دوسرے کچھ لگتا تھا جو اس نے سوچا جو چاہا، جس کو چاہا۔ وہ اسی کے جیون ساسی
کے روپ میں اس کے سامنے تھے۔ اس کی زندگی کے دروازے پر ساجد کے نام کی نیم چٹائی کی چھری سے سب
کیوں ہو رہا تھا۔ کتنا سوچا اس شخص کو جانے کتنا چاہا تھا، کتنے خواب دیکھے تھے۔ اس شخص کے ساتھ زندگی
م گزارنے کے آج اس کے پیارے خواب تعبیر بنے ساجد کے روپ میں سامنے تھے اور وہ خوش ہونے کے

بجائے دہن میں کڑی جا رہی تھی۔
وہ بھی باؤں کی پیاری باؤں اور مستقبل کے سترے خواب کی سرکشیوں کے بجائے، انہما کے خدشات کا

گہیر خوف، ناک بھیاک، سامنے کا راج تھا۔ شب مری کی اس خوب صورت رات کو کسی انہما کے خوف نے
اپنے بچوں میں پکڑ رکھا تھا، بیٹے میں شراہو تھک کر گویا بجلی کے جھٹکے لگ رہے تھے۔

ساجد اُم دم سے کی حالت میں مگر بڑی تیزی سے گھوم رہا تھا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اپنی اس بیٹی کو
دہن کو شت کر دے اور پھر وہ دم جو پتھر کی کاپیاں برتن کر دہن کا گھر گھٹ اٹھانے کے لیے بڑے پتے چاہے تھے۔

وہ اٹھے، آگے بڑھے، ہاتھ میں روٹھائی کی رنگ کے بجائے سفید پٹی ہوئی تھی۔ شین کا دل اس کے کانوں
میں دھڑک رہا تھا۔ اس نے خاموش قدموں کی چاپ پٹی اور سمت لگی۔

قدموں کی چاپ قریب ہوئی، گئی اور پھر پھرتے، سما کا ہوا اس کا گھر گھٹ شوشی سے تاز سے اٹھانے کے
بجائے بے دردی سے بے رحمی سے ٹوٹ گیا۔ کچھ لگتا ہے، خادار ہمارا ہی ہے سے محبت کرنا کر گیا ہو شین کا ایک

نظر اسے اس خوب، اس خواہش، اس گھٹاؤ کیلے۔ رویکی جو فیض و غضب میں کیلا کا رب دوسرے سے کڑا تھا۔
ابھی ان کی شکل کو فرتے اور غصے سے بھیاک بنا رہا تھا۔ شین نے خوف زدہ ہو کر آنکھیں بند کر دیں۔

خوابوں کا شہر اُڑا دیا نہیں تھا، اس کا آئینہ مل اس کا محبوب تو بہت خوب صورت تھا اس کے سامنے یہ کون شخص
اس کے سامنے کڑا تھا۔

”شادی مبارک ہو، سر شین ساجد! شادی بہت بہت مبارک ہو۔ اب چاچا کو، جشن مناؤ، گرمی سے محبت کی
سلطنت فتح کر لی ہے۔“ شب مری کا سکوت ٹوٹا کچھ اس طرح کہ دہن کے سب ہی خواب پچھتاؤ ہو کر اس

کی آنکھوں میں یوں کر اتر آئے۔ وہ ایک سٹے سے نہ چلی گئی کہ دوسرا اور ہوا۔
”بہت ارمان تھا، تمہارے باپ کو تمہاری شادی کرنے کا۔“ ہاں۔۔۔ ہو گئی شادی۔۔۔ مگر کیا میرا باپ،

تمہاری اور تمہارے باپ کی وجہ سے چھٹی گئی میری محبت، تمہاری وجہ سے اور۔۔۔ اور۔۔۔ مجھے کیا ملا۔ ایک قبول
صورت اختیار پاس، وہ ان کی سرینے۔ اب مجھ پر لازم ہے کہ ساری زندگی میں اس کا علاج کروا رہوں، تو یہ ہے

میری زندگی کا مقصد۔ ہاں یہی سوچا تھا، تمہارے باپ نے۔“ اب ساجد کے دونوں ہاتھوں میں تمیز کا
خوب صورت چہرہ تھا جسے اس نے قبول صورت کہہ کر فحاشات کا حیران کی سہول میں اتار رکھا۔

”کیون میری بات غور سے سنو، اس گھر میں بھلے تمہاری جگہ میں کسی کی سہول میں اتار رکھا۔
فٹ کر لو کہ میری زندگی، میرے دل میں تمہاری کوئی جگہ نہیں ہے۔ میری طرف سے آج یہاں سے دھن ہو جاؤ

میرے گھر سے۔“ اس کے بالوں کو ٹھپوں میں کھینچ کر جھٹکے سے چھڑا تھا۔ شین جواب تک برداشت کر رہی
تھی کہ اسے پہنچنے ساتوں کے درمیان، اچھا یہ انداز میں، ایک ایک کر بولی۔

”پا۔۔۔ پا۔۔۔ پانی۔۔۔ پانی۔۔۔ پانی۔۔۔“

[illegible]

☆ ☆ ☆
”آپ نے میری بات کا جواب نہیں دیا شہلا بیگم“

[illegible]

لیتی تھی۔ یہ شریف آدمی اس کی اعلیٰ تعلیم کی پکوں کی چشم پر ٹھہرایا کرتا۔

﴿ماہنامہ مکتبہ 33 جولائی 2018﴾

قدم چل کر وہ مڑی نہ دیکھ کر دیکھ گیا۔
 ”کچھ نہیں آ کر آزاد ماحول کی آزاد بچی ہوں۔ مجھے ہے آپ جناب، بیگم، خاتون۔۔۔ جوائنٹ فمیلی
 سسٹم خاص کر، گھر کے بزرگوں کا بچوں کے ہر معاملے میں یونان۔ اپنے فیصلے نہ صرف صادر کرنا پھرنا کہ کونسا نے
 کے لیے اپنی چاہنا مجھے شدید پائیند ہے۔“

مناسب دلچسپی میں شہلا نے اپنی پائیندہ گی کا اظہار کر دیا تو زیر کے اختیار میں ایک دل جزیں تھا جس
 سے ایک خضنی آہ برآمد ہو کر فضا کا حصہ بن گئی۔ دو ایک دم شہلا سے آگے نکل گیا۔
 ”ان سب باتوں کا تو صاف صاف مطلب ہے یہ وہ شہلا خاتون! امیرا مطلب ہے شہلا بیگم کہ۔۔۔ کہ آپ نہ
 تو ہمیں جانتی ہیں نہ ہی شادی کرنے میں متحیدہ ہیں۔ اگر۔۔۔ اگر ایسا ہی ہے تو۔۔۔ تو آپ کو فیصلے کا اختیار ہے،
 منع کر دیجیے۔ ہم نے آپ سے شدید محبت کی ہے، آپ کو کوئی نہ قصور مسموت ہے ہمارے لیے لیکن آپ کی
 خاطر ہم آپ سے دست بردار ہوئے ہیں واللہ حافظ۔“

”میں کہتا رہا کہ اس لیے بیٹنوں اپنے بے پائے فتوئی، اوپنٹ پنڈ ال گھٹن جہاں پسند نہیں آئی۔“ اب
 یہ بیٹے کی ماں ہونے کا احتیاط، ممتا کا استحقاق تھا کہ مری چٹکی کا اظہار کر گھنٹہ خاتون نے عمل کر گھٹن جہاں کو
 اپنی پائیندہ گی کا نشانہ بنا ڈالا تھا۔ ان کو اس روپ میں دیکھ کر سلیم میاں سکرانے بغیر زندہ نہ گئے۔
 ”اے وہاں بھلی کی بیٹلی جی آئی خراسی ہے۔“
 ”ہن ہاں اس کو کی مطلب ہو جائے۔“
 ”گھنٹہ آٹکھوں میں کا بھل کی سلائی لگا کر پلٹ کر میاں کو کھینچ لگیں۔“

”بھئی بیگم! مطلب کوئی ڈھکا چھپائیں، اب آپ خالہ صاحبہ ساس ولا کر داردار کریں تو کد بات ہے ورنہ
 گھٹن جہاں نیک شاک خوب صورت ہیں اور یوں بھی ان سب باتوں سے کیا حاصل، اب تو آپ کے نہ چاہئے
 کے باوجود گھٹن جہاں آپ کی بہو بن چکی ہیں اور آپ کے ”پو لے پائے“ ٹھوس میاں سوجان سے شہن جہاں پر
 ڈار ہیں اور ایمان داری کی بات ہے، بیگم کو چاہئے نہیں خیر میاں اپنے والد یعنی ہم پر گئے ہیں۔“ سلیم میاں نے
 شرارت سے بیگم کو دیکھا جو تھکلائے انگشت دھیر دھیر تھیں۔

”اے سہیلیا، یہ جودی ہے سلیم جی! وہ دو یا سلائی بھی گھٹن جہاں مجھے ایک آنکھیں بھاتی۔“
 ”تو آپ اس آنکھ سے مت دیکھا کیجیے جس کو وہ نہیں بھاتی۔“ اب دوسری آنکھ سے دیکھ لیا کیجیے۔“
 سلیم نے اپنی محبوب بیگم کو دیکھا جس پر غصہ بیٹھ ہی سوٹ کیا اس وقت بھی غم میں بھی وہ اتنی حسین تھیں
 جس حسن کے وہ خود مانے تھے مگر گھنٹہ بیگم جن کو اپنی ساس صاحبہ کی جو باتیں برا لگتی تھیں اب وہ خود وہی
 باتیں کر رہی تھیں تو سلیم میاں ان کو چھیڑا کرتے۔

”رہنے دو سلیم جی! آپ تو بالکل اپنی ہی بن گئے ہو۔“
 ”آپ بھی تو ماں جان بن گئی ہیں یعنی کہ حد ہے ماں جان ساس جیس تو آپ پر اعتراضات کے مسئلہ کی
 کرتی تھیں اور اب آپ اپنی بہو بنیں پر۔ ویسے ہر امت متا ہے ہم آپ کو تین کو بھینس پائے۔“
 ”تو نہ آئی کچھ نہیں، اب اپنی جگہ میں ناں اپنے چند ہالوں کو سوچ سوچ کے آزاد دیں۔“ امیرا فیئر خاتون داؤد
 جہاں گھبرولہ باز چڑھتا ہوا دس دی گئی۔ آپ نے اس کی اس کو گل کرتے ہوئے دیکھا ہے، سلیم جی! ایک لفظ
 کو اپنے دانتوں کی گرائنڈر ٹھٹھن میں ڈال کر اتنا تپتی ہے کہ وہ چار اللہ بلجا اٹھتا ہے۔“

”گھٹن خاتون! آپ نے والدہ سے سیکے جانے کی اجازت لے لی ناں۔“ اتھار دم سے آکر فیئر میاں
 نے شروع رنگ کی سازشی میں انتہائی حیرت میک اب میں شادی کے تمام کہوں میں تقریباً دس بنی گھٹن جہاں کو
 دیکھا جن کی کسی کزن کے سیکے کا عقیدہ تھا۔ گھٹن جہاں اپنی دادی ساس یعنی حمیدہ خاتون کی لاڈلی بہو ہیں اور
 اپنے حسن اور ناز و انداز کے خیر آ زما کر شوہر کے دل پر راج کرنے کا نونہ والی والدہ سے سیکے آئی تھیں۔
 ”دیکھیے فیئر صاحب! ہم نے والدہ سے اجازت لے لی ہے مگر آپ کی والدہ سے نہیں۔“ اپنے سر
 صاحبہ کی والدہ مطلب دادی جان سے تو پھر کجی اور سے اجازت لینا ہمیں ضروری نہیں لگا۔ چھوڑے ان کو

”گھٹن خاتون! آپ نے والدہ سے سیکے جانے کی اجازت لے لی ناں۔“ اتھار دم سے آکر فیئر میاں
 نے شروع رنگ کی سازشی میں انتہائی حیرت میک اب میں شادی کے تمام کہوں میں تقریباً دس بنی گھٹن جہاں کو
 دیکھا جن کی کسی کزن کے سیکے کا عقیدہ تھا۔ گھٹن جہاں اپنی دادی ساس یعنی حمیدہ خاتون کی لاڈلی بہو ہیں اور
 اپنے حسن اور ناز و انداز کے خیر آ زما کر شوہر کے دل پر راج کرنے کا نونہ والی والدہ سے سیکے آئی تھیں۔
 ”دیکھیے فیئر صاحب! ہم نے والدہ سے اجازت لے لی ہے مگر آپ کی والدہ سے نہیں۔“ اپنے سر
 صاحبہ کی والدہ مطلب دادی جان سے تو پھر کجی اور سے اجازت لینا ہمیں ضروری نہیں لگا۔ چھوڑے ان کو

Free Download

and

Read Online

From :



PakiBooks.Site

www.PakiBooks.Site

مہم میں ایک آپ کو صاف صاف بتا دوں، شادی کروں گی تو صرف زہیر سے اور نہ کسی سے بھی نہیں اور پھر
ہر روز نئی نئی کہانیاں سن کر مجھے ڈسٹرب نہ کیا کریں۔
”تو زہیر کے گھر والوں کی پابندیاں، تہذیب و ثقافت، روایات برداشت کر لو گی؟“
اس کا ریشہ بھلا نے ماں کو دیکھا۔
”جی! یہ ساری باتیں زہیر کے سوچنے کی ہیں۔ میں نہ تو ان کے جوائنٹ فلی سٹم کا حصہ بنوں گی نہ ان کی
روایات اپنائوں گی۔ اپنے اعزاز میں، اپنے لائف اسٹائل میں رہوں گی اور۔۔۔ اور جس دن زہیر نے اس
ایگریمنٹ پر سائن کر دیے اسی دن شادی کا فیصلہ ہو جائے گا۔“

☆ ☆ ☆

”زہیر میاں! آخر آپ چاہتے کیا ہیں، دادا جان، دادی جان اور ہمارے والدین اب آپ کی شادی کے
فرض سے سبک دوش ہونا چاہتے ہیں اور آپ کا سکون و اطمینان لائق مستحق ہے۔“
زہیر گھر میں سب سے چھوٹے تھے اور لاڈ لے بھی تھے۔ سب کی محبت کا مرکز بھی تھے اور اسے طور پر سب
نی ان سے شادی کے موضوع پر بات کر چکے تھے مگر وہ ہر بار دم پر کارنگل جاتے۔ وہ شہلا کی پہلی نظر کی محبت میں
گرفتار ہو چکے ہیں اور دل کے سارے تار جوڑ چکے ہیں اور شہلا کے بغیر زندگی کا تصور نہیں کر سکتے۔ یہ وہ تمام راز
تھا جو بعد ازاں وہ کسی سے کبہ نہیں پاتے تھے۔ اب جبکہ گھر والوں کا شادی کا تقاضا بڑھنے لگا تھا تو انہوں
نے دل کا پل کھولنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

”وہ۔۔۔ وہ کلیم بھیا تم نے وہیم بھیا کو بتایا تو ہے کہ۔۔۔ وہیم بھیا آپ بتائے لحاظ ہمارے آڑے آ رہے
ہے۔“ زہیر بڑے بھائیوں کے سامنے بھجک گئے۔

”ہاں، وہ بات یہ ہے کلیم بھیا کہ ہمارے زہیر میاں نے یہ نیورٹری میں ایک خاتون کو دل دے دیا ہے اور
چاہتے ہیں اسی خاتون سے اپنا گھر آباد کریں۔ لہذا ان کی درخواست پر غور کیا جائے۔“

وہیم بھیا نے ادب کو ملحوظ رکھتے ہوئے سر جھکائے زہیر کو دیکھتے ہوئے قدرے شرمیلی سے کہا تو کلیم میاں نے
خوش ہو کر زہیر کے شانے پر ہاتھ رکھا۔ وہ اصرار مانا کھڑے ہو گئے۔

”ہیں۔۔۔ زہیر راجی، یہ دل کا معاملہ ہے؟“

”یہ۔۔۔ وہ بس ایسے ہی ہمیں پسند آ گئیں۔“

”اے میاں! اس میں اتنا پس و پیش کرنے کی کیا ضرورت ہے اگر آپ اس خاتون کو جان چکے، پہچان
چکے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ آپ ان کے ساتھ اچھی خوش گوار زندگی گزار سکتے ہیں تو ہم آج ہی اطلاع کے اجلاس
میں آپ کی ملی جلی کر رہے۔ بحث و مباحثہ کے بعد امید کال ہے، مل جائے ہو جائے گا۔“ کلیم میاں کو چونک
سیاست کا شوق تھا اس لیے ان کی گفتگو میں سیاسی رنگ نمایاں ہوتا اور زہیر کو ملی دے دی تو وہ بھانے خوش ہونے
کے اور تجیدہ نظر آنے لگے۔

”بہت بہت شکر یہ بھائی جان! اب ایک مسئلہ ہے؟“

”اے میاں! جب تک لاڑکی راجی تو پھر اماں جان کی زبان میں کی کرے گا حاضی، چٹ مٹکتی تے پت دیا
کر کا۔“

کلیم میاں کی بیگم بھی چونکہ گفتگو کے خاندان سے تھیں اس لیے کلیم میاں بھی زیادہ تر بچائی بولنے پاتے
جاتے۔ دادی جان تو کئی روزہ جائیں، ہر قہام کر ایک ہی جملہ دہرایا کرتیں۔

ہائے! ہمارا خاندان تو تیرے زیرِ نگیں گیا۔" اور وہ چارہ کھڑا کھڑا کہہ کر دیکھ کر اس کی سانس میں اس اور اب شرارت اس کی کا وہ چٹختنے لگے کہ "تیکم کی سانس کا وہ حرارت اتنا کھرا ہوا تھا کہ کچلی شروع ہوئی۔"

"کی کل اے کا کیا سوچ رہے ہیں۔"

"زیرِ میاں آپ کے جو سانس ہیں، بھائی جان سے کہہ ڈالے۔"

وہم بجائے بہت بدمعاشی تو زیرِ نگیں سے ایک نظروں سے اُن بھائیوں کو دیکھا۔ دونوں بھائیوں کا ساتھ دینے کے لیے تیار کھڑے تھے اور وہ سوچ رہے تھے کہ کیسے وہ شہلا کے خیالات سے آگاہ کریں بھائیوں کو کہ وہ جس لڑکی کو چاہتے ہیں، شادی کرنا چاہتے ہیں اس کو نہ ان کے کہہ کر والے پسند ہیں نہ ان کے دہم دوران، نہ وہ لیاوت اور سب سے بڑھ کر ان کو جو ان کے لیے کھسکنا پڑے گا اور جسے ان کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا مگر یہ سب وہ بھائیوں سے کیسے کہہ دیں جو ان کی شادی کا کل پاس کرانے پر تھے۔

"زیرِ میاں! ان خیالوں میں ہیں، بتائیے نا۔ ہم کب لڑکی کے پاس رشتہ لے کر جائیں آپ کا۔ بہت دن ہو گئے مگر میں کوئی خوش گوار پنگا نہ دیکھ سکا ہوں۔ دارا جان اور ابا جان بار بار کہہ چکے ہیں کہ اب آپ کی شادی ہو جانی چاہیے۔"

"ہم بھیا! بالکل درست کہہ رہے ہیں زیرِ میاں! آپ ان خاتون سے پوچھ کر بتائیے، ہم واقعی اب یہ کام کرنا چاہتے ہیں۔"

دونوں بھائی تو ہاتھ دھو کر شادی کے پیچھے پڑ گئے تھے، اب کریں تو کیا کریں۔ کوئی ایسا دوست بھی نہیں تھا کہ جس کے ذریعے سے وہ اپنا نظریہ نظر سے شہلا کے خیالات پہنچا سکتے اور شہلا نے کسی طور پر ان کو آگاہ کر دیا تھا کہ اگر اس کے مطابق نہ مانے گئے تو وہ ہرگز ان سے شادی نہیں کریں گی اور یہ سلاہات ان کو خود نہیں دے تھے تو گھر والوں کے سامنے کیوں اور کیسے رکھتے۔ اس لیے انہوں نے ایک گہرا سانس فضا میں چھوڑا اور دونوں بھائیوں کے کمرے ہو گئے۔

"بھائی جان! ابھی ہم شادی نہیں کرنا چاہتے۔"

"ہائیں، ہم نے تو سنا ہے آپ شہلا سے محبت کرتے ہیں اور ہمارے خاندان کے مرد و عورت کی عزت کرتے ہیں۔ وقت گزاری نہیں سمجھتے۔"

"جی بھائی جان! آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں مگر شہلا تیکم کے خاندان میں کچھ مسائل ہیں۔" زیرِ میاں کو وہ بڑے بھائیوں کے کورمیان راہ فرار میں لے رہی تھی۔

"ارے بھئی، کیا مسائل ہیں ہمیں تو صرف لڑکی سے غرض ہے اگر ان کے معاشی مسائل ہیں تو ہمیں لڑکی کے علاوہ کچھ نہیں چاہیے، وہ ہر چٹان نہ ہوں۔" زیرِ نگیں نے دونوں بھائیوں کو دیکھا۔

"نہیں! ہمیں بھیا! معاشی حالات تو ہم سے بھی اچھے ہیں۔ بس کچھ باتیں ہیں ایسی کہ ہم آپ سے شیئر نہیں کر سکتے۔"

"کیسے اور سنئے! ایسی کون سی باتیں ہیں کہ آپ اپنے بھائیوں سے شیئر نہیں کر سکتے۔"

"بس بھیا! سمجھ لیجئے کہ ہم ایسی شادی نہیں کرنا چاہتے۔"

اور پھر زیرِ دونوں بھائیوں کو ابھی کہہ کر ہر گھل گئے تو دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر وہ گئے۔

☆☆☆

کمرے میں کچھ دیر قبل ساجد کی غرت کی شدید قسم کی آندھی چل رہی تھی۔ اب وہ بھی دوش روم میں تھا، کمرے کے ستارے میں تھیندی کی اکھڑی سانس کی آواز گونج رہی تھی۔ سب آگ رات کی دہکن جاں کی سی

"اپنے تھے۔ جو ان کی اکھڑی سانسوں میں اپنی سرسلیں بھی نہیں کروا کر رہی تھیں اور اس وقت وہ ایک ہاتھ پٹنے پر تھے جس میں شوہر کی تھیں اٹھ رہی تھیں، باہر دے گئے، ان تھیں ڈھونڈ رہی تھیں۔" وہ بائیں سالہ زندگی میں ان کی۔ بیماری بھی بلی کر جو ان ہوئی تھی اور ماں بھین سے اس کے ساتھ ساتھ اس بیماری کے بھی غم سے اٹھائے۔ وقت پر ان تھیں جانا اور کچھ دیر میں جسکی سانس رواں ہو جاتی۔ سینے کی تھیں جسم جانی تو وہ پاس اور بھین کے ہاتھ چوم لیتی مگر آج اس وقت وہ پران ہاتھ قربان ہونے والی ماں بھین نہیں جانی تھیں کہ ان کی لاڈلی بیٹی بھین آذیت کے بل صراط پر گزر رہی تھی۔

"بھیا! اللہ۔" ایک بے بسی کی سانس دعا میں کر چکا تھے ہونٹوں سے نکلی، اس نے گرتے پڑتے اپنا ہونڈ بیک اٹھا کر جو کہہ رہے تھے وہ دیر پر کھڑا تھا، کھولنا، ہاتھ پڑھنا مگر جانے کہاں تھا۔

"تھیندی میری جان! میری تھیں راوی! اتھارنا تھیں یہاں تھیں یہاں رکھ رہی ہوں، اللہ نہ کرے کہ ضرورت پڑے، پھر جی یہاں سے نکال لیجئے۔"

ماں کی مٹا کی بازگشت کانوں میں گونج رہی تھی مگر ضرورت وقت چڑھ ہی غائب ہو جاتی ہے یا ہماری ضرورت، ہماری آنکھوں پر پردہ ڈال دیتی ہے کہ سامنے ہی چڑھ نظر نہیں آتی۔ تھیندی تعقیف پر بھی جاری تھی، سانس نہ کرنا چاہتا تھا۔

"کہا۔ کہا۔ کہاں گا۔ گا۔ گیا۔ بالہ! اللہ۔"

اس نے آذیت میں بیک الٹ ڈالا، مگر ان تھیں لڑکھ کر بٹنے کے نیچے چلا گیا وہ بائیں کی طرح تالین پر لیٹا، ان تھیں جانی دوسری طرف دے کر کے ساتھ جا لگا تھا۔ وہ گہرے گہرے آذیت تاک سانس بھی، منہ کے اندر سے نکلتے تھیں، اسی وقت ساجد دوش روم سے باہر آیا تھیندی کو تھیں پر ادھ سے منہ پڑا دیکھ کر غرت سے اس نے پاؤں کوٹھ کر مار کر آگے بڑھنے کو تھیندی نے بے بسی سے اس کے پاؤں پکڑ لیے۔

"سا۔ سا۔ ساجد۔ ہم۔ سر جاکھ۔"

"تو شوق سے مرو میری جان! اچھوڑو۔ تمہاری وجہ سے میں پر ہوا ہو گیا ہوں۔ میری طرف سے بھاڑ میں جاؤ یا مرو، پاؤں چھوڑو میرا۔" ساجد نے ایک ہنسنے سے اس کی کمر کو گرفت سے لپٹا پاؤں آڑا دیکھ کر اپنی اٹھاری کی طرف بڑھا، بائیں ٹیک سوٹ نکالا پھر بنا کواری اور غرت سے نکلتے کچھ کرکھن کھولے، دونوں کمر کا تھیں پر تھیں تھیندی کے منہ کے قریب کر گئے۔

"سا۔ ساجد۔ اللہ کے واسطے۔ ہم۔ ہم۔ تمہیں ان تھیں نکال دیں۔ ہم۔ میرا۔"

میرا دم گھٹ۔ رہا۔ ہے پلینز۔ ساجد۔ دو کر کر بٹنے کے نیچے چلا۔ چلا گیا۔ پلینز نکال دیں۔ میرا۔ سانس نہیں آ۔ آ۔ رہا۔" تھیندی کی اکھڑی سانس میں کی گئی اچھی ساجد کے چہرے دل پر اثر کر گئی۔

"بہشتی سے تمہارا شوہر ہوں۔ غلام نہیں کر اب ان تھیں جی پیش کروں میڈم کی خدمت میں۔" وہ بوند۔ تھارو کر دی ہے میری زندگی تم نے تمہارے باپ نے اب تاکوں گا کہ جانی ہوئی کیا چیز ہے۔"

اور پھر ساجد سلا کی کرے پکاؤ کا تم کا ہاتھ پر نکال گیا اور وہ بے بسی سے نکلتے کچھ کرکھن کھولے، دونوں کمر کا تھیں جانی تھیں۔

☆☆☆

دوسری طرف سے یہ کہہ رہی تھی۔ بیٹیاں جو دوست ہوتی ہیں دونوں سرال جا بیٹھی ہیں۔ اسامہ ان کو گھر میں بھی اپنی گھر میں آکر اکٹھا کر دیں۔ بیٹیاں جو دوست ہوتی ہیں دونوں سرال جا بیٹھی ہیں۔ اسامہ ان کو گھر میں بھی اپنی گھر میں آکر اکٹھا کر دیں۔ بیٹیاں جو دوست ہوتی ہیں دونوں سرال جا بیٹھی ہیں۔ اسامہ ان کو گھر میں بھی اپنی گھر میں آکر اکٹھا کر دیں۔

اسی وقت فقیر صاحب خیر لے لائے، کڑی نظر رقیہ کے آ رہا ہوئی۔
 ”کس کو فون کیا جا رہا ہے؟“ واسک اتار کر ان کی طرف اچھائی گئی، انہوں نے جلدی سے پکڑی اور الماری میں سے ٹیگر نکال کر نکلتی۔
 ”کس سے بات ہو رہی تھی، جواب دینا پسند کر رہی گی آپ۔“
 اف وہی شخص مجھے مضبوطی سے آ رہا ہو گیا۔
 ”میں کچھ نہیں یوں یہ بھابی جان کو فون کر رہی تھی وہ فہمیدہ کے بارے میں پوچھتا تھا۔ اس اس کی طبیعت تو ٹھیک ہے۔“
 یہ جملہ تھا کہ جاس کی تیلی جس نے پھٹتی چل کر کام کیا اور فقیر صاحب بھڑک اٹھے اور ان کی زبان کے شعلے صدمہ بھڑک اٹھے۔
 ”میں شروع ہو گئیں آپ، کان کھول کر سن لو صدیقہ بیگم اپنی منہ زور متا رہا ہے بندہ باندھ لڑکیاں بیاہ کر اپنے گھر جا چکی ہیں، اب وہ جیسی ہیں، مرنے ہیں کس حال میں ہیں، ہمارا اب کوئی لینا دینا نہیں۔“ وہ بچار ہیں، صحت مند ہیں، اب یہ اس کے شوہر کی ذمہ داری ہے۔
 ”بوندہ شوہر تو سفاقی میں آپ کا بھی باپ ہے۔“
 کتنا ہی چاہا یہ جملہ کسی کر بد زبان شوہر کے منہ پر مارا جائے عمر میں بد زبان شوہر کی زبان سے کوئی بات سننا نہیں چاہتی تھیں۔ خاموشی کے مورچے میں جب چاہ پٹھنی اگلے حملے کا انتہا کرنے لگیں۔
 ”ہمارے گھر کی تمام خواتین نا اہل، بدسلوک اور نا معیت، انہیں ہیں اگر ذرا سی ہی صل ہوئی، تیز کر فیصلہ کیا ہوتا تو آج۔ آج۔“ ٹیگر کی آواز بھیک کی، صدیقہ نے دو کھادو اٹھائی سے آنسو صاف کر رہے تھے۔
 ”آج بھائی جان ہمارے ساتھ ہوتے۔“
 ”خام، جاہل انسان! اسرار قصور تمہارا ہے، اگر شادی لیت ہو جاتی، ان کی بات مان لی جاتی تو۔“ صدیقہ کی جو جھنجھکی تھی بے بسی تھیں۔ وہ جب چاہ اٹھیں اور گلاس میں پانی ڈال کر شوہر کو پیش کر دیا حالانکہ دل چاہور ہاتھا کسر پر اثر مل دیتی تاکہ کچھ ٹھیک آتی۔
 ”پانی پیئے، اللہ تعالیٰ بھائی صاحب کے درجہات بلند فرمائے شاید یہ سب ایسا ہی ہوتا تھا، قسمت میں یہ ہی لکھا ہوگا۔“
 ”دادا داد۔“ قسمت میں لکھا ہوگا، یہ جو آپ جیسے لوگ ہوتے ہیں ناں اپنی کمزوریوں کو تسلیم کرنے کے بجائے ایسا ہی کہتے ہیں۔ تشریف لے جائے اور جانے بنا دیجیئے۔“
 ”جی، ابھی لاتی۔“ وہ کچی فرار میں چاہتی تھیں، بڑا اچھا۔

تھیں اس کو گھول کر لیا ہے۔ در نہ ماں کی کوئی شہ پڑی رہی۔
 ”یالا! یہ باپ ہے کیا تمہیں صرف میری بیٹی ہے، بھانجے میری اس بد نصیب بیٹی کے نصیب میں کیا لکھا ہے۔“ وہ کہہ کر کانٹوں پر جھٹی دو بار گھل گیا۔
 ”بھلائی بھابی جان! میں نے کال کی تھی۔ کیسے ہیں آپ سب لوگ اور۔“ اور میری فہمیدہ کی ہے۔ دیکھئے بھابی جان! فہمیدہ کی طبیعت ٹھیک نہیں رہتی، آپ تو باجی ہیں ناں۔“ لیکن میں داخلی ہوئی تھیں کہ صدیقہ کی کال بیک آگئی۔
 ”اللہ شا! سب ٹھیک ہیں، قیاساً سب کچھ ہے، سب ٹھیک ہے مگر کبیر صاحب کی کی ہے محد محسوس ہو رہی ہے۔ مجھے سب کچھ دوران اور احوال لگ رہا ہے ان کے بغیر۔“ آنسوؤں کا گولا طعن میں انگ گیا، صدیقہ بیگم نے جواب دیا۔ اپنے جذبات پر مضبوطی کا بند باندھا ہوا تھا، ٹوٹ گیا۔ ایک ہمدردی آواز سن کر جبکہ ہمدرد کو اپنے زور کی دوا چاہیے تھی۔
 ”میں سمجھتی ہوں بھابی جان! آپ اس وقت درد کے کس تارک عار سے گزر رہی ہیں۔ شادیاں تو ہوئی تھیں کاش۔ کاش یہ سب ایسے نہ ہوتا۔ اس وقت ہم خوشی سے باغی ہو رہے تھے کہ ہمارے بیٹیوں کے گھر بھی آباد ہو گئے اور بیٹوں کے بھی۔ اللہ تعالیٰ ان کے گھر آدھر گئے۔ مجھے تھیں کبھی لگ رہی بھابی جان! وہ وہ ٹھیک نہیں اور کچھ سادہ کو پسند بھی نہیں، نہ جانے یہ سب کیسے ہوگا۔ یہ شادی رہے کی کہ نہیں۔“
 اب رقیہ کے مضبوط کے بندھنے کو تو وہ بہر نہیں، جو جد شاد رقیہ کو تھے، صدیقہ بیگم چونکہ سادہ کی ماں تھیں سب جانتی تھیں تاہم ڈوبے جو کتنا رے تھکا لائے کے کہ کاشی کرنا بھی اخلاقی فرض تھا۔
 ”اللہ کرے رقیہ! ان شاء اللہ! ایک تھیں ہوگا۔ میں اس مانتی ہوں کہ سادہ اپنے چچا جان پر گیا ہے، سخت کمر ہے اور۔ اور خیر تم گھر نہ کرو، میں ہوں سنبھال لیں فہمیدہ کو اور۔“ ابھی صدیقہ کی بات احوال ہی کہ سادہ دماغ ناچار آیا، ایک نظر ماں پر ڈالی وہ بھونک گیا۔
 ”دیکھ لیجئے! دائی سر فیض، بونیک مگر مل رہی ہے بیانی ہے۔“
 جملہ بھر کو یہ سن کر صدیقہ بیگم تھکے میں آ گئیں، ان کی کچھ نہیں آ یا کہ اب رقیہ کو کس جھوٹی آس کا پیو تھا، سادہ کی دلی گئی اطلاع سر مل رہی تھی کہ ان کے دلگ دے دیے مگر اتنی۔
 ”اچھا! قیاساً میں میں پھر بات کرتی ہوں۔ تم۔ تم پریشان نہ ہونا، اچھا اللہ حافظ۔“ جلدی سے فون بند کر کے دو سادہ کی طرف متوجہ ہو گیا۔
 ”بھابی تم نے کیا کیا ہے، سادہ بیٹا!“
 ”مجھے کچھ کہنے کا حق دیا گیا ہوتا تو اس وقت میں اپنے ارمانوں کا جنازہ کندھے پر ڈالے آپ کو اپنی دلہن کی فوغی کی اطلاع نہ دے رہا ہوتا۔ بر باد کردی آپ نے فل گمیری زندقہ۔“
 تو وہ اور بھی جانے کیا کچھ کہہ رہا تھا، صدیقہ نے سنانے میں آ گئیں۔ مجھے کچھ نہیں آ رہا تھا کہ پہلے فہمیدہ کو دیکھیں، اس کی دہی ماں کو اطلاع دی جا عابد اور اس کو بلا لیں۔ بھانجے کیسے کرتے پڑتے دو سادہ کے کمرے میں گئیں تو جی بھرا کہ انہیں سادہ کی اطلاع ہی محسوس ہوئی۔ فہمیدہ کس حرکت، اوہ نہ سنا تھا کہ پڑی گئی۔
 ”خ۔ خ۔ خ۔ فہمیدہ بیٹی۔ فہمیدہ بیٹی۔“ انہوں نے تڑپ کر اسے سیدھا کیا۔ وہ بے ہوش ہوئی، اکڑے اکڑے سانس بڑی مشکل سے لے پاری تھی۔
 ”عابد بیٹا۔“ وہ پوری قوت سے چلا گیا۔

”میری سہاگ رات، میری دکن لکیر میں ہے اور میں اس کے آگے سے میرا دل نکلتا رہتا ہے۔“
 کنڈر میں بھی روح کی طرح محو رہا ہوں۔“ شب ہے۔ شب ہے باگیا زندگی پر لخت ہے۔“

اسپتال کے لان میں دو اپنے دوست شبنم کے ساتھ بیٹھا بچہ رہا تھا۔
 ”کچھ بھی ہے ساجد اس وقت تمہیں سب کے سامنے موجود ہونا چاہیے۔ بھابھی کے گھر والے کیا سوچ رہے ہوں گے۔“ ہر شخص منہ ہی بات کرتا مگر ساجد نے گھور کر اسے دیکھا۔
 ”بھابھی کے گھر والے، مجھے اس کے مرنے چاہیے۔ کوئی مطلب نہیں۔ میں خوش نہیں، میرا دل خوش نہیں بھر کوئی نئے پاروئے، مانی فٹ۔“
 ساجد نے اپنے غم ہوتے سگریٹ سے دوسرا سگریٹ جلایا تو شبنم نے روک دیا۔
 ”بھیکر دوسرا تم کو تھیں اسکو کریں گے ہو۔“
 ”کوئی فرق نہیں پڑتا۔“

اندرا میر کبھی نہیں کیا ہو رہا ہے، شبنم کی حالت کبھی ہے۔ ساجد کو کوئی لگتی تھی کہ فرق پڑتا تھا اور جن کو پڑتا تھا وہ کب سے نہیں کرتے تھے۔
 ”پروردگار میری بچی معصوم ہے، مظلوم ہے۔ بچپن سے اب تک اس نے اس بیماری کو جھیلنا ہے اور۔۔۔۔۔۔ اور اب یہ بیماری اس کا گناہ بن گئی ہے۔“
 ”یا اللہ! میری بچی کو خوشیوں بھری زندگی دے دے۔“
 رقیہ کہہ رہا ہے سب سے بے نیاز ایک کوئی شبنم کے لیے شبنم کی بچی کی زندگی کی بھیک مانگ رہی جس۔۔۔۔۔۔ مگر بھر کے لوگ جمع تھے، کچھ کے چہروں پر بے زاری تھی، کچھ دل میں دھار کے تھے۔
 ”اس شبنم نے ہم سب کی سہاگ رات بر باد کر دی ہے۔“
 یہ عابد تھا، جوانی بھنگی کا اٹھارہ گراہ تھا تو ایک عیاشی اسامہ کے دل میں اتر گئی۔ یعنی کہ شبنم کی بچی کی زندگی۔
 اس کی بہن موت زندگی سے لڑ رہی تھی اور اس کو سہاگ رات کی بر باد کی کارو تھا۔
 ”یا اللہ! میری بہن کو زندگی عطا فرما دے پروردگار۔“
 بے شمار خاموش آسواں دعا میں شامل ہو گئے، اسی وقت ڈاکٹر باہر آیا۔ سب لپکے۔ سب کے دل ہلے بھر کو

دھڑکنا بھول گئے، نظر ڈاکٹر کے چہرے پر جم گئی۔
 ”ڈاکٹر! اچھی خبر ہے ناں؟“ فکیل اور بیل نے تانی سے آگے بڑھے۔
 ”موجودہ اب خطر سے باہر ہیں، ورنہ آٹھما کا بڑا خطرہ تاک ایک ہو تھا ناں کو۔ ابھی تو اندر آ پڑویشن رکھا جائے گا، جیسے ہی نامل ہوں گی ڈسچارج کر دیا جائے گا۔“
 ”یا اللہ! تیرا شکر ہے۔“ عابد کی اوٹ میں چھپی اسامہ کی ہر دھڑکن اللہ کے حضور شکرانے میں گر گئی۔ رقیہ بیگم سے لگنے لگی تھی کہ دیر دونوں ماں میں بددیوبہ ہیں، احد یقینے رقیہ کو ساتھ لگا لیا۔
 ”سارک ہو بیٹی کی زندگی۔“
 مگر کوئی نہیں جانتا تھا یہی زندگی شبنم کے لیے پُر خارا راستہ بنے جا رہی ہے۔

روہیکا نے اندھ کر کھڑکی کا پردہ سر کاٹا جہاں سے ہر دلی گیت صاف نظر آ رہا تھا۔ گیت پر حسب توقع ہی تھی، اسے بے نیاز کرپ کے ساتھ۔
 ”اشنو پلڑی انجانے کب یہ باپ کی سا بیٹی سمجھے گی۔“

”نہ آگئی۔“ لڑائی رات نے خنڈ میں مزید اضافہ کر دیا تھا۔ اسے گرم کپڑے پہننے کے باوجود رویکا کا کپڑا ہی چھپتا تھا۔

”واہ! دہراہلہ! آپ جلدی نہیں آ سکتیں، مانی خنڈ ہے۔“
 ”شب آپ۔“ یہ کوئی نام ہے گھر آنے کا۔ رویکا نے اسے گھبراہٹ اسٹریٹ لائٹ میں اس نے اس کے دوستوں کو کھینچا، روٹھنڈ میں ایک دوسرے سے جڑے کھڑے رویکا کے مزید حکم کا انتظار کر رہے تھے۔
 ”مام! اتنی بڑی ہو گئی ہیں، ابھی تک آپ کو نام دیکھنا نہیں آیا۔ گاڑا ناں گم نام میری مام کو تا کہ ہم اندر جا سکیں۔“ مانی نے ماں کا مذاق اڑاتے ہوئے اپنے دلخیز دوستوں کو دیکھا۔
 ”شب! مانی! خاموشی سے اندر آؤ اور بیک ڈور سے اپنے روم میں جا کر سو جاؤ اور کوئی شور نہ ہونے پائے۔ تمہارے ڈیڑھا بھی سوئے ہیں، والو کے گاڑا ہائے۔“
 رویکا نے باقاعدہ مانی کا ہاتھ پکڑ کر اندر کھینچا اور گیت بند کیا تاکہ باقی اندر نہ آئیں مگر مانی نے پلٹ کر گیت کھول دیا۔

”گم گاڑو؟“ مانی کی اجازت تھی کہ مانی، جارحیت سے مانی گروپ کا کیا سکا دوست بھی اندر آ گئے۔ رویکا نے سر پھینک لیا، مانی بھی ہر دھڑکن کرتی تھی جو اس باپ خصوصاً سکا پند ہوتی تھی۔
 ”کی ڈاکٹر! آج جاتی ہو تمہارے دوستوں کو گھر میں آئے گا پند نہیں تو۔۔۔۔۔۔ تو۔۔۔۔۔۔ پلیر گاڑو! اندر شینڈ ی، ٹی کے ڈیکو پند نہیں کی کی کے ہوائے فرنیچر اس کے روم میں آئے کر رہے۔“
 ”نہیں مجھے پند ہے کم گاڑو؟“ حسب عادت، حسب توقع مانی نے بے نیازی سے ماں کی بات کو رد کیا۔ سب مانی نے اندر آ کر مانی میں اندر آ گئے مگر مانی کا کیا سکا دوست بہت کچھ نہیں آیا۔
 ”ہر ت! ام آں۔“ مانی کے پیڑھی اور ہر ت کا ہاتھ پکڑ کر اندر کھینچا۔
 ”اؤ کی کیا کیا۔“ مانی نے اس کی دلی لڑائی اسے سے مانی اندر نہیں آتا۔ بہت سنگھ کے ساتھ ہر باہر ہی تھا کہ وہ ان کے گروپ میں شامل ہو گیا تھا اور اس کی بھانجی مانی سے کسی کے بچے نہیں پڑتی تھی مگر رویکا کچھ کچھ کچھ بھگتی آئی تھی۔

”ہر ت! ام کو پتا چلا ہے جو ہر انگلی میں کبوتراں ان کو بھگتے گی۔“
 اور جب ہر ت نے اپنی بات انگلیں میں پڑائی تو مانی کو گھورنے لگی اور ہر ت کا ہاتھ پکڑ کر اندر کھینچ لائی اور مانی سے مانی بولائی، اسی طرح ہر ت کو کھینچنے والے اندر مانی کی طرف بڑھی، باقی لوگ مانی کے پیچھے چل دیے تو رویکا کی خنڈی آہ بھی سر دھنکا حصہ بن کر گم ہو گئی۔
 ”یا اللہ! اب رانی جب ان لوگوں کو مانی کے کمرے میں دیکھے گا تو پھر ایک فساد، ہنگامہ، توڑ پھوڑ۔۔۔۔۔۔“
 ”بھگتے سے ہر ت سے سو بیٹی میں حیا پاں چڑھ کر اوپر آئی تو رانی خنڈ میں کھڑے اس کی آواز کا انتظار کر رہے تھے۔
 ”تو اب تمہاری بیٹی کے ہوائے فرنیچر ڈاکٹر کاٹ بھی اسٹنڈ کیا کریں گے، وہ بھی اسی کے روم میں۔ واٹ از اس رویکا بیگم، میری تیری کا جاننا فائدہ اٹھا کر آج دو میری عزت۔“

رانی شہ پر خنڈ میں تھے، ان کا کس پہلا تو رویکا کو پہلی سڑی سے دھکا دے دیتے اور وہ لڑکتی ہوئی گیت کے ساتھ گرائی کر دہراہلہ سب کا قصور اور خود کو بھی سمجھتے تھے۔ اس لیے خنڈ کی آخری حد پار کرنے سے پہلے سنبھل جاتے اور ان کا یہ کھلنا خود کو کسٹروال کر لیتا ہی رویکا اور مانی کو شہ دے جاتا۔

”گم ناں! اسی اہم تو مانی کی حرکتوں اور باتوں پر ناخوش دیکھ رہی ایکشن شکر ہے۔ یہ سب اس ماحول کا

قابل بھی نہ سمجھتا اور ای بات کا مصداق ہی رہا۔ پھر تو کونکے چار بار تھا۔
 ”کیا بات ہے چچی جان! میں تو کچھ نہیں ہوں آپ جب سے روئے جارہی ہیں۔ ہم سے کوئی گستاخی ہوئی ہے۔“
 ”عصر کی نماز کے بعد وقت بچا ہے نماز پر بھی غصہ کے لیے دعا کرتے ہوئے جارہی ہیں کہ شاہد چپکے سے آکر قریب بیٹھ کر تو بندھ کر ٹھٹھکیا اور وہ ہمدرد ہو کے گنگے لگ کر شدت سے رو رہی۔“
 ”نہیں میری بیٹی! تم۔۔۔ تم دونوں تو میری آنکھوں کی خشک ہو۔ جب سے تم لوگ میرے گھر میں آئی ہو، میں سکون میں ہوں مگر غرضیت کی وجہ سے میں بے حد غم مند ہوں۔۔۔ وہ دو ساجد سبیل کی پسند نہیں اور برے بیمار رہتی ہے۔ ذرا۔۔۔ ذرا سی بات پر پریشان ہو جاتی ہے اور جیسے ہی وہ پریشان ہوتی ہے، اس کی سانس اکھڑنے لگتی ہے اور۔۔۔“
 ”ہمدرد ہو کر بھی انہی سانس کا سہارا ہوتی ہے اور پھر سانس کی تکلیف اور دکھ کا باعث اس کا اپنا بھائی تھا۔ وہ شاموش دلاسوں کے سوا سانس کو کچھ بھی نہ کہہ سکتی۔“
 ”چچی جان! صبر اور دعا کے سوا اور کوئی چارہ نہیں۔ ساجد تو شروع ہی سے ضدی اور خود سر رہا ہے۔ آپ بہت نہ باریں، اللہ بھڑکے گا۔ ان شاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔“
 ”نہ جانے میری مظلوم بیٹی کی قسمت میں کیا لکھا ہے، بھائی اور باپ تو اس کا نام سننا نہیں چاہتے، انہوں تو اسے کچھ سے کی طرح کھر سے نکال کر سبک دیا۔“
 ”جانتی ہوں چچی جان! آخر آپ فگر نہ کریں۔ وہاں ای جان ہیں ناں اور پھر اسامہ بھائی ہیں۔ وہ تمہیں کا بہت خیال رکھتی ہیں۔“

”ہوہو! اسامہ!۔۔۔ بھائی جان! اسے میں سب کی حیثیت جانتی ہوں مگر خیر اللہ تو ہے ناں۔“
 ”اب کی ہے ناں آپ نے اچھے مسلمان والی بات، جب اللہ ہے تو پھر کیا کم۔ اللہ تعالیٰ انسان کو بھی اس کی برداشت سے زیادہ آزمائش میں نہیں ڈالت۔“
 ”اوہو بھی، آپ سانس بھونے سے نہیں پر مغرب کر دی، اشیاء اور ذر کی تیاری میں ہمارا ہاتھ ٹاپے۔ چچی جان! آپ کباب بنائے پھاؤ اور آ پ!“
 ”بھئی۔۔۔ زائدہ! شرم کرو، چچی جان کو کام کرنے کو کھڑی ہو۔“
 ”شاہد کو زائدہ کا قہقہوں کو بھائی چھائی نہیں لگا تو زائدہ ڈھائی سے بولی۔
 ”اگر سے شکر کرو، ابھی کباب بنواری ہوں، چچی سے پوچھنا بھی لگاؤ اس کی۔“
 سانس اور مین کو جیرت میں پھوڑ کر زائدہ کل گئی، دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئیں۔

☆☆☆

آج شہینہ کی طبیعت کافی بہتر تھی، وہ بہت خوش تھی، ابھی محسوس کر رہی تھی۔ اس نے اچھی سی سازشی پینٹی اور اب ایک آپ کے لیے ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑی تھی اب اسک لگائی تھی کہ ساجد آ گیا۔ وہ نیکو نصہ، وہی رگویت۔
 ”آئی ہے کا تھداں کے ہاتھ میں دے دیے، وہ صبر کر لے۔“
 ”یہ۔۔۔ یہ کیا ہے ساجد؟“
 ”طاق نامہ۔۔۔!“

☆☆☆
 باقی آئندہ ماہانہ شاد اللہ

☆☆☆

باقی آئندہ ماہانہ شاد اللہ

گنگوٹی

چھانگ مابہر گھر میں داخل ہوا تھا۔ ساری احتیاط کے باوجود بھی کھٹکا ہو گیا لیکن خیر کوئی نہ جاگا۔ ہٹا آواز کے قدموں سے چٹکا ہوا پیلے میں نے چن میں جا کر دیکھا۔ چڑلہا کب سے خضرا ہوا پڑا تھا اور خالی باٹری ہیرا منہ چڑا رہی تھی۔ روٹی کے چھابے میں خالی دو مال پڑا تھا۔ کھانے کو کچھ نہیں تھا۔ پھر جھوٹ برسا رہی تھی۔ جیسا کہ تائی میرے بارے



خالی تھی۔ سالوں سے تانی کے در پر پڑا ہوا تھا قلعہ
آج تک انہیں ایک جیسے نہ دیا تھا۔ اس لیے تانی اب
مجھے محسوس کیے نہیں۔ ان کا کہنا تھا کہ میری ماں کیا
مری اور میں ان کے گھر کیا نازل ہوا۔ نہ پھر بعد میں
میرے تانیا کا کام چلا اور نہ ہی گھر میں جو بہن کی سی
بہاریں آج بھی۔ دیکھا کھنکا۔ مرنا کیوں نہیں۔
تانی پر عام نہیں تھیں لیکن مجھے اپنی تانی سے اس قدر
محبت تھی کہ میں نے پھر ان کو ان کا پیار ہی بھجوا تھا۔
گھر میں کسی گاتی تو وہ مجھے سے بڑی تھی تاہم اور میں
فرما بہت سے ہنستا جاتا۔

جگن سے ماہوس ہو کر میں اپنے کمرے میں چلا
گیا۔ لگتا ہے آج رات بھوکا ہی سونا پڑے گا۔ چونکہ
میں گھر کا فالتو اور ان چاہا فرد تھا، اس لیے میری
چار پائی کون میں نہیں بھجائی جاتی تھی۔ چار پائیاں
اپنی ہی میں جیتے جاگتے جا سوتے، والے، مجھے سخت غم کی
بھی بنا تھیں۔ کمرے میں سونا پڑا تھا۔ نہ پر کھڑے
کے ٹھنڈے پانی کے چمپاکے مار کر بھی سونے کی
تیار کر رہی رہا تھا کہ یکسیر پر آن کھڑی ہوئی۔
”یہ لو۔“ اس کے ہاتھ میں کھانے کی ٹرسے
تھی۔

”ابھی تک جاگ رہی ہو۔“ میں نے چٹائی پر
دراز ہوتے ہوئے کہا۔ میں اس پر یہ ظاہر نہیں کرنا
چاہتا تھا کہ مجھے بھوک لگی ہے اور میں باور پائی خانے
کی خاک چھان کر زبردستی لیٹا ہوں۔ ایسے ہی
احسان چڑھتا اس کا کچھ پر تک چڑھی شوری کا آگے
کیا کہ انہی گاتی پھرتی تھی جو میں اسے اور کھلی ہانے
کے لیے اکساتا۔

”تم بھی تو ابھی تک جاگ رہے ہو۔“ وہی
دیوی سان کا سالیہ۔
”تم تو قہر دیکھ کر آ رہا ہوں۔“
”اور میں تمہاری فلم دیکھ رہی ہو۔ روز چوروں
کی طرح گھر میں داخل ہوں۔“
”آپ کہا کر دیکھے، تھی بڑا کہا ہے تانیا جی نے

اب یہی دیکھ لیتی کی طرح مجھ سے نفرت کر رہی تھی
نہیں سمجھ سکتی۔
”ای ائی بری نہیں ہیں جتنا نفرت انہیں کہتے ہو
بس کبھی کبھی وہ۔“ اتنا تو دن بھر میں کھٹے بھی کیونہ جتی
ہیں اور تم کون سالن کی بات مان لینے ہو۔ کسی بار
کہا ہے کہ ٹھوڑے ہی کسی، ان کے ہاتھ پر لڑا کر پیسے
رکھو۔ دیکھو کبھی خوش ہو جا میں کی اور میں تو مجھ
سے لے کر ہی انہیں دے دو یا دیکھیں جن پر بات بھی
نہیں مانتے۔ دراصل وہ ان دنوں کو رو رہی ہیں جب
ان کا ہاتھ کھاتا تھا انہیں انج، ہسٹ، بیرون کی پروانہیں
تھی۔ بقیہ یہ کہ تو وہ کھولیاں بھر بھر چل دیں گے
تھیں۔ بس انہی دنوں کی یادوں کو یاد کر کے نہ
جاتی ہیں۔

”اور تم نہیں یاد کرتی ان دنوں کو۔۔۔؟“
”میں نے تو وہ دن دیکھے ہی نہیں۔ اسی کہتی
میں وہ سال کی کسی جب کھرب اچانک لے گیا۔
زمین بچنے کا خیال انہ کو پہنچا نہ پانچ برس پہلے
جیسا نہیں ہو سکا۔ لو کھانا کھاؤ۔“ میں چٹکی
ہوں۔ جنہیں بھوک لگی ہوگی۔ سینا میں اچھا مٹا ہی کیا
ہے کھانے کو۔“ میری جب خالی ہونے کا طعنہ دے
بنا وہ بات بنا کھانا میرے سامنے رکھ کر چلی گئی۔
اپنی خوشبو میرے کمرے میں ہی چھوڑ کر چلی۔ یہ
ہی ایک بات تھی کہ اس کی پسند کی اور ایسے لمحوں میں
وہ مجھ پر حاوی ہو جاتی تھی۔

☆☆☆

کینے کے ساتھ میرا دوستانہ بچپن کا قہار ہے
دوستا نہ عجیب دشمن تھا۔ نہ ہم ایک دوسرے کے
دوست تھے اور نہ ہی دشمن۔ میں پچھت اس کی
پوچھا کھینچتا رہتا تھا اور وہ میری پھٹیں پھاڑتی
رہتی۔ میں اس کے ہوم ورک کی کاپی پر سیاہی اٹھ
دیتا اور وہ میرے ہسٹ پر خارش پھٹی لے دیتی۔ ایک
بار ہسٹ پر میرے سے پنے پر اس نے پانی پانی ڈال
دیا۔ مجھے کھل دن میں میں نے اپنی گھرائی میں کڑک

میں جا کر کھڑا کیا۔ پانچ بج کر آدھ گھنٹہ کے
مارا۔ ڈھائی تاوے کا گڑھا گڑھا ہاتھ سے گیا اور پٹے
کی آدھی دوپٹہ، میں کچھ نہ سکا کہ میرے ساتھ ہوا
کیا ہے۔ پیچھے پلٹ کر دیکھا تو دانت لگا لے پس
رہی تھی کھوسا اٹھن ایسا خضر یا کدلی کیا وہ ہیں
دھکا دے دوں۔ دیکھو تو نہیں دے سکا لیکن رات
میں جب وہ سو رہی تھی اس کے بال بڑی بے ترتیبی
سے کاٹ دیے۔ دو مہینے وہ اس کا راف اوڑھے کھیتی
زیر پٹی پھرتی رہی۔

ایک بار ایسے ہی غصے میں میں نے اس کی
ناک پر پتھر دے مارا تھا۔ اور اس کا دم ساری زندگی
نہیں گیا۔ ساری زندگی۔
یہ یوں نہ تھوڑا والی مانی جیبہ کی جٹی تھی۔ میرا اس
کے ساتھ آٹھ دھکا چل رہا تھا۔ جو چنگ بازی کے
دوران ہی شروع ہوا تھا۔ وہ اپنے چھوٹے بھائی کو
دھکے دے پتھر لڑنے سے روکتے روکتے خود کو کچھ سے
بچھڑا کر کے نے نہیں روک سکتی تھی۔ نہ بات
دے دے۔ وہ مجھ سے مر رہی تھی اور میں اس پر۔
دنوں روزے میں کاغذ کا گولا بنا کر ایک دوسرے کی
طرف اپھالتے اپھالتے خط و کتابت ہوتی رہی۔
پھر ایک دن میں نے کینے کو سب بتا دیا۔ مقصد یہی
تھا کہ وہ میری اور اس کی ملاقات کا بندہ۔ ہمت کرے
اور اس نے ایسا کر بھی دیا۔

جس وقت میں اور دو یں شیل کی جھاڑیوں
میں خلوں میں ہوئے وعدے کے مطابق ایک
دوسرے کا ہاتھ تھامنے ہی والے تھے کہ جھاڑیاں
اٹھیں۔ دیکھا تو دوستا نے تانی کی کھڑی تھی اور پیچھے وہ
گرام ڈھائی میں بس کر باہل ہو رہی تھی۔
کھر میں جو ہوتی سو وہ کیا ہتا کھ۔
والوں کو بھی پتا چلا کہ ان کا لڑکا جوان ہو گیا ہے۔
مالی میچو نے انار سے کھر کے آنے کی روٹی اپنے
تھوڑا لگا گئے سے مساف انکار کر دیا اور میں کل
خاک ہو گیا۔ ساری زندگی تانیا جی کے آگے سر اٹھا

کہوں گے۔
انگلے دن میں جیت پر چاہا پچھا اور مجھے ہی سیکند
میں کی صفائی کرنے کی ایک سونا سا چرخہ کھج کر اسے
دے مارا۔ تپ کر اس نے جھاڑو چھوڑ دی۔ خون کی
لیبر کاغذ سے قفل کے پھر فرخ پر لوٹنے کی اور میں
کمال جالاک سے ہانے ہانے کا دوا دیا کرتا تھیں
”کہاں سے آیا پتھر۔۔۔؟“ تانی اپنا پلہ
پھاڑے اس کی غور کر رہی تھیں۔
”پتا نہیں کہاں سے آیا۔۔۔؟“ وہ دوہرتور

میری طرف دیکھتے ہوئے بولی۔
تانی محلے والوں کی طرف منہ کر کے
گالیاں پھینکتی تھیں اور وہ میری طرف دیکھتی رہی۔ یہ
وہ پہلا موقع تھا جب اس نے میری ذات پر اپنی
عکرائی کا جھنڈا گاڑا تھا۔

انگلے دن جب وہ بخار سے تپ رہی تھی تو
میں نے جا کر اس سے معافی مانگ لی۔ بڑی دیو تو وہ
کچھ بولی ہی نہیں۔
”معاف کیا۔“ چپ ٹوٹی تو رکھائی سے بولی
مجھے دہن ہو یہاں سے۔
”فطرت بھی تو تیری تھی۔ نہیں کتنی ہی مدد تو بتا
دیتی، تیرے لیے تو ہر چیز مذاق ہے۔“ میں بھی معافی
مانگ مانگ کر تھک چکا تھا۔ چڑ کر بولا۔
”مذاق۔۔۔؟“ اس نے تپ کر کر کوٹ
بدلی۔ ”میرے لیے نہیں، سب حیرے لیے مذاق
ہے۔“ میں بھی اور میری محبت بھی۔

میرے پاؤں کے نیچے سے کچا کھل گیا۔
”کیا۔۔۔؟ کیا۔۔۔؟ کیا کہا۔۔۔؟ پھر سے
بول۔“ لیکن وہ پھر سے نہ بولی۔ منہ پرے کر
کے کھتی رہی۔
ساری رات سوچ بچار میں لگی۔ پاں ٹھیک
ہی تو ہے۔ ویسا ہی ہوتا ہے۔ تانی میری کمانی نہ تھی
لیکن مجھے تو بھی نہ چھوڑ دی گی۔ اس احسان کا یہ
ہی بدلہ تو میں گے مجھ سے دردوں۔ گاؤں میں

ساری رات سوچ بچار میں لگی۔ پاں ٹھیک
ہی تو ہے۔ ویسا ہی ہوتا ہے۔ تانی میری کمانی نہ تھی
لیکن مجھے تو بھی نہ چھوڑ دی گی۔ اس احسان کا یہ
ہی بدلہ تو میں گے مجھ سے دردوں۔ گاؤں میں

دل کوڑا اس وجہ میں اڑنی کسی ڈوڈی نے بھی آج تک نہیں چھوڑا تھا۔ میں نے سیکین کی محبت کے آگے ہار مان لی۔

اس دن کے بعد سے اس کا دستانہ اور میرا دشمنانہ قائم رہا۔ میری اور سیکین کی سادہ سی شعلی کردی گئی اور میں تباہی کے ساتھ کام پر جانے لگا۔

☆☆☆

مفتی کے بعد تو اسے گویا آزاد وی مل گئی۔ جو کام وہ چھپ چھپ کر کیا کرتی تھی اب بڑے آزادانہ طریقے سے کرتی۔ اپنے حصے کے آم میرے لیے رکھ دیتی۔ سالن میں خود بوٹی نہیں کھاتی اور میرے پر رہتے دیتی۔ میرے کپڑے استری کرتی، انکس و صوفی و کلف لگاتی، جوئے پکاتا نہ پائش کرتی۔ میری سکون سے کھنے لگی۔ وہ ابھی سے یہی بیٹے کی تیاری کر رہی تھی اور میری نظر میں کامیاب ہو چکی تھی، مجھے ایسی یہی سی چاہیے تھی، جو کم بولے اور کم مطالعہ کرے۔ اس کا صرف ایک ہی مطالبہ تھا کہ وہ میرے منہ سے سنتا جانتی تھی کہ میں بھی اس سے محبت کرتا ہوں۔ میں نے اس مطالبے کو پہلی رات پر چال رکھا تھا لیکن ایک دن یہ میرے منہ سے خودی پھل گیا۔

مجھت پر سن کر بے کن رہے تھے۔ میرے اور اس کے لیے ہی، جس کی اینٹ اینٹ پر وہ درود پڑھ کر پھونکتی تھی۔ نئی زندگی کے خواب اس کی آنکھوں میں تھے۔ اس کی آنکھیں بکتوں کی طرح چمک رہی تھیں۔ اس دن وہ بچوں کو جانے کتنے میں پڑی ریت پر کھڑکھڑاتا رہی تھی۔ میرے دل میں پتا نہیں کیا شرات آتی کہ خود کرے کھروند و کھروند والا۔

”اللہ... کیا کرتے ہو۔“ اچھے نہیں ہو کہ بچے کھیلے ہیں۔

”اس بات کا تو قصہ ہے کہ بچے کھیلنے ہیں اور بڑے کو کوئی بچہ چھتا ہی نہیں۔“ میں نے شرات سے کہا وہ شرمائی اور بچوں کو اس نے بہانے سے باہر

جائے گی۔ کچھ عرصہ بھی کھیل ہوئی ہیں۔ کام کی بات پر خود کو بے معروف کر گئی ہیں۔ وہ کھروند و کھروند جاتی اور بیڑی کی نظروں سے بچھنے لگتی جاتی۔

میں اس کے قریب بیٹھ گیا۔ گھر میں کوئی نہ تھا۔ اس نے پرے بیٹھنے کو خوشی نہیں لی۔

”بچوں کو کیا سکھار دی گی۔“

”گھر دے گا۔ ایک گھر کیسے بنتا ہے۔ لڑکیاں کھروند سے بھاتی ہیں۔ انہیں گھر بنانا اچھا لگتا ہے۔“

”ہاں تو وہاں ہاں پر، چھت پر دو کرے۔“

”میں نے تو شہر میں رہنا ہے۔“

”گاہن میں نہیں رہا جانا مجھ سے تم چلو گی نہ میرے ساتھ شہر۔ میری بیوی نہیں۔ میری محبوبہ بن کر۔“ اس کے کال سرخ ہونے اور وہ کھروندے کودیں چھوڑ کر اٹھ کر بھاگے گی۔ میں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

”یہ تو سنتا جانتی تھی کہ میں تمہیں اپنی محبوبہ تسلیم کروں۔“

”سن لیا۔ اب جانے دو۔“ وہ ہاتھ چمڑا کر چلی گئی۔

☆☆☆

آج دس سال بعد سوچتا ہوں کیا کیا میں نے کیا کیا۔؟ اور کیوں۔؟

جس دن شادی کی تاریخ مقرر ہوئی تھی۔ اسی دن مجھے شہر آنا پڑا۔ ایک کانٹرکٹنگ تھا۔ تباہی پانچ بے خوش تھے کہ میں طرح پر کانٹرکٹ ہو جائے تو ان کے بدل بدل جائیں اور ایسا ہی ہوا۔ ان کے دن بدل گئے اور میرا دل۔

”سارا۔“ میرے ہاس کی لڑکی تھی۔ کانٹرکٹ کی وجہ سے مجھے نئے دن ان کے گھر کی رہنا پڑا۔ کھر تار بیچ دیا کہ میں نئے دن بعد آؤں گا لیکن پھر میں گھر نہ جا سکا۔ نہ نئے دن بعد اور نہ ہی نئے سالوں بعد۔

میں دس سالوں کے بعد واپس اپنے تپا کے گھر آیا ہوں۔ تپا کے بعد تپا بھی مرنے لگی۔ سیکین کی شادی ہو چکی ہیں۔ اس کے کتنے بچے ہیں اور پھر سے دو۔ سارا کے ساتھ زندگی اتنی بھر پر گزر رہی تھی کہ اسے سالوں میں کسی ایک بھی دن مجھے سیکین کی یاد نہیں آئی۔ اب اسے سالوں بعد واپس آ جانے کی ایک سی جھجکی کا تپا ہے۔ بونے جا کہ ایک ایک حصہ میرے نام کر گئے تھے۔ سیکین کے خاندان نے ہی کہیں سے میرا پتا ڈھونڈ کر مجھے بلایا تھا کہ اب وہ ایک ساری زمین چٹا جائے گی۔ آ کر سارے مسئلہ حل کر دوں اور میں آ گیا تھا۔ اپنی خوب صورت

ی بیوی اور شہری بچوں کے ساتھ۔

”سارا اس نے نہیں تپا کہ یہ بچپن میں بات بات پر کرتا روٹھا کرتا تھا۔“ سیکین جہاں والی شہرینی سے بچے بیٹھے میرے بچپن کے قصے سنارہی تھی اور اراکا فوس میں کس کس پر حال ہو رہا تھا۔

روٹھ جاتا تھا تو گھر سے کھانا چٹا بند کر لیتا تھا۔ مجھے چیکے چیکے اس کے کمرے میں کھانا لے جاتا پڑتا تھا۔ یہ دیکھو یہ جو میری ناک پر دھکی ہو چکا سا دم کا نشان ہے ناں۔ یہ اسی سے پھر مارا تھا اور

چتا ہے کیوں مارا تھا۔؟“ سارا قصہ سن کر میری بیوی جس میں کلوٹ پٹ ہوئی۔

”اس کے بعد ساری زندگی مانی جیوہ سے اس گھر کی روٹی اپنے بندہ پر نہیں لگتی۔“ اس بات پر تو یہ ہی کسی بے اعتبار فوس لگتی تھی۔

اگلے دن صبح اٹھے تو سیکین کا خاندان سارے کا نہ ات تیار کر چکا تھا۔ جس پر میں نے دھتلا دیا۔ میرے بار بار سن کر کے کہ اب جو دمگی وہ لوگ تھے میرے اصرار سے رہے۔

”ابا نے کہا تھا یہ اس کا حصہ ہے۔ اسی کو ملے ہر سال میں۔ اب آپ کیا چاہتے ہیں کہ اپنے ابا کی

☆ ☆ ☆

☆ ☆ ☆

☆ ☆ ☆

☆ ☆ ☆

☆ ☆ ☆

☆ ☆ ☆

☆ ☆ ☆

☆ ☆ ☆

☆ ☆ ☆

☆ ☆ ☆

☆ ☆ ☆

☆ ☆ ☆

☆ ☆ ☆

☆ ☆ ☆

☆ ☆ ☆

چھوٹی سی خطا



کمرے کا دروازہ ایک جھٹکے سے کھولا گیا تھا۔ آ جا رہا تھا۔ اس نے یقیناً لات مار کر اندر کی ہیز اس لٹائی گئی تھی اور پھر چند سیکنڈ کے وقفے سے آندھی طوفان کی صورت اس کی آمد ہوئی۔ سنی ہوئی رگیں، پھولی ہوئی ناک اور چہرے پر شدید ناکاری اس کی اندرونی کیفیت کے بغیر بھی جی بچ کر بتا رہی تھی کہ خبردار، ہوشیار، مبادلت اس وقت شدید فتنے میں ہیں۔ آتش گیر مادہ پھینکے کو تیار ہے لہذا محفوظ دوری اختیار کر لی جائے۔ جو جو آس پاس ہیں چٹکی لگی سے ہو کر نکل جائیں۔ بروہ سنان ہی کیا جو خطرے والی جگہ پر اپنی ناک بٹھاسے۔ لہذا اپنی عادت کے موافق سوال درج ہی ڈالا کہ ”بھائی کیا آقا دآن پڑی جو یہ حالت بنا رہی ہے۔“

”کوئی میری طرف اور بتا کون ہوں میں؟“ ہاتھ میں بکڑی فائل میز پر پھینچتے اس نے مڑ کر سنان کی طرف دیکھتے عجیب سوال کیا تھا۔ وہ بے چارہ تو اپنی بے تحاشہ فراغت سے کچھ جیتی لمبے نکال کر ابھی انجی داتم کے کین میں آیا تھا تا کہ کچھ جھک مار سکے۔ داتم اس وقت اپنے کین میں موجود ہیں تھا کین اس نے تو اندر داخل ہوئے ہی میز کے آؤٹ آف سلیپس ہیز کی طرح اپنی نوعیت کا آؤٹ کھاسوا لیا تھا۔

”تو انسان ہے میرے بھائی۔“ اپنی فہم کو ہمیشہ کی طرح بروہے کا رال لاتے ہوئے سنان نے پوری ہنسی کی نمائش کرتے کمال خود اعتمادی سے جواب دیا تھا۔

”اے یار! انسان تو ہم سب ہیں۔ یہ بتا میں..... میں ہوں کیا؟“ داتم کا پارہ اور بھی اوپر چلا گیا۔ اپنی کرسی پر پھینچتے اس نے دائیں ہاتھ کی دو انگلیوں سے سینہ قوتیختے اپنی سمت اشارہ کیا۔ سنان کچھ شرمندہ ہوا مگر اس کا اظہار داتم سے ہرگز نہ کرتے ہوئے ایک اور سیاسی بیان دے ڈالا۔

”میرے پار تو باغ فٹ ساڑھے سائے گیارہ انچ کا گہرو جوان مرد ہے۔ بس یہ تو ہے جیسی ناک نا ہوئی تو حس سے ہائی وڈ فلموں کا ہیرو لگتا ہیرو۔ ویسے تو اب اس اینگل سے جام کروڑ کی محبت مار رہا۔“ داتم کا دل کیا تھا اس کا سر پھاڑ دے اور پھینکے آؤٹ کے لیے فرسٹریشن کا خاتمہ کر لے۔

”پاکل آدمی میں اس کھنی کا “جنرل فیبر“ ہوں۔“ دوسرے پھینچتے ہوئے بولا تو سنان گھبرا گیا۔

”ہاں تو میں نے کب ماننے سے انکار کیا ہے۔ وہ تو تو ہے۔“ اس نے جھٹ سے پہلے اعتراف کیا تھا۔

”تو اگر تیرے جیسے اینٹیکل ٹیلا انسان بھی مجھے اس کھنی کا جنرل فیبر بن رہا ہے تو اسے کیا تکلیف ہے؟“ داتم کا اسے مزید کچھ بھی کہنے کا ارادہ بدل چکا تھا پھر شاید اس کی سوئی اب بھی اس ایک مقام پر ہی اٹھی گی اور یہ سوئی تو اس اٹم ناک، درد ناک اور دشت ناک غرض جتنے بھی ناک جانی دہر پادی اور غم و غصے کے اظہار کی ترجمانی کر سکتے تھے، دن سے ہی اپنی جگہ آگئی تھی جب سے اس نے آفس کا

”جسے“ سنا رہے تھے۔ سنا رہے تھے کہ سنا رہے تھے۔

”ہاں گوروں کے۔“ داکم کا انداز چننے والا تھا۔ سنا رہے تھے کہ سنا رہے تھے۔

”تو حق اس نے تجھے نہیں مانے سے بھی انکار کر دیا۔“ کرسی کی پشت پر بیٹھ کر سنا رہے تھے۔

”اس کا سلوک دیکھا ہے میرے ساتھ۔“ داکم نے دیکھا ہے۔

”تو تیار رہا۔“ داکم نے دیکھا ہے۔

”تو تیار رہا۔“ داکم نے دیکھا ہے۔

”تو تیار رہا۔“ داکم نے دیکھا ہے۔

”تو تیار رہا۔“ داکم نے دیکھا ہے۔

”تو تیار رہا۔“ داکم نے دیکھا ہے۔

”تو تیار رہا۔“ داکم نے دیکھا ہے۔

”تو تیار رہا۔“ داکم نے دیکھا ہے۔

”تو تیار رہا۔“ داکم نے دیکھا ہے۔

”تو تیار رہا۔“ داکم نے دیکھا ہے۔

”تو تیار رہا۔“ داکم نے دیکھا ہے۔

”تو تیار رہا۔“ داکم نے دیکھا ہے۔

”تو تیار رہا۔“ داکم نے دیکھا ہے۔

”تو تیار رہا۔“ داکم نے دیکھا ہے۔

”تو تیار رہا۔“ داکم نے دیکھا ہے۔

”تو تیار رہا۔“ داکم نے دیکھا ہے۔

”تو تیار رہا۔“ داکم نے دیکھا ہے۔

”تو تیار رہا۔“ داکم نے دیکھا ہے۔

”تو تیار رہا۔“ داکم نے دیکھا ہے۔

”تو تیار رہا۔“ داکم نے دیکھا ہے۔

”تو تیار رہا۔“ داکم نے دیکھا ہے۔

”تو تیار رہا۔“ داکم نے دیکھا ہے۔

”تو تیار رہا۔“ داکم نے دیکھا ہے۔

”تو تیار رہا۔“ داکم نے دیکھا ہے۔

”تو تیار رہا۔“ داکم نے دیکھا ہے۔

”تو تیار رہا۔“ داکم نے دیکھا ہے۔

”تو تیار رہا۔“ داکم نے دیکھا ہے۔

”تو تیار رہا۔“ داکم نے دیکھا ہے۔

”تو تیار رہا۔“ داکم نے دیکھا ہے۔

”تو تیار رہا۔“ داکم نے دیکھا ہے۔

خواتین ڈائجسٹ

کی طرف سے بہنوں کے لیے ایک اور ماہ

عاشق کی گیت

بہنوں کی گیت

تبدیل 300 روپے

31735021

37

2018

57

PakiBooks

شہزادہ اسٹاکس



دلچسپ اور خوبصورت داستانیں جنہیں پڑھ کر بچے ہیری پوٹر کو بھول جائیں گے، ایسی داستانیں جنہیں پڑے بھی پڑھ کر کلف اٹھو ہو گئے

کتاب بذریعہ جڑی منگوائیں
300/- روپے کا ڈسکاؤنٹ حاصل کریں
فی کتاب 1200/- روپے
ڈسکاؤنٹ 300/- روپے
آج ہی 950/- روپے
مئی آؤ در سال فرمائیں

بذریعہ ڈاک منگوانے کے لئے
مکتبہ عمران ڈسٹری بیوٹرز

37 اردو بازار، کراچی۔ فون: 32216361

مذہب کی بنیادیں لی ڈی ڈی فکری میں ایسا کوئی لفظ نہیں پایا جاتا تھا۔
"جائیں یہاں سے اور کسی اور جیسے شیف سے انک کا کارڈ لینا شروع کریں"۔ عبد الکریم شکوہ انہیں لگا ہوں سے زیدی صاحب کی طرف دیکھا انک دم سے باہر چلا گیا وہ دھڑکی پڑا ہاتھ کاٹے آپ چاپ ان دونوں کو دیکھ رہے تھے اس کے کمرے سے باہر جاتے ہی وہ بیٹے سے مخاطب ہوئے تھے۔

"وہیے انتہائی برا نہیں ہے لیکن کارن سوپ۔۔۔" بے چارے زیدی صاحب تو ایسی لاپرواہیوں کو کھڑا انداز کر دیا کرتے تھے کہ یہ ان کی بھجوری کی عمر کے اس بھٹے میں تباہی کا عذاب سہا آسان کام نہیں ہوتا ہے۔ کچھ عرصہ پہلے تک یہی سبب ملازم تھے جن کا ساتھ انہیں حاصل تھا لیکن جب سے ایمان ان کے پاس آئی کسی زندگی بدل چکی تھی۔ اسے سال بعد وہ اپنی بیٹی کی محبت میں انہوں نے خود کو ہر چیز سے علیحدہ کر دیا تھا۔ یہاں تک کہ اپنا آفس بھی اس کے پرہیز کر دیا تھا۔ چاند ماہ پہلے ہی اس نے بطور فینک ڈائریکٹر آفس کا انتظام سنبھال لیا تھا۔ زیدی صاحب خود حیرت میں تھے لیکن وہ پورے ڈیٹنگ کے سوالم میں فخر جاتے تھے۔

"وہاں آفس میں ایک سے ایک کھانا پڑ کر کھا ہے آپ نے اور یہاں سے ہمارے شیف صاحب دیکھ کھانا پکا کر بھیجیں کھاتے اور آپ انہیں کچھ بھی کہتے۔" وہ قدرے غیب سے بولی تھی اور ساتھ ہی اشارہ کرنا شکوہ دیکھ رہا تھا کہ جو کچھ زیدی نے کہا تھا تھا تھا۔ ایمان کو اس معاملے میں ہر طرح کا کافی کیا دینے کے باوجود زیدی صاحب نے اس بات کا پابند کیا تھا کہ وہ کسی پرانے ملازم کو کوری سے نہیں نکالے گی۔ البتہ کام جیسے چاہے مرضی ہے۔
"میں تو تباہ کو اتنا دیکھنے کے لیے۔۔۔" وہ اٹھ کھڑے ہوئے اپنا سوپ پیتے گئے۔

تے جدا ہونے والا ہے۔ اس کی خاموشی میں جیسے خوف کو محسوس کرتے زیدی صاحب نے کچھ کہنے کی کوشش کی تھی لیکن پھر اس کے چہرے پر لگاؤ پڑے ہی اپنا بارادہ ترک کر دیا۔ وہ ہاتھ سے پیش کی تھی اس کی لگا ہوں سے شعلہ نکل رہے تھے پھر بھی ایک سنجیدگی تھی جس نے اس کے چہرے کا احاطہ کر رکھا تھا اور یہ وہی سنجیدگی تھی جو کسی کو بھی اسے سامنے زبان نہیں کھولنے دیتی تھی۔ پھر بھلے وہ عبد الکریم شیف ہو یا اس کے بڑے داماد زیدی۔
"کہا ہے یہ؟" اس نے سامنے رکھے پیالے کی طرف اٹکی سے اشارہ کیا۔
"لیکن کارن سوپ۔" عبد الکریم ڈرتے ڈرتے بولا۔
"اوہ! لیکن کارن سوپ۔" اس نے باقاعدہ بھنویں اچکا کر شہ پیر حیرت کا اظہار کیا۔ وہ اس کے خطرے پر انداز سے کھجور پر اسال ہوا تھا۔
"اس میں کارن کہاں ہے؟" اس نے اٹھ کھائے اس سے ایک اور سوال اٹھا۔
"وہ کارن فلور ڈالا تھا۔" اس نے اپنے تئیں وضاحت دی اور یہی غلط کیا تھا۔
"یہ کارن فلور؟" پیالے میں حیرتی کارن فلور کی مٹکائی کو کچھ سے اٹھا کر اسے دکھا گیا تھا۔ جلد بازی میں اس نے گرم پینٹی میں کارن فلور دس گیا تھا جس سے مٹکائی بن گئی تھیں اور پھر سوپ کی تیاری کے انتظام تک وہ مل نہا ہو گیا۔
"کتنا عرصہ ہو گیا آپ کو زیدی باؤس میں بطور شیف کام کرتے؟" اس سے پہلے وہ کچھ جواب دیتا اس سے مزید پوچھا تھا۔
"دس سال!" وہ شرمندہ سا بولا۔
"اور دس سال میں آپ کو لیکن کارن سوپ بنانا نہیں آیا۔ ایسا کیا رہا ہے لیکوڈ سوپ (صابن) کی لیا ہو۔" اس بار واضح طور پر بے یار و ہاتھ سے کھٹکا کر پڑے کیا گیا تھا۔

تھا نہ ہی لیتا۔
"پارمیر سے پڑے شاعر کا شعر ہے"
"کر میر گورزی ہوئی۔"
"کر میر پھر بھی زوری ہوئی"
"اب تو کر کے تے خراکی۔" اس بے یار و ہاتھ سے لے کر طرح لے کر دھنکاتا تھا۔ اس نے اپنے تئیں ہر بار کی طرح داکم کو سمجھانے کی کوشش کی۔ وہ خود کو بھی بات کو سر پر نہیں کرتا تھا لیکن داکم کی طبیعت اس سے مختلف تھی۔ لیکن یہ پیش باتوں کو وہیں بھول جانے کی پالیسی یہ تھیں رکھتا تھا۔ وہ سن سوتی تھیں کا بندہ تھا اس کے برعکس داکم اپنے کام اور طبیعت دونوں میں ہی سنجیدہ تھا۔ پھر ان کی عمر میں اتنی بڑی پوزیشن پر کام کرتے ہوئے مزاج میں نزاکت آگئی تھی۔ اس کی پھولی سی بات بھی آپس میں حادار کرنی تھی اور یہاں تو بھی پھولی بات ہوئی تھی تھی۔ لگتا تھا اس نے سب کو ذلیل کرنے میں اپنا ڈی کر رکھا ہے۔
ایک باختم ہونے والی مشکل میں پڑ چکی تھی اس کی جان۔ اتنی بھرتی ملازمت بھی کر چھوڑنا بھی نا ممکن تھا اور نہ یہ ان کر کے ہی روز و روز کی جی جی سے جان چھڑا لیتا۔
"وہیے میری جان داکم۔ ایک حل ہے میرے پاس۔" اچانک اسانک کے دماغ کی مٹکائی بجی تھی۔ اس نے ٹھیک کو ٹھیک سے سے انداز میں بجاتے اسانک کو متوجہ کیا۔ داکم کچھ جس کو ہر پوری توجہ سے اس کی بات سننے لگا۔ جیسے جیسے اسانک اسے اپنی پلاننگ بتا رہا تھا داکم کے فلوڈ چہرے پہ دھیرے دھیرے روشنی نمودار ہو رہی تھی۔
☆☆☆
کمرے میں اس وقت موت سا گہرا سناٹا تھا کہ کوئی بھی کرنے کی آواز نہ سنا سکا معلوم ہوئی۔ کریم سر جھکے ہاتھ بائیں سے اس کے سامنے ایسے کھڑا تھا

میں جاک کر بیٹھی ہوں۔“ آپ اس خبر کو جاک کر بنا چاہیں تو کرم دیں۔
چوہے کی خبر کو نہ دیا ہی ہے۔ مانی تو وہیں نہیں ان
کا بیان آن رکھ کے کیا کرتا۔ دینے میرے سر پر چوہا
کی بات میرے ہی پاس ہے۔“ اسے کچھ میں نہیں
پتا تھا وہ سننے پر اترے۔ اسے کچھ نہیں لگتی تو یقیناً
یہ نہیں پتا نہیں تھے اور مردوں کی خبر استعمال کرتے
کا دعوہ کرتا۔ اسی لیے اسے خود اسے پہلے اسی خبر
کو نہ صرف دیا اس ایک پہ پہلے اپنے فون پر بھی جاک
ایا تھا تاکہ متعلق میں اسکی ضروریات سے وہ درپنا
رہے۔“ خود مانی گم نہیں ہے۔ یہ کون فیض میرے
کے پتا تھا۔“ یہ فون ہائیڈر سائز میں چلے جاتے اس
نے سائیز پہلے فون کا اور سائیز پہلے لی گئی۔ اسی کچھ
پر پہلے والی بیان ہماری گفتگو سے ہوئے اس نے
پتا لیں اس نے پہلے والی دوری میں۔

[illegible]

یہ یوں ایک بہرے اور اسے تنگ کیا جا رہا ہے۔ مزید وقت ضائع کرنے کے بجائے اس نے بہر کو داس اپنے سے ہٹا کر اسے کا سو پاہی اسی وقت ایک اور لہا چڑھایا۔ آگیا تھا۔

”بھئی، پلیر ہٹا کر اسے تنگ دے دے۔ پلیر جانی میں خودی کر کرلوں گا اور مرے سے پہلے ایک نوٹ لکھ کر مرلوں گا میری موت کی ذمہ دار آپ ہیں۔ لے کے تیرا نام۔“ تجھے ہٹا نام۔ میں گر جاؤں گا۔ ہائے میں مر جاؤں گا۔“ اسے اپنی آنکھوں پر پلیر نہیں آتا تھا۔ پتا نہیں کون اتنا تارخ اور سیکھا تھا جو مرے اس کا سر نہانے کا ارادہ رکھتا تھا حالانکہ مراراد نام کر کر کے اس کا اس وقت اچھا خاصہ دیکھ رہا تھا اور اسے اب بس تیرے ضرورت تھی۔

”تم پاگل تو نہیں ہو؟“ نام چاہتا ہے جو بھی اس نے محل کر جواب دیا تھا۔

”میں تیرے عشق میں پاگل۔ ایسے گھومتا ہوں۔“

[illegible]

مطابق ریسٹ ہوتے تھے پھر ایمان کو اپس دینے کی خاطر انہوں نے دھڑ بھاڑ سے کلمہ کر دیا تھا۔ ویسے بھی وہ اس کی کارکردگی سے مطمئن تھے۔ وہ ان کی بھیجی اور کاروباری سمجھ بوجھ اسے درافت میں لگی۔ ان کی بھی دلی خواہش تھی کہ ایمان کا گھر بس جائے لیکن ایمان کو شادی کے نام سے چڑھائی اور اس کی وجہ خود اس کے والدین غامی طور پر بڑی ہی صاحب حق تھے۔ اب بھی انہوں نے اسے شادی کے حوالے سے ٹوٹا تھا اور اپنا دو ٹوک انکار ان کے منہ پر مار کر چلی گئی تھی۔ وہ بہر حال بہت پریشان تھے۔ دلی میں دلی میں انہوں نے اللہ سے اپنی کوتاہیوں کی معافی مانگی تھی ساتھ ہی ساتھ اپنی انوکھی دنیا کے دل میں نرمی کی دعا بھی کی تھی۔

☆ ☆ ☆

”ہیلو“ میز پر بسے موبائل کی اسکرین روشن ہوئی تھی ساتھ ہی ایک خیر شاعر سامبر سے میسج آیا تھا۔ وہ ایک فک فکلائی کرنے کے بعد اب بس سونے ہی والی تھی اس دورے سے چھپ کر ہر ایک طرح اپنی ای میل چیک کر رہی تھی جب اس کی ایک ایس ایم پیس ایک آیا میسج آیا چونکہ یہ اس کی کلائٹ لسٹ میں نہیں تھا اس لیے نام بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ عام حالات میں وہ کسی انجان پوز پر کڑ جواب داتی لیکن ایک تو وہ نئی تھی پاکستان آئی تھی دوسرے اس کا بزنس رول بھی نیا ہی بن رہا تھا تو ہوسکتا ہے کوئی اس سے کام کے مسئلے میں رابطہ کرنا چاہتا ہو۔ یہی سوچ کر اس نے ایک ٹاکسٹ ماسا جواب دیا میسج بھیجا تھا۔

”کون؟“ میسج چاہے کر کے میڈکا فٹن دیا کر دہ چاہتا ہے اسکرین کو کبھی رہی کب کوئی اپنا تعارف کرواے گا۔

”آپ کا مرید۔“ جواب پڑھ کر اس کا دماغ
مکھوم گیا تھا۔
کوئی سامنے ہوتا تو وہ فون اٹھا کر اس کے منہ

”دائم دراصل..... کوئی کچھلے اک ہفتے سے

ہوں۔ کہیں یہ کوئی آفس کا..... ایمان کا انداز خود اسے کہے معلوم میں اس وقت پریشان

اور گردنوں میں سے سی ہے۔ ایمان کو یقین ہو چکا ہے جو بھی ہے اس پاس موجود ہے لیکن اس طرح کسی کو بھی شک کے دائرے میں بغیر ثبوت لا کر کھڑا

”صل تو بہت آسان ہے مگر“ کرسی کی پشت سے ٹیک لگاتے داکم نے بڑے مدبرانہ انداز میں کہا۔

ایکشن تھی اس سے پہلے ان کا ارادہ تھا وہ بچہ ختم کر دیں گے لیکن ایک دن داکم کی مدد کی آفر پر ایمان نے اس پر بھروسہ کر کے اسے اپنا چہرہ کار بنا لیا تھا تو داکم نے یہی سوچا کہ اس طرح ایمان کے چلے سکے روپے سے کیا بنا عیشہ کے لیے اسے چھوڑ دیا جائے۔ اسے خود اس کا بیوہ کر کے گاؤر ایمان کی گڈ جس میں آج آجائے گا۔ سلمان اپنی پانچ بی بی کے متعلق کچھ نہیں جانتا تھا۔ ایک ایک ایمان کے چھپائے ہوئے چلے سکے دھمکی آمیز بیانات کی جگہ چلے سکے ملاقات کے پیغام آنے شروع ہوئے تو اس کا چوکنا چھٹتی تھا۔ دو تو نہیں جانتا تھا اور داکم کیسے ایمان کو مشورے سے روکا ہے۔ دو واقعی بکا گاؤر پریشان ہو گیا تھا۔ جب داکم اس کے کہن میں پانچو تو دشمنیہ بے چینی کی کیفیت میں ایمان کی بدلی ہوئی کیفیت داکم کو گوش کرنا کر کے لگا۔

”آپ کہاں جا رہے ہیں؟“ ایمان نے پچھے
 ”سب جانا ہوا۔ یہ جواب اس نے میرے
 ہی کہنے پر دیا۔“ کا اظہار اس نے کردہ
 اکڑائے اپنی حالیہ کارکردگی پر خود کو خوش وادہ کی۔
 ”تیرے میں ہے؟“ سلمان متوجہ سا نا سمجھ
 کے سے اعجاز میں اس کی طرف متوجہ تھا۔ دائم نے
 سارا معاملہ اس کو کہہ دیا۔

اب تک وہ دونوں ہی مختلف فہموں سے
اس کو پریشان کر رہے تھے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ وہ ان
بائیس سالہ سنان نے ایمان کو گتھجیجیے۔ انہم واصل
ان کے تاثرات دیکھنا چاہتا تھا اس لیے وہ سنان
کو اپنے ہم کام کر گیا تھا۔ ایمان وادعی ہی
تھیں۔ اس کی حالت سے پتا چلتا تھا کہ سنان
بیشے پیسے چلان ہی تیار کیا تھا۔ ایمان نے اپنی
و خال سے مجبور ہو کر اسے اپنے راز میں شامل کر لیا
تھو۔ یہ حال ان دونوں کو یہ سلسلہ بدل ہی گئی تھا
تھو۔ اس میں غلطی بہت زیادہ تھو۔ عموماً ایسے
امانت میں کسی پہلے نہیں ہونے میں ہفتہ دنوں
ماتے ہیں۔ گریک سائبر کرانم کا ایک خاصہ خصوص
تھو کہ اس کے بغیر وہ فطرتی اسکیل پر کال

”آپ لندن میں رہ رہے ہیں۔ آپ کو کوئی معلوم لاؤں گے یہاں سے بات کیسے کی جاتی ہے۔“ اس نے پہلے ادب و ادب سے بات کرتے بھی اس ایمان آگے متوجع کے غریبی کے ذریعے جان لینی بھی ادب ایک ہی جھگڑے میں بے لگتی اس حد تک عاب آئی۔ وہ یہی طریقہ کہہ رہا تھا جسے نصاب میں سے فری ماری ہو۔

”ایکسپکٹ فری، لندن میں اس کام کی کوئی باقاعدہ کلاسز نہیں دی جاتی ہیں کہ بے پردہ اور سر چمکے لاؤں گے یہ سب کچھ سیکھ کر کہتا ہے۔“ ایمان بھی اس کے کچھ بات پر سچہ ہو گئی تھی اب کم سے کم اس کے ذہن کی لڑکی کو تو واقعی اس بات کا علم نہیں تھا کہ وہ کچھ مواقع پر یہاں سے جواب دے دیا جاتا تھا کیونکہ وہ پچھلے چند دن سے اپنی کئی کئی سچی سچی کہی تھی اس کے سامنے ہوتا کہ اس وقت اس کے سامنے یہ تھا تو دونوں بی جاتی اس کا۔

”اچھا نکاح“۔ ”دائم“ دونوں بازو میں لٹکائے رکھ کر چہرے ہوئے کیا۔

”خوابوں میں غلط فہمیاں کا ارادہ ہے کیا۔“

”وہ آئے گا دل نہیں کرتا تمہارا؟“ ایمان جو سنجیدگی سے اس کی طرف متوجہ کی جواب سن کر ہنسنے سے انکار نہ کی۔

”کیا بکواس ہے۔ میں اسے یہ سب لکھوں؟“

ان ہیز پر ہنسنے اس نے سچ کہا۔

”جی ہاں اب جان بھی تو چڑھوانی ہے؟“ وہ جل کر

لا۔

اسے سامنے بلائیں کسی طرح پیار سے گھیر کر

”جب وہ ملے آئے گا تو اس کی پھرتل کر دیں گے۔“ ایمان کو فون واپس پکارتے اس نے تفصیل

کی۔

”پھرتل؟“

”بائیں ابرو اچکائے اس نے الیہ اعجاز میں دائرہ کر رکھا۔

”یہ پاکستانی آتشیں ہتھیار جو ہر بار پکڑے

”واٹ؟“ ایمان کو شک لگ گیا۔ وہ جو کسی سابر کرنا آفیسر یا باکوفی ٹیلی کام انجینئر تک رسائی کی امید کر رہی تھی اس کی آنجنی میز پر پہنچنے پر ڈیٹ اٹھا کر ڈانم کے سر پر دے دینے کی سوچ رہی تھی۔ خود ڈانم کی اب اس کا زمانہ بن رہا تھا کیونکہ اس وقت اس کی لگاؤ بھی اسی بچہ پر تھی۔ جی جی۔ بہر حال اس نے غلط فہمیاں سے طور پر اپنی گری کچھ جیسے کوکھ کاٹی تھی۔

”فرستی ایسے یہ خودی بھاک جائے گا۔
 بس آپ اس کے پیار مجھے سمجھ کر جواب دینے دیتے
 انداز میں دیں، پیار سے۔“ سناٹاں کا اعجاز اکتا ہے
 تھا۔ ایمان اب بھی اسے بے حد سنجیدہ و دلجو ہوں سے
 دیکھ رہی تھی بلکہ شاید کمرے سے نکالنے کا سوچ رہی
 تھی۔

”آپ کے لیے کچھ مشکل تو ضرور ہوگا
لیکن۔۔۔“ دائم زہرباب بڑبڑایا۔ اسی وقت سیل فون
پر ایک نیا میسج نمودار ہوا۔

”ایک اور سچ۔“ وہ باقاعدہ چلائی۔
 ”کئی رات تو آپ میرے خواب میں بھی آئی
 تھیں۔“ وہی انجینیئر اور وہی احمقانہ انداز۔ ایمان
 نے اس بار اونچی آواز میں سچ پڑھ کر دوائم کو بھی سنایا
 تھا۔

”اس کا جواب لکھیں۔“ وائٹ نے مشورہ دیا۔
 ”پیارے، میں..... پلینز۔ جان چڑھاتی ہے نا
 س ہے۔“ اس کا اعجاز پچکارنا سا تھا جیسے کوئی نئے
 بچے کو راضی کرنے کے لیے پیار اور التجا ایک ساتھ
 کرتا ہو۔

”کیا لکھوں؟“ وہ زچ ہوئی بہر حال اس نے اُم کی بات ماننے کا فیصلہ کیا تھا۔

”یہ بھی اب میں بتاؤں؟“ دائم شدید حیرت سے سوال کرتا کری پچھل کر بیٹھ گیا۔

”اسی لیے تو پوچھ رہی ہوں اس کو کیا جواب

ایک پلائی ہی نہیں مہر مار رہی تھا۔ اسے تو جیسا لگا تھا چوٹکے اس نے دائم کے مشورے سے چل گیا ہے۔ اپنی پریشانی کے خاتمے پر وہ دل سے دائم کی تحنوں ہوئی تھی جس نے بروقت اس کی تیشیں ختم کر دی۔ یہی وہی گلاب دفتر میں ایمان کا روپ ہے بالخصوص دائم کے ساتھ نارمل ہو چکا تھا۔ وہ بات سے بات ڈانٹا، معمولی کٹھنی پر طرے کے تیر چلاتا اور اپنے معیار سے کم چیز پر اس کی سب کے سامنے تحفہ میں داغ کی آتی تھی۔ دائم نے واقعی شکر کا کلہ پر حا تھا ساتھ ہی فرط جذبات سے سنن کو گنگے لگا کر پے دو پھیل دیا تھا (کراس سے زیادہ وہ اس سے محبت نہیں جاسکتا تھا) جس کی حاضری دانی نے اس کی جان ایمان کی ڈانٹ پھٹکار سے چھڑا دی تھی۔

☆ ☆ ☆
”مسٹر دائم! آپ کا کیا خیال ہے پلانٹ کی اینجینئین کے بارے میں۔“ ہارڈ مینٹک میں یہ تیسری بار تھا جب ایمان نے اپنی بات سے بہت کر ساتھ پیچھے دائم کی رائے مانگی جس پر زبیر مسکراہٹ کو دہاتے سنن نے دائم کی طرف دیکھا تھا جہاں ایمان کی طرف سے لئے والی اس غیر معمولی توجہ پر بدیشی کا شکار ہو رہا تھا تو دوسری طرف زیدی صاحب نے بھی ایمان کے بدلے ہونے انداز بدل کر یوں دل میں حیرت کا اظہار کیا تھا۔ دائم کو دفتر کے ہر شخص کے سامنے اپنی بارڈر انٹ پر چکی تھی کہ ایمان کو کواستے احترام سے مخاطب کرنا سب کے لیے ہی حیران کن تھا لیکن اس بدلے ہوئے انداز کے پیچھے دائم نے کتنے پاز پیلے تھے کران کا حساب لگھا یا تو رجز بھر جاتا۔

ایمان جیسی دماغ والی ہندی کو دائم فقط ایک مشورے سے خاموش نہیں کر سکتا تھا۔ ویسے بھی اس طرح اس کا شبکہ لینن بڑا کڑا تھا فقط ایک ملازمت کی خواہش پر اسے اپنی آسانی سے ایمان کا بچپنا چھوڑ دیا۔ لہذا اس کھیل کا ڈراما سن بہت سوچ سمجھ

کر ایمان کے بلاوے پہنچنے کے لیے راضی کیا کہ جس کے محض سنن نے غائب اصرار ہوئی میں ڈھونڈا تھا۔ بعد ازاں دائم نے اپنی جیب ہتھی کرنے بدلہ سنن کی طبیعت ہتھی کر کے پرکار کیا تھا۔ ایمان کو لائے چھڑوں کی ٹیلی کا سٹ دکھانے کی خاطر دائم نے سنن کی دل محول کے پٹائی کی تھی۔ ایمان اسے پولیس میں دینا چاہتی تھی لیکن دائم نے ہی اسے سمجھا بھرا کر ایسا کرنے سے روک دیا تھا۔ بہر حال جو بھی وہ نتیجہ دائم کے حق میں آیا تھا اور اب ایمان اس دفتر میں دائم پر دل سے مجبور سا کرنے لگی تھی جس نے ذاتی طور پر اس کے مسئلے میں مثال ہو کر اسے ایک دور دوسرے نجات دی تھی۔

باتی انصاف نے تو فقط ایمان کا دائم سے نرم لہجہ نوٹ کیا تھا لیکن زیدی صاحب نے باقاعدہ احتساب کرتے ہوئے نیچے سے اس کی خیریت دریافت کی تھی۔

”آج کل دائم کا پی ڈیوینڈ کر رہی ہو۔“ لیپ ٹاپ اسکرین پر نظر پڑا تھا۔ لیپ ٹاپ اسکرین پر ایک قائل کا مطالعہ کر رہی تھی جب وہ راتو رات زیدی نے اپنے چائے کے کپ سے چٹکی بھرے سوال کیا۔ وہ مسکراتی نظروں سے اب اس کی طرف متوجہ تھے جیسے اپنے سوال کا جواب چاہتے ہوں۔ ”کیوں نہیں کرنا چاہئے؟“ اس کا چہرہ بے تاثر تھا اور لہجہ کچھ اچھا بھلا ہوا۔ وہ راتو رات زیدی صاحب نے کوئی جواب نہیں دیا وہ جنوز اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔

”وہ ہمارا جنرل منیجر ہے اور آپ نے اس کی اپنی ہنسی دیکھ کر اسے یہ پوسٹ دی تھی“ کندھے سے اچکا کر اس نے جیسے اپنے سینے وضاحت دی تھی جس سے وہ مطمئن ہو جائیں۔ ان کی بندوبست ان کے اپنے کندھے سے پردہ کھڑکھڑانے کی کوشش۔ ”جیسے تو وہ میرا ہے معیار میں کافی فرق ہے۔“ حیرت تو وہ بھی اتنا قائل نہیں لگا۔ چائے کا

دائیں بازو منیجر کو نے لگایا ہے۔ ان کے چہرے پر ایک باہمی کی مسکراہٹ تھی جس سے ایمان خاصی متاثر ہو رہی تھی شاید اسی لیے اس نے لگا ہیں دوبارہ دائیں لیپ ٹاپ پر مرکوز کر لی تھی۔

”تیسری پینٹ (رائے) غلط بھی تو ہو سکتی ہے انڈیا سے آپ کو میرا اسے انواؤ کرنا چاہئیں آیا تو میں بھی سے وہی پرائیوٹ سٹینڈرڈ بینکین کر چکی (معیار پر قرار دیتی) ہوں۔“ جیسے جان چھڑانے کا سا انداز تھا۔ تیزی سے کی بورڈ پر انگلیاں چلائے وہ تیز لپکے میں ہوئی۔ اب انھیں یہ تو بتائیں تھی کہ ایک پورے سے اعتماد مگر انتہائی ذاتی نوعیت کے مسئلے میں دائم نے ڈاٹ آف دے جا کر اس کی مدد کی ہے۔ باتنی تو شاید وہ اس کی حالیہ کیفیت کو سمجھ جائے کر ایمان کا ابھی ان سے کوئی قائل نہیں ہوا تھا کہ وہاں وہاں کے اپنے ذاتی مسائل باہمی۔ لیپ ٹاپ میں سائلوں کا قائل پر قرار تھا کو زیدی صاحب نے غور کرنا چاہتے تھے لیکن ایمان ان کی ہر کوشش کو ٹھکراتی تھی۔ وہ ابھی باقی کو سمجھنے میں تھیں۔

”اکیسی بات نہیں انکلیٹ تم نے بہت اچھا کیا دائم کے ساتھ اپنا روپ بدل لیا۔ وہ بہت لائق اور قابل مجبور سا انسان ہے۔ پھر ایمان خون زیادہ موزم اتا ہے۔ اس کی مثال تو تم خود ہو۔“ اس کا ابھی سا دل کا دیکھ کر وہ راتو رات زیدی صاحب نے بات سننا نہ ہوئے کہا۔ مبادا وہ ج میں اسے جنرل منیجر سے ایجنس چیز اسی کے لیول پر تالے آئے۔

”آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں دائم واقعی اچھا انسان ہے اور قابل مجبور سا بھی۔ اپنے عہدے کے مطابق وہ سب سے مناسب شخص ہے۔“ وہ گہری سوج میں تھی۔ کرسی کی پشت سے لپک لگے کسی منیجر پر لیٹنے پہ لگائیں جہاں سے وہ اپنے ویسیان میں کم ہوئی۔

”کیلو اس یہاں تھیں کوئی مرد مت مناسب اور

ہوئے غلط دیا۔ وہ ایک مسیروں جو کچھ بھی ”ذبیہ وہ ہمارا ایکسپلوائیٹ ہے اور میں بس اسے اسی مناسبت سے ٹریٹ کر رہی ہوں لہذا آپ بھی اپنے انداز سے لگائے بند کر دیں۔“ یہ نہیں فیر چلتی رپورٹ اور بتائیں اس میں کوئی منیجر کرانے ہیں تو میں کر دیتی ہوں۔“ تنبیہ کی اسے انھیں سمجھ کرتے اس نے سادے پڑے سے لیپ ٹاپ کا رخ ان کی طرف پھیر دیا۔ زیدی صاحب نے مسکرا کر اس کے ہارٹس چہرے کو دیکھا اور بھر بھر ملاتے اسکرین کی طرف متوجہ ہو گئے۔

☆ ☆ ☆
تانیہ دیکھے تو کراچی کی رہائشی تھی لیکن بیروں سے وہ اور اس کی کلی زندگی میں متبر ہے۔ اتفاق سے تانیہ وہ واحد پاکستانی لڑکی تھی جس سے پچھلے کئی سالوں سے ایمان کی دوستی تھی۔ پانی اسکول اور پھر کالج میں بھی وہ دونوں کلاس ٹیوٹر رہ چکی تھیں اور اسی مناسبت سے ان کی ابھی بات چیت کی۔ اتفاق سے تانیہ ان دنوں پاکستان آئی ہوئی تھی۔ اب ایمان یہاں بھی تو وہ بطور خاص اس سے ملنے چلی آئی۔ اس کی چند روزہ آمد نے ایمان کی کئی ہندی روحن کی زندگی میں تبدیلی پیدا کی تھی۔ آفس کے ساتھ وہ اسے بھی وقت دے رہی تھی کیونکہ تانیہ صرف ایمان کو ہی جانتی تھی۔ آج ایمان تانیہ کو ایک آرٹ گیلری دکھانے کے لیے لگی جہاں سے وہ انھیں پر ایک ہر مختلف جگہ کے بعد وہ اسے اپنے ساتھ آفس لے آئی تھی۔ اسے کچھ اہم کاغذات سے مطلع کرنے تو تھی جو سوچا گئے ہاتھوں اس کام کو نشانہ بنائے۔ اس کی آمد کا سن کر دائم بھی اس سے گفتگو کا ایک مسئلہ دیکھ کر نہ چلا آیا۔ چونکہ آج کل وہ دفتر میں آ رہی تھی تو مینٹک کا مونیج بھی نہیں مل رہا تھا۔ تانیہ کی موجودگی میں مختصر بات کرنے کے بعد وہ جلدی اس کے دفتر سے نکل آیا تھا۔

”یہ تمہارا منیجر ہے؟“ تانیہ کے کچھ میں ہے

ایمان میں اس کی حیثیت غیر مختلف ہی۔ جو دلی میں ہوتا اسے فتنہ بنتے ہوئے دیکھنے والوں میں سے بھی اور اپنی ایک مملکت میں نہیں چھپاتی تھی۔

”جی ایم۔“ ایمان نے مختصر کیے تائی ای انداز میں سر ہلایا۔

”اسے تو کسی گھڑی پر ڈاکٹ کا براڈ پریسڈ پور ہوتا چاہیے ایمان!“ تانیہ دے دے جوش سے بولی ساتھ ہی اپنی کرسی سے کھٹک کر آگے ہوئی۔ ایمان قدرے سنجیدہ ہوئی۔

”کیوں ایسی کیا خاص بات ہے اس میں۔“ حالانکہ اسے اندازہ ہو چکا تھا تانیہ کیا کہنا چاہتی ہے پھر بھی اس نے بے پروائی برتتے سوال کیا۔ اپنا قانچن بین انگلیوں میں سمٹاتے وہ ابھی سے لگے میں بولی۔

”تمہاری قریب کی نظر کمزور ہے کیا؟“ تانیہ نے حیرت سے پوچھا۔

”جی غور سے دیکھا نہیں کیا اس کو۔“ پارک پر سٹیٹنگ ہے بندے کی۔ چٹا پھرتا ڈاڈل لنگا ہے اور تم کہہ رہی ہو ایسی کیا خاص بات ہے اس میں؟“ وہ ضرورت سے زیادہ دائم سے متاثر نظر آ رہی تھی۔ اور ایک طرح سے ٹھیک سی متاثر ہو رہی تھی۔ وہ اچھا خاصا پرنسپل اور کمرے سے نفوس کا ماکہ تھا۔ اس پر لہا قدر انجیو کی اسے نمایاں کرتے تھے۔

”میں ایسی باتیں نوٹ نہیں کرتی۔ وہ میرا اسیپائی ہے اور تمہارا فوکس کام پہ ہوتا ہے۔“ ایمان کو تانیہ کیوں تانیہ کا دائم کے حوالے سے کچھ بھی کہنا اچھا نہیں لگتا تھا۔ بڑے دو ٹوک سے انداز میں کہتے اس نے اپنا پانچن پینتے کے سے انداز میں اپنے پنڈ بیک میں ڈال دیا۔

”جی میں تو ایسی باتیں بہت نوٹ کرتی ہوں اور اتفاق سے وہ میرا اسیپائی ہی تھی تو نہیں۔“ تانیہ نے کندھے سے چٹا کے اس کے لگے کوئی انداز کیا تھا۔

”حق کہوں تو مجھے ایسے ہی شخص کی تلاش تھی۔“

جہیہ میں پائس غلام کر رہی کی ایمان بے بات بیٹے سے صاف صریح لیکن اس کے لگے میں تڑپتی تھی، جو والہانہ پن تھا وہ اس سے پہلے ایمان نے کسی کی کے لیے محسوس نہیں کیا تھا تو کیا وہ حق میں دائم کے لیے سوچ رہی تھی۔

”نہایت کوئی چھپوڑی ذہنیت ہے تمہاری۔“ ویسے بھی وہ اچھا ہے۔“ کوئی کرسی سے کھڑے ہوتے ایمان نے شرم دلانے والے انداز میں کہا ساتھ ہی ایک نہایت اعلامیہ کا جھوٹ بولا تھا اور یہ جھوٹ اس نے کیوں بولا تھا اس کا اس وقت خود ایمان کو بھی علم نہ تھا۔ بس اسے تانیہ کا دائم کو دیکھ کر نا اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

”ہائے خالم۔“ دل دھڑکنے سے پہلے ہی نوٹ کیا۔ کبھی تو سارا پرانہ ہم سے جو نہیں اچھا لگتا ہے وہ سب اب نہیں ہوتا کم بخت۔“ کرسی سے اٹھتے تانیہ نے دونوں ہاتھ سینے پہ بائیں جانب لٹکا لیے ہڈیانی انداز میں کہا۔ ایمان نے غلاب دیا۔

”جھکا اور اس کا بازو جھپٹتے۔“ وہ اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے دو دن بعد تانیہ کی داہنی کی اور ایمان نے دوبارہ اسے اپنے ساتھ آفس میں لانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ کیا پتا وہ دائم سے بات نہایت شروع کر دے اور اس چکر میں ایمان کے جھوٹ کا پول ہی نہ کھل جائے۔ وہ تو خیر خود بھی نہیں جانتی تھی کہ وہ اچھا ہے یا نہیں۔

”وہ تو خیر خود بھی نہیں جانتی تھی کہ وہ اچھا ہے یا نہیں۔“ وہ اسے شرمندگی بھی محسوس ہوئی تھی جو اس نے بلاوجہ ہی اپنی تکی سے بولا تھا لیکن پتا نہیں کیوں اسے پہلی بار تانیہ سے حسد محسوس ہوا تھا۔ شاید یہ وجہ تھی اس کی داہنی نے ایمان کو بڑا سکون دیا تھا۔

☆☆☆

وہ دائم کے ساتھ سائٹ وزٹ کے لیے نکل رہی تھی۔ حسب عادت ساڑھے تین بجے کی ٹیکسٹ پینے تیز تیز قدم ڈھاتی ایمان نے بیڑھیاں اتار کر شروع کی۔

”جی۔“ ایمان ہی اس سے ایک قدم پیچھے اس کی رفتار

آئی۔ ساتھ ہی ایمان کا بیٹلس خراب ہوا تھا۔

”بیٹلس کے سیم۔“ دائم نے حیرتی سے آگے بڑھ کر اسے قہقہہ لپٹا۔ جھپٹنے کی آواز اس کی ٹیکس کی تھی

”ہو ایک بیٹلس سے ٹوٹ گئی تھی ساتھ ہی ایمان کا پاؤں بری طرح حرا تھا۔ دائم اگر اس کا ہاتھ نہ پکڑ لیتا تو شاید وہ بیڑھیاں سے پھسل جاتی۔ ایمان نے ایک ہاتھ سے ٹکڑی کی ریڈنگ کو قہقہہ لپٹا تو دائم نے جلدی سے اس کا ہاتھ پھوڑ دیا۔

”میں یہیں پکڑ لیتا ہوں۔ آپ ٹھیک ہیں نا۔“ اس کے ہاتھ سے اس کا پنڈ بیک اور قائل چڑاتے دائم نے سوال کیا۔

”ہاں۔ آئی ایم او کے۔“ ایمان نے خود کو سنبھالتے اپنا پاؤں سیدھا کر کے کی کوشش کی تھی۔

”آؤ کچ۔“ دردی شدت سے اس کی پیچ نکل گئی تھی۔ وہ بے اختیار دو ہیں رہتے ہی بیٹلس۔

”وہی ٹھیک ہے آپ کے پاؤں میں سوچ آئی۔“ دائم نے کھٹک کر اس کے پاؤں کو دیکھا۔

”جی میں اس کی شکل ایک دم نوٹ جانے کے باعث اس کا پاؤں حرا تھا اور شدید موج آگئی تھی۔ اسے سہارا دے کر دائم نے گاڑی تک پہنچایا اور پھر پرنسپل میں لے گیا۔ جہاں سے ٹریڈنٹ کے بعد دائم نے ہی اسے کھر ڈرا پ کیا تھا۔

☆☆☆

”بدلے بدلے سے میرے سر کا نظر آتے ہیں۔“ مجھ کو تو شفق کے آواز نظر آتے ہیں۔ کیا معاملہ ہے؟“

”وہ وہاں دفتر پہنچنا تو ہونے والی تھی۔“ ایمان اس کے کہیں میں ٹانگ پہ ٹانگ بٹھانے بیٹھا جائے سے لطف اندوز ہوا تھا۔ اسے کہیں اندازہ نہ تھا کہ بر جتے کہا۔ دائم جو اس کی اپنے کہیں میں دو جوتے سے لاطم تھا اس کی بات کا مطلب نہیں سمجھتا تھا۔

”یار وہ اس ایمان کے پاؤں میں موج آگئی تھی۔“ انہیں ڈاکٹر کے پاس لے کر گیا پھر وہاں سے

اس نے اپنے دفتر سے غائب ہونے کی وضاحت کی تھی۔ حالانکہ یہ بات اس وقت آفس میں موجود تمام عملے کے علم میں تھی اور ظاہر ہے سناں بھی اس بات سے بے خبر تو نہیں تھا۔

”مس ایمان۔“ مس ایمان ہی تو ہے ایمان کر رہی ہیں۔“ سناں مختصر سے کہتا چائے کے کھونٹ بھرے لگا۔

”کیا کبواس کر رہا ہے۔ کیا بے ایمانی کی ہے میں نے؟“ دائم کی کیرئیر پیجیڈی کو نظر انداز کرتے وہ ایک دم سنجیدہ ہو گیا تھا۔

”میں نے کب کہا تو کوئی بے ایمانی کر رہا ہے۔ بے ایمانی اس قول کرتا ہے جتنا ہے۔“ دائم نے کہا تانیہ والی نظروں سے اس کی طرف دیکھا مگر کچھ کہنے کے بجائے کھٹک کھٹ کی ہیوز پر انگلیاں چلا کر اسے کپڑے لٹکا دیں اور دھککا۔

”مجھے پہلے کھٹک تھا لیکن اب یقین ہو گیا ہے جتنا کہ دل کی معاملہ ہے۔“ دائم کچھ اور شوخ ہوا۔

”سناں یہ اس کی شوخی اتار کر رہی تھی۔“

”فقول کبواس بند کر دو ہاں ہے ہماری۔“ وہ باقاعدہ چڑ کر ہوا۔

”ہاں تو ہماری ہے آپ کی تو مس ایمان ہے۔“ سناں نے بائیں آنکھ دوہائی تو سناں پچھا اور جب کیا۔ یہ پہلی بار تھیں کہ سناں اس سے مذاق کر رہا تھا بلکہ وہ اس کی عادت سے زمانوں سے واقف تھا لیکن ایمان کا نام سن کر وہ اسے حاشا چڑ گیا تھا۔

”تو کبھی کیا جانتا ہے۔“

”جی کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے۔“

”اور وہ مجھ سے سناں۔“ مسز دائم کی گردان رہی رہتی ہیں اور آپ مس ایمان مس ایمان پکارے جاتے ہیں۔“ سناں اس کا بے حد خرابی دوست تھا اس کی رنگ رنگ سے واقف۔ اسے بہت اچھی طرح سمجھتا تھا۔ اسے دن سے دائم کے بدلے ہوئے انداز وہ بخوبی نوٹ کر رہا تھا۔ کہاں تو اسے ملکر کچھ مطلب کیا

تیار رہا تھا۔ اس کی ایک عداوت بڑا دوری

چنگ بٹاڑ چلا جاتا تھا۔

”اس تو اس میں کیا ہے۔ کام کی وجہ سے ہے

سب اور ہر بالکل چپ۔ سمجھا۔“ وہ کچھ جنب سا

گیا۔ سلمان سے نظر کی جرات اپنی بڑی دھمکی

دیتے کی بڑی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔

”اسکی بات آفس میں کسی کے سامنے کر دی تو

بلا وجہ جھگڑا بن جائے گا۔“ پھر ایک کچھ بھانے والے

اعزاز میں بولا تو سلمان کی ہنسی نکلی۔

”ہماری زبان پہ زپ لگا دو سو پے بر آفس
والوں کو کیسے چپ کراؤ گے۔ زبان خلق کو تھوڑا خدا
سمجھو۔“ سلمان آج اس سے بچ لگاؤ گئے کے موڈ
میں بیٹھا تھا اور وہ سلمان کی کیا جو داکم کا بیٹھا اپنی
آسانی سے چھوڑ دیتا۔
”دیکھ داکم جواں وہاں ہی اٹھتا ہے جہاں
آگ لگتی ہے۔ کم سے کم مجھ سے تو نا چپا تیرا دوست
ہوں میں یار۔“

”سلمان تو فضول میں بات کو چڑھ کر کی طرح
سمجھ رہا ہے تو ابھی طرح جانتا ہے وہ کوئی عام ملاڑی
نہیں۔“ وہ زچ ہوا تھا۔ اسی حقیقت سے تو لگاؤ
چرانے کی کوشش کرتا داکم ان دنوں اپنے اندر چل
رہی جنگ سے خبردار نہ تھا۔
”مجھا اپنی بات تو نے یہ بھی مان لیا کہ وہ کوئی
عام ملاڑی نہیں۔ پیلو تو مہاں صاحب زادے کی تو تے
جیسی تاک آڑے آری تھی اس کی صلاحیتوں کا
اعتراف کرتے۔“ اس نے باقاعدہ دھڑکیا تھا۔
”اس مان لیا اور خاص لوگ ہم عام سے لوگوں
کا نصیب نہیں ہوا کرتے۔ اس لیے ہمیں اسکی باتوں
پہ دھیان نہیں دینا چاہیے۔“ اس نے باقاعدہ دونوں
ہاتھ کمرے کر کے اٹھان کیا تھا۔
”کم داکم۔ تو کسی سے کم ہے کیا میرے
یار۔“ سلمان نے آگے بڑھ کر اس کی پٹہ چھتے
سمجھا یا۔ اب یہ کیا کرتا خود داکم انسان نہیں کے

فریٹ کرتی ہے اور جو اس کی عورت کی مدد کی اس
پہ چکر کرتی ہے میری۔ میں اور کیا۔“ سلمان اسے
وہ حقیقت بتاتی چڑا سے اس کی حد سے آگے بڑھنے
نہیں دے رہی تھی۔ ایمان کا بدلا ہوا اعزاز داکم کی
پیشہ داران ضرورت تھی لیکن اس کی قربت چھلنے کی دوز
سے داکم کے دل پہ دھک لینے لگی تھی۔ ایسا چلنا بارہوا
تھا کہ اسے ایمان کا قرب داکم کی شخصیت، اس کی
باتیں۔ سب کچھ اچھا لگ رہا تھا۔ وہ توجہائی میں اس
کے خیالوں کا حصہ بننے لگی تھی اور داکم کو اپنی سوچ سے
خوف آ رہا تھا۔ وہ جانتا تھا یہ ایک طرف نہیں فدی ہے
اور جلد ہی اسے اپنے دل کی برادری پہ نام لگا ہو گا۔
شاید اس لیے آئے والے دور سے بچنے کی خاطر داکم
نے اپنے دل پہ قفل لگانے کی کوشش کی تھی۔ یہ اور
بات دل جب من مانی پہ اثر آئے تو آپ کی کہل سنتا
ہے۔
”اس سے آگے کچھ بھی سوچنا فضول ہے۔“

”اوہ بھائی اتنا کمزور کیوں ہو رہا ہے۔ کوئی
مارا بی س ایمان کو آج رات ڈنر پہ چلے ہیں۔ ایک
سے ایک ابھی لڑکیاں بھری پڑی ہیں اس دنیا میں۔
مارے نام کا بھی کوئی نہیں اللہ نے اتارا ہو گا۔“
اپنے سنی مسوئی اعزاز میں اس کی پٹہ چھلنے سلمان
سے بہت سے غبار پر کرم بنایا تھا۔ لیکن داکم اپنی جگہ
سے ہٹ سے کم نہ ہوا۔
”میرا موڈ نہیں۔“ اس نے ساتھ چلنے سے
صاف منع کر دیا تھا۔
”یعنی میں ٹھیک کہہ رہا تھا کہ دل دا معاملہ
ہے۔“ وہ سلمان کی کیا جو ایک بار میں مان جائے۔
فائل بنا کر اپنے بے سرے اعزاز میں کا وہ داکم کو
زہر لگا تھا۔ اس نے پاس رکھی فائل اٹھا کر دے ماری
تو وہ جھگڑا ڈال پوری بیسی کے ساتھ کمرے سے نکل
گیا۔ پیچھے داکم سر جھٹکنا اپنے کا نڈھینے لگا۔
☆☆☆☆
تدریت انسان کی تخلیق میں جذبات کا
نہیں ہوتا۔ بلکہ جو لوگ ان کے قابو نہیں رکھ پاتے اور
بجائے جذبات پہ قفل ڈال کر اسے گہرے کنوئیں
میں دھکیل دیتے ہیں پر ہوتے یہ سب کے پاس
بیکار ہیں۔ ایک وقت آتا ہے جب یہ قفل اپنے
آپ نوٹنے لگتا ہے۔ دل دا مان میں جنگ شروع
ہو جاتی ہے۔ جذبات، قفل پہ غالب آنے کی کوشش
کرتے ہیں اور آپ پر کچھ حالت جنگ میں جتا رہے
ہیں اور یہ جنگ کسی کمن سے نہیں خود اپنے آپ سے
ہوتی ہے۔ ایمان کی تھی بندگی اس نے قاروڑ زندگی
ان دنوں ایک ایسی ہی جنگ میں بدل چکی تھی۔ اس
نے اپنا پر فیصلہ اچھا یا برا خود کیا تھا اور اسے اپنی قوم
پر اس سے بہت بھروسہ تھا لیکن ان دنوں ایک فیصلہ
دل کر رہا تھا۔ وہ لاکھا لاکھ کی پر ہرگز نہ تھا اسے
کوہ کر رہا تھا۔
داکم پہلا شخص نہیں تھا جس کے ساتھ دو کام کر

”کیا سوچ رہی ہو؟“ وہ اپنے خیالوں میں گن
اس بدلتی ہوئی حالت پر غور کر رہی تھی۔ داکم کا رویہ
سوچ کر بہم کی سرکراہٹ نے چہرے کا احاطہ کیا ہوا
تھا۔ زیدی صاحب ہاتھ میں دودھ کا گلاس تھا
اسے دوا دینے آئے تھے۔ وہ ان کی آہ سے بے خبر
سامنے بیڑا کراؤں سے ٹک لگاتے بیٹھی تھی۔ ایک پیر
میں کرب بیٹن بیٹن بندھی ہوئی تھی۔ ڈاکٹر نے اسے
چند روز احتیاد کا مشورہ دیا تھا۔ البتہ انیسرے میں
فرق نہیں تھا اس سوچ شہ تھی۔
”کچھ بھی تو نہیں۔“ ان کی آواز پہ چوہک کر
اس نے بات بدائی۔ البتہ چہرے پہ عجیب سی شرمندگی
تھی جیسے کوئی چوری پکڑ لی گئی ہو۔
”داکم کے متعلق سوچ رہی ہو؟“ دودھ کا
گلاس اسے تھمتے زیدی صاحب اس کے پاس ہی
بیٹھ گئے۔ اس نے کچھ کہنا چاہا تھا پر انہوں نے فوراً ہی
ٹوک دیا۔
”مجھ سے سمجھ مت بولنا ایمان! میں تجھاری
پاس نہیں لیکن تمہارا باپ ہوں۔ پیلو نہیں سمجھتا تھا
لیکن اب تمہیں کچھ سکنا ہوں۔“ ان کا اعزاز دھیسما کر

کر لیا۔ یہ چھوٹی بات ہے کیا؟“ وہ جذباتی لہجے میں
”اور میں نے دھوکے سے اس کا اعتبار حاصل
کر لیا۔“
”اس سے آگے کچھ بھی سوچنا فضول ہے۔“
کیونکہ جو کچھ میں اس کے ساتھ کر رہا ہوں اس کی
اسے چاہیے کیا تو اپنی شکل دکھانے کے قابل نہیں
رہوں گا۔“ دھیمے لہجے میں اس نے سلمان کو اپنے
اندر بیٹھے اندیشوں کی ایک جھلک دکھائی تھی۔
”اول تو اسے یہ بات کوئی تائید نہیں کیونکہ
ہم دونوں کے علاوہ اس راز سے کوئی تیسرا واقف
نہیں۔“ دوسرے اگر معلوم ہو بھی جائے تو رپا تو نے
کون سا کوئی تو فی خزانہ چوری کیا ہے۔ ایک چھوٹا سا
مذاق تھا مگر لی تھا۔ اس کا رویہ بھی تو عجیب تھا۔ ہر
وقت ذلیل کرنی دیتی تھی۔“ سلمان نے پتہ لہجے میں
کہا۔ داکم اسے بہت عزیز تھا۔ اسے اعزاز کے
درست ہونے کے بعد وہ اب اس کے لیے یہ اور بھی
ضروری تھا کہ داکم اپنی محبت کو کمزور تک پہنچائے لیکن
وہ تو سفر سے پہلے ہی بادبان کھول رہا تھا۔
”اور میں نے دھوکے سے اس کا اعتبار حاصل
کر لیا۔“ یہ چھوٹی بات ہے کیا؟“ وہ جذباتی لہجے میں

”وہ آپ..... ایمان بچھو کبھی نہیں پائی۔“
 ”تم اسے پسند کرنے لگی ہو۔“ اس کا ہاتھ
 تھا سے انہوں نے بہت محبت سے سوال کیا تھا۔
 ایمان نے شخص انکشاف میں سہلے سے لکھاب کہا۔
 ”تو براہم کیا ہے؟“ اپنی بے حاشا خوشی کو
 دیتے وہ بدستور بھیدہ تھے۔ آخر قدرت کو ان پر دم
 آئی کیا تھا۔ ایمان کا نازل ہونا ان کے لیے رحمت
 سے کم نہیں تھا۔
 ”براہم وہ خود ہے۔ میرے اسے پسند کرنے
 سے کیا ہوتا ہے جب وہ خود مجھ میں انظر ملے نہیں۔“ وہ
 براہم لکھے میں بولی گئی۔
 ”اس نے تم سے کچھ کہا؟“
 ”کچھ کہا ہی نہیں۔“ وہ ابی سے بولی۔
 ”کہنے سے زیادہ وہ یہ ایم ہوتا ہے۔“ انہوں
 نے سمجھا۔
 ”اس کا رویہ ہی تو پریشان کر رہا ہے۔ وہ اتنا
 کیرنگ ہے۔ میرے ساتھ کسی پر کسی کی طرح
 ٹریٹ کرتا ہے حالانکہ اس میں خود کوئی کمی نہیں پھر بھی
 وہ مجھے اتنی اہمیت دیتا ہے۔ یہ بھی لکھا ہے یہ سب وہ
 صرف پریشانی کر رہا ہے لیکن پھر میرا دل.....“ وہ
 کہتے کہتے رک گئی۔ دلم کا رویہ تو اسے اپنی طرف
 مائل کر رہا تھا۔ لیکن خوف تو اس پر برسوں سے غالب
 تھا کہ نہیں اس کی زندگی میں بھی زیدی صاحب جیسا
 خود پسند اور اپنی ذات تک محدود انسان شامل نا
 ہو جائے۔ اسی لیے تو وہ شادی کے نام سے خوف سے
 کھاتی تھی لیکن دلم اگ تھا۔ اس کا ساتھ اگ تھا۔
 ایک عجیب سا متعلقہ ہوتا تھا جب وہ ایمان کے
 آس پاس رہتا تھا۔
 ”تمہارا دل کہتا ہے یہ اس کی جاب نہیں
 ہے۔“ انہوں نے ایمان کا ہلکا ملل کیا تھا۔ اس نے
 لب بچھے تادیبی انداز میں سہلایا۔
 ”مجھے بھی دماغ کی نا مان کر دل کی سننا اچھا
 ہوتا ہے۔ بانی تم خود مجھ وار ہو۔“ اس کے باول کو

کہا تھا اور پھر اس کے ہاتھے پر سونے کے اسے جلد
 سونے کی تاکید کر کے وہ وہاں سے اٹھ کڑے
 ہوئے۔ ایمان نے دوا لگتے دودھ کا گلاس لیوں سے
 لگایا تھا جب دوا راحمد زیدی ملے۔
 ”اور ہاں..... میں تمہارے ہر فیصلے میں
 تمہارے ساتھ ہوں کیونکہ میرے لیے میری بیٹی کی
 خوشی ہے بد کہ اور کچھ نہیں ہے۔“ وہ بے حاشا
 منکرانی تھی۔ ”وہ واقعی بدل گئے تھے اور ایمان کے دل
 میں ان کے محسوسات بھی۔
 ☆☆☆
 دلم جب سے واپس آیا تھا بے حد خاموش تھا۔
 کچھ سناں کا اس سے سچ اگھواں کچھ ایمان کی سوچ،
 دوکانی ڈسٹر تھا۔ سناں دوست تھا اس کے سامنے
 اپنا بزم قائم تھا کہ پانا اپنے احساسات ملنے دینا تھا
 مسئلہ نہیں تھا لیکن یہ بات اور کسی اور کو معلوم ہو کر
 اس کا موڈ شدید خراب تھا اسی لیے۔۔۔ ان کے
 لاکھ کہنے پر بھی وہ اس کے ساتھ باقی نہیں رہا۔
 نے بھی سوچا تھا وہ اب ایمان سے فاصلہ قائم کرنے
 کی کئی اگھواں کوشش کرے گا تاکہ کسی کو بھی اس
 دونوں پر اچھی اگھواں کا موقع نا ملے۔ وہ اس کی
 دسرس سے دور سے تو اسے خود بھی ایمان سے دوری
 رہتا چاہیے۔ چاند کی خواہش تو سب ہی کرتے ہیں
 چاند کو ساسی کے دامن میں آجاتا ہے۔ یہ بھی سوچ
 کر اس نے شام سے ایمان کی تحریر سے تیار کرنے کے
 لیے بھی ایک کال نہیں کی تھی لیکن رات تک وہ خود ہے
 لگتی اس باندی سے جا بوا نہ کیا تھا۔ تقریباً دو بجے
 کے قریب اس نے ایمان کے کمر پر کال ملائی تھی۔
 فون بجی ہی تھی بل پر رینیبو کر لیا گیا تھا۔ دلم نے حقا
 سے انداز میں اس کی تحریرت دریافت کی لیکن جواب
 بڑا عجیب آتا تھا۔
 ”بڑی جلدی خیال آگیا آپ کو۔“ اس نے
 نہایت سنجیدگی سے ٹھہر کیا تھا۔ دلم نے نکل فون کان

نہایت سنجیدگی سے ٹھہر کیا تھا۔ دلم نے نکل فون کان
 ”وہ..... میں.....“ جانا تک اندری اندر یہ سوچ
 کہ بڑی کیفیتی کی خوشی ہوئی تھی کہ ایمان اس کی کال کا
 انتظار کر رہی تھی۔
 ”کیا وہ.....؟ وہ چڑ کر بولی۔
 ”میں سمجھا آپ سوچتی ہوں گی۔“ دلم نے
 بات بتائی۔
 ”اوتی جلدی نہیں سوتی میں۔“ اس نے برہنہ
 کہا۔ دلم کو کچھ نہیں آتا اب وہ مزید کیا کہے۔ چند
 ٹاپے خاموشی کر رہے اور بہت سوچ پھار کے بعد اس
 نے سوال کیا۔
 ”درد تو نہیں ہو رہا؟“ دوسری جانب ایمان
 نے گہرا سانس لیا تھا۔
 ”ہو رہا ہے۔ بہت زیادہ آپ ڈاکٹر ہیں جو
 دوا جو بڑ نہیں لگے۔“ اس کا لہجہ چھٹا ہوا تھا۔
 ”سوری مس ایمان؟“ وہ شرمندگی سے بولا۔
 اسے کچھ نہیں آتا تھا کہ ایمان آخر خفا کس بات پہ
 ہو رہی ہے شاید وہ سمجھتی نہیں پاور تھا۔
 ”یہ کس کچھ ضروری ہے کیا؟“ ایک اور
 شکایت۔
 ”سوری.....“
 ”پھر سوری.....“
 ”شاید آپ کا موڈ ٹھیک نہیں میں پھر کال.....“
 اس وقت میں سنا سب مل تھا۔ شاید اس کے پاؤں کی
 موج دماغ یا بڑ کر تھی جو مستقبل چڑ رہی تھی۔
 ”جی فضول باتیں آپ کرتے ہیں دلم! سنا..... برا
 موڈ ہمیشہ خراب ہی رہے گا۔“ اس نے بے اختیار
 کہا۔
 ”لیکن میں نے تو آپ سے کچھ بھی نہیں کہا۔“
 دلم روپنا ہوا گیا۔
 ”تو کیوں نہیں کہا۔ کس نے روکا ہے آپ کو۔“
 ایمان کا ٹھہر گیا تھا۔
 ”جی.....“ مجھے لگا آپ برا مان جائیں گی۔

اپنا ہاتھ کر کے لگا۔
 ”اچھا تو وہ جو بھٹوں، راجہ تھارہا بد مشق میں امر
 ہو گئے انہوں نے پتھر نہیں کھائے تھے کیا۔ جو آپ
 ایک سر پھینے سے خوف زدہ ہو گئے۔“
 ”وہ تو مجھے اسانو کی باتیں تھیں۔ کہنے کی
 حد تک ہی تھا نا سب کچھ حقیقت میں کون سا کسی نے
 جان دے دی پھر آپ خود سوچیں یا پھنا ہوا سرے کر
 میں آفس کس منہ سے آتا۔ ویسے بھی میری پرستش پہ
 سر پہ گھوڑا بڑا عجیب ہی لگتا۔“ ایک بے ساری
 صورتحال دلم کی نگاہوں کے سامنے ٹھہرنے لگی تھی۔
 ہاس کو پر پوز کرنے کے بعد ہی ایم کی اہم کا ک
 صورتحال۔
 ”دلم.....“ ایمان کے لہجے میں وارنگ تھی۔
 ”بلیز بلیز فون مت ڈس کنکٹ کیجیے گا میں
 ایک ٹرائی کرنا چاہتا ہوں۔“ اس نے اٹھائی۔
 ”فلکیٹانوی جتنی بھی ایڈ داس ہو جائے فون پہ
 صرف آواز کا اشتغال ہی سنا جاسکتا ہے پھر یا پھر
 بلاک ہی رہتے ہیں۔“ گوسوچا تو دل میں خاموش
 اٹھتے زور سے سوچا تھا ایمان تک آواز باسانی چلی گئی
 تھی۔
 ”یاگل تو نہیں ہو گئے آپ؟“ وہ شدید حیرت
 میں جھکا تھا۔
 ”یاگل..... ہاں وہ میں یاگل ہی ہو گیا ہوں۔
 کیونکہ مجھے آپ بہت اچھی لگتے تھی ہیں۔“ دلم ایک
 سانس میں بول پڑا تھا۔
 ”اور میں مزید یاگل ہونا چاہتا ہوں۔ اس لیے
 پلینز مجھ سے شادی کریں۔ یقیناً جائیں میں آپ کو
 بہت خوش رکھوں گا۔ سچ اسنے ہاتھوں سے کر مارم
 کافی بنا کر پلایا کروں گا اور ہاں..... وہ میں ہمیشہ
 پروف ریڈ کے بعد ہی آپ کو ساری رپوش بھیجا
 کروں گا۔ بس آپ مجھ سے شادی کریں۔“ ایمان
 نے کھٹکھٹاپنی کسی روکی۔ یقیناً یہ دنیا کا پہلا اور اپنی
 طرز کا انوکھا پوزل تھا جوا کسا کر لیا گیا تھا۔

تھے عین کہ وہ آپ کو بہت پسند آئی۔" میرا چٹا مومن دست بھرے لہجے میں بولا تو میں نے ایک عجیبی نظر اس پر ڈالی۔

"خوبصورت..... جسے اس لڑکی سے تمہاری شادی نہیں کرنی تو تلخ کا فائدہ کیا۔" میری قلمی بات پر اس کا چہرہ وار تکیا۔

"مگر کوئی وجہ بھی تو ہو اس سے تا پسند کرنے کی۔" وہ بے بسی سے بولا۔

"جو تم جانتے ہو۔" میں نے بے نیاز سے کہا کہ اپنا نظریہ چشم پر اس لڑکی پر پڑھ لیا۔

"آپ اتنی ایف واکس ہو کر بھی ایسی پسماندہ سوچ رکھتی ہیں۔" وہ ہنسنے لگا۔

"کانچ یونیورسٹی میں مشق حیات کے پتھر چلانے والی لڑکیاں مگر نہیں بسایا کرتی ہیں۔" یہ میرا تجربہ ہے۔

"میں نے کہا کہ نظریں پھر سے آئی پیٹہ پر جمائیں۔"

"اس نے کوئی پتھر نہیں چلایا یا! میں خود ہی اس کی محبت میں چٹا ہوا ہوں۔" وہ فوراً ہی کے وقار میں بولا۔

"میرے بچے اتھار ہی امریکی کم عظمیٰ کی ہے فطرتاً ہی تم سادہ حوزہ ہو۔ تم پر ڈور سے ڈالنا کچھ مشکل نہیں۔ بہر حال میں تمہیں ہرگز اس چالاک لڑکی کا شکار نہیں ہونے دوں گی میں تمہاری شادی اپنی پسند کی لڑکی سے کروں گی جو تمہاری طرح سادہ حوزہ اور کھرہ بسانے والی ہو۔" میں نے کھڑے لہجے میں اپنا فیصلہ سنایا۔

"مئی بیٹر! آپ ایک باڈی سے مل لیں پھر اس کے بارے میں رائے قائم کریں۔" مومن نے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ میں نے سر دھڑکنے سے اس کو دیکھا۔

"اچھا۔ اگر مل نہیں رہیں تو ایک بار اس کی

واکس ایپ کرتا ہوں۔" اس نے خائف ہو کر ایک تصویر میرے موبائل پر سنڈی۔

"تم اب پرانی لڑکی کی تصویریں سیل میں لکھو گتے ہو۔" میں نے قصداً دکھایا۔

"ارے نہیں مئی یہ ہماری بونی کے ایک فنکشن کی گروپ فوٹو ہے۔" وہ گھبرا کر وضاحت دینے لگا۔

"مومن میں ایک بات کلیئر کروں۔ شادی تو تمہاری خالص میری پسند کی لڑکی سے ہوگی۔ یہ ساری زندگی کا معاملہ ہے۔ تم لڑکے صرف اچھی شکلوں پر منحصر ہو جاتے ہو۔ جتنی بیک گراؤنڈ لڑکی کا اخلاق و کردار کچھ نہیں دیکھتے۔ میں سب دیکھ کر رکھ کر تمہاری شادی کروں گی۔ سو تم اس مئی نا ہی لڑکی کو اپنے دل سے نکال دو۔" میں نے چوتھ لہجے میں کہا کہ اس کا چہرہ ہانپا جہاں مایوسی کا اثر تھا۔

"اپنی پوری جوانی تم پر واردی ہے۔ بچے۔ اپنی باں پر بھروسہ رکھو میں تمہارے لیے ہر اچھی چیزوں کی۔" پھر میں نے نرم ہو کر کہا تو مومن نے ایک گہرا سانس بکھرا اور سر جھکا لیا۔

☆☆☆☆

میں یعنی مسز آفاق..... بہت کم مدت کی ازدواجی زندگی گزار کر یہہ ہو گئی تھی۔ آفاق میرے پیارے شوہر شادی کے تیسرے سال کینسر جیسے موذی مرض کا شکار ہو گئے۔ بد قسمتی سے اس بات کا علم تب ہوا جب یہ مرض اپنی آخری سانس لے رہا تھا۔ ڈاکٹرز نے ان کو دو ماہ کا مہمان بتایا لیکن وہ اس دنیا میں حزیہ پندرہ دن حیات رہے اور چل بسے۔ اس وقت مومن محض دو سال کا تھا۔ میری تو دنیا اندھیر ہو گئی زندگی کے تقاضوں نے زیادہ تر بچنے نہیں دیا۔ صحت کے بعد میں پھر سے اپنی ملازمت پر لگ گئی۔ شکر کا مقام یہ تھا کہ میں مقامی

پہاڑی نے بڑے ندیس نے اپنے شوہر کا گھر چھوڑا۔ والدین نے مجھے تجاویز کے تقاضات سے آگاہ کیا اور دوسرے نکاح کا ہنگامہ کر کے مجھے بھی کہہ گئے۔ اپنے بچے کو خصوصاً توجہ دینی ہے جو سوتیلے باپ کے ساتھ مل نہیں سکتی۔ ویسے بھی میں کوئی دیوہم کی عورت نہ تھی اپنے دل پر بیٹنے والی عورت تھی۔ سو والدین کا اصرار میرے ارادوں کے آگے اہم توڑ گیا اور میں نے حوصلے سے اپنی زندگی کے نئے موڑ کی ابتدا کر دی۔

میرا زندگی کا پھر دوسرا مرکز اب صرف میرا بیٹا مومن تھا۔ کائنات سے واپس آ کر میں سادہ راقوت سے رہتی۔ میں نے اس کی تربیت کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ اس کو پچھ وہ سہولت دی جو میری استطاعت سے بڑھ کر تھی۔ بدلے میں اس نے بھی مجھے مایوس نہیں کیا۔ مومن اچھائی ذہین اور تابعدار بچہ ثابت ہوا تھا۔ وہ میرا کھانا آگھیں بند کر کے کھاتا اور ہر جماعت میں پوزیشن حاصل کرتا۔ لوگ جب کہتے مسز آفاق آپ نے مشکل جیونٹ ہو کر بیٹے کی اتنی اعلا تربیت کی ہے تو میں خوشی سے پھول جاتی۔

میرا بیٹا میری کل متاع تھا۔ وہ جوانی میں بھی ہر قسم کی برائی سے دور رہا تھا۔ میں اس کی طرف سے بہت مطمئن تھی کہ ایک اس پرسکون کیفیت میں "مئی" نام کی بیاہنا نے کہاں سے کوڑ کر پھیل چھا گئی۔

وہ مومن کا بونی کا آخری سال تھا جب اس نے اپنی ایک بونی کی دوست "مئی" کا گھر سے تذکرہ کیا۔ یہ تذکرہ سرسری نہیں تھا۔ وہ بہت محبت سے اپنی کا ذکر کر رہا تھا۔ اس نے بھیرگی چلتی مجھے بتایا کہ وہ اس لڑکی کے لیے تجلیہ ہے اور اب جلد ہی اس سے شادی کرنا چاہتا ہے۔

غیر معمولی بات نہیں تھی۔ میرا بیٹا جوان تھا تو اب اس کی عمر ادھر سے میں دھستھا تھا۔ کسی کو پسند کر کے شادی کرنے کی سوچ فطری تھی۔ لیکن اس کے اصرار کی شدت نے مجھے بے چین کر دیا۔ زندگی میں جتنی بار مجھے شدید اختلافات نے آگھیرا۔ میری محبت سے کمانی ہوئی کمانی مجھے اپنے ہاتھوں سے نکلتی ہوئی محسوس ہوئی۔ ایسا نہیں تھا کہ مجھے بیٹے کی شادی نہیں کرنی پڑی تھی۔ مجھے جس اس کی محبت کی شادی نہیں کرنی تھی۔ اس کی لڑکی کے ساتھ جو اس کے دل میں پہلے سے بسی ہو۔ میں اس کی شادی خالص اپنی پسند کی لڑکی سے کرانا چاہتی تھی۔ میرا شادی خالص دل میں پہلے ہی جاسنے والی لڑکی پوری بن کر سر پر چٹھ جاتی ہے اور پوری بیٹے کے بعد لڑکی کو دل میں بسانے میں وقت لگتا ہے۔ بہر حال یہ میری ذاتی سوچ تھی۔

مومن کا اصرار اس روز سے زور پکڑتا گیا جب اس کو بھی جاب بھی لگ گئی۔ میں پہلے پہل تو اس کو قنوط بہانوں سے ناجی رہی تھی اب جب وہ اپنے بیروں پر جم گیا تو میرا ہر بہانہ توڑ دیا۔ آخر میں بھی اپنے انکار پر جمی رہی۔ جس سے وہ خائف ہو کر بار بار مجھ سے مئی کی خوبیاں بیان کرنے لگا۔ مجھے اس ان دھمکی لڑکی سے نفرت ہونے لگی۔ جس نے میرے لاڈ لے کو اپنی اذاکوں سے محاسن لیا تھا۔ میرا بس چٹا تو میں مومن سے اس لڑکی کے ساتھ رابطے کا ہر ذریعہ بھینجی۔ اس لڑکی کے گھر جا کر اس کو اتنی کھری کھری سنائی کہ وہ میرے بیٹے کے بارے میں سوچنے سے بھی پرہیز کر لیتی لیکن پھر میں مومن کے آگے جتنی پڑ جاتی۔ سو میں نے دوسرا طریقہ اپنا اور اپنے ماں والے کر کے دو فعال بنا کر میدان میں کود پڑی۔

میرا انکار قلمی حیثیت اختیار کر گیا اور مومن

جب اس نے بالکل چپ سا دل دیا۔

☆☆☆

مومن کی خاموشی میری جیت تھی۔ میں اس جیت کو پایہ تکمیل تک پہنچانا چاہتی تھی۔ مومن کے سر سے ہنی کا بھوت مزید اتارنے کے لیے میں نے اس کی شادی کرنے کا فیصلہ کیا۔ اور اپنی قرعی نکلی کہ اس کام کا ذمہ سونپا کہ وہ میرے بیٹے کے لیے اچھی بی لڑکی تلاش کرے۔ ختامیری بچپن کی ہمزاز نکلی گئی۔ میں اس پر آنکھیں بند کر کے اعتبار کیا کر رہی تھی۔ اب بھی اس کو یہ کام سونپ کر میں مطمئن ہوگئی۔

پھر تھوڑے ہی دنوں بعد جتانے مجھے ایک لڑکی کے متعلق بتایا اور بہت تعریفیں کیں تو میں اگلے ہی دن اس لڑکی کو دیکھنے ہٹا کے ساتھ گھر سے نکل پڑی۔

پوچھتا ہوں میں واقع ایک خوبصورت بنگلے کی رہائشی اس لڑکی کے والدین اور بہن بھائی سے ملاقات پر ہی میں ان کے اخلاق اور وضع واری کی قائل ہوگئی۔ پھر لڑکی جس کا نام مائیہ تھا گھر سے داخل ہوئی تو گویا روشنی سی بھری۔ حسین صورت متناسب سراپا اور دھمکے لگے میں بات کرتی مائیہ میرے دل میں اتر گئی۔

میں نے تو اسی وقت مومن اور مائیہ کو قتل سوچی آنکھ سے اٹک کر پیٹھ دیکھ لیا۔ ”کیا یہی چاند سورج کی جوڑی دکھائی دی۔“

میں نے رشتہ ڈال کر مائیہ کے والدین سے جلدیث جواب کی درخواست کی اور سچے کے دن اپنے گھر لایا۔

وہ بھی اپنی باتوں سے نیم رضامند دکھائی دے۔
واپس پر میں بہت زیادہ خوش تھی۔ مگر آخر

باندھ دے۔ مومن خاموشی سے سنا رہا اس کے لبوں پر نہ ہنس بھی تھی۔ مجھے اس کی خاموشی سے ہی حوصلہ ملتا تھا سو میں بے پروا رہی۔

☆☆☆

عید الفطر کے تیسرے روز شادی کی تاریخ طے ہوئی۔ دو مہینوں میں تیاری کے لیے دن بہت کم تھے۔ میں تقریباً روز ہی ہٹا کے ساتھ دل کشا پنک پر جاتی۔ وہیں کا عروسی جوڑا لینے کا وقت آیا تو میں نے مائیہ کو اس کی پسند سے جوڑا دلوانے کا سوچا کہ پہننا تو اس کو تھا اسی موقع پر میں نے مومن کو ساتھ لے جانا تو اس نے صاف انکار کر دیا۔

”اس نے ویسے بھی کچھ دن بعد میرے پاس آنا ہے پھر اس ملاقات کی کیا ضرورت۔“
وہ سادہ لہجے میں بولا تو میں دل مسوں کر کے رو گئی مومن اپنی شادی کے معاملات میں بہت کم دلچسپی لے رہا تھا۔ یہ بات میرے لیے پریشان کن تھی۔ پھر رمضان کا ماہ مبارک شروع ہوا تو دن رات کی روٹن ہی بدل گئی۔ کابو سے آکر میں ملازمہ کے ساتھ دل کشا پنک پر تیار کرتی گھر میں ہم دو بندے تھے لیکن مجھے شروع سے افطاری کا اہتمام کرنا اچھا لگتا تھا۔ مومن بھی بہت خوش خوراک تھا لیکن اس بار مجھ سے فرمائشیں نہیں کر رہا تھا۔

مجھے دکھ ہوا مگر پھر سوچا خود ہی ٹھیک ہو جائے گا۔

☆☆☆

آخر وہ بھی آگیا جب میری پسند کی بہو میرے گھر میں چڑھاؤں کرنے چلی آئی۔ میری خوشنمائی تھی۔ بیٹے کی تاجدار ہی پر مہرمت ہوگئی تھی میں کیسے خوش نہ ہوئی۔ سب لوگ دو لہا وہیں کی جوڑی کو کمر اور بے تھے اور میں فخر سے داد و وصول کر رہی تھی۔

ہماری جگہ رہی تھی وہ کبے خوش نہ ہوتا۔ ”خیر اس خوشی سے میرے بیٹے کی جان چھوٹی“
میرے بدل کو اٹھاتا ہوا۔

☆☆☆

مائیہ گھر میں آئی تو گویا رونق سی آگئی۔ اس نے آتے ہی گھر کا نظام سنبھال لیا۔ وہ بہت سادہ طرز اور مہذب کھڑکی تھی مومن بھی اس کی رفاقت میں مطمئن دکھائی دیتا تھا۔ میں نے مائیہ کو پہلے ان سے اپنے رعب میں رکھا تھا۔ وہ ہر بات مجھ سے پوچھ کر کرتی تھی۔ جن کا مینو میری مرضی سے ترتیب پاتا۔ اس کا کہیں آنا جانا بھی مجھ سے اجازت لے کر ہوا کرتا۔ حتیٰ کہ مائیہ کو روز سینے کے کپڑے بھی میں سلیکٹ کر کے دیتی تھی۔ مومن ان معاملات سے بالکل لاعلم رہتا۔ میں مائیہ کو بخشاؤں کا کسی اور کچھ پر اس کے آگے ہی ڈانٹ دیتی تھی وہ لا پرواہ نظر آتا۔ میں دل میں تجبی سی بات مومن کرتی اگر جو اس کی دل چڑھی دیتی۔ اس جگہ ڈانٹ لگائی تو شاید وہ برداشت نہ کر پاتا یا پھر وہ چالاک لڑکی ہی اس کو مجھ سے تنفر کر دیتی۔
اس وقت مائیہ ہر گھر کا خاموشی سے میری اچھی بری کن رہتی تھی۔

☆☆☆

ایک سال بلیک بکسٹ کے میں بیت گیا اور ماہ رمضان اپنی پرکھیں بچھا کر کرنے ایک بار پھر سے آگیا۔ مائیہ ہمارے لیے بہت خوش قسمت ثابت ہوئی تھی مومن کو ملازمت میں ترقی ملی تھی۔ میرا بھی کریم بڑھ کر انیس اسکین تک پہنچا تھا۔ اور اب تو ہمارے آنگن میں کھیلنے والا ننھا فرشتہ دنیا میں آیا ہی چاہتا تھا۔

مائیہ پچھارے دنوں سے تھی۔ میں اس کا خیال رکھنے لگی تھی۔ آخر کو وہ ہماری سہل کی اینٹ بننے

بہنوں کے لیے خوبصورت ناول

کتاب کا نام	مصنف	قیمت
قول کے ساتھ	نارنگ پوری	500/-
گدگد	نارنگ پوری	250/-
میر	ارشد علی	400/-
یوسف کا سر	ارشد علی	250/-
جس میں ہے	ارشد علی	500/-
دل میں	فریدی	350/-
ہوش کا ایک	فریدی	300/-
مادریں پہلی	آریہ پٹیل	400/-
آریہ پٹیل	آریہ پٹیل	400/-
ان کے ساتھ	میر	200/-
دوست	میر	150/-
ایرلی	میر	450/-
اک دھڑلے کا	دلک	300/-
پہلے پہلے کے	دلک	120/-
میرا پہلا چہرہ	دلک	300/-
سرمہ پزار	ارشد علی	300/-
دل کے ساتھ	آریہ پٹیل	300/-
دل کی کہانی	دلک	500/-
میرا پہلا گھر	آریہ پٹیل	180/-
پہلے سے گھر	آریہ پٹیل	180/-
میرا گھر	آریہ پٹیل	250/-
میر	آریہ پٹیل	150/-
ان کے ساتھ	دلک	350/-
دلک	دلک	300/-
دلک	دلک	400/-
آریہ پٹیل	آریہ پٹیل	400/-
پہلی	آریہ پٹیل	300/-
میرا پہلا گھر	گنہ گار	400/-

پہلے گھر کے لیے کتاب ڈاک 30 روپے
کے ساتھ
کے ساتھ
32216361

وقت میری آنکھ درداز کے کی دھڑ دھڑ سے ملتی۔ میں نے فوراً اٹھ کر بیڈروم کا دروازہ کھولا تو سامنے مومن کی گھبراہٹ صورت نظر آئی۔

”اوی وہ مانیہ کی کنڈیشن خراب ہے۔“ اس کے کہتے ہی میں نے باہر کی طرف دوڑ لگا دی مانیہ درد سے جاں بحق۔

”مومن کا ڈیڑھ لگا لو، ہاسپٹل چلنا ہے۔“

میں نے کہا تو اس نے مجھ سے چائی اٹھا کر ہونہ جیب میں اڑس لیا۔ میں نے بھی جگت میں چادر پھینکی اور مانیہ کو تھام کر گاڑی میں آ بیٹھی۔ تمام راستہ میرے لیوں پر دوھا گیا۔

ہاسپٹل جاتے ہی مانیہ کو وائٹ مٹ کر لیا گیا۔ میں اور مومن ہسپتال کے حنڈے فرش پر پڑ گئے کسی غیر کی خبر کے منتظر تھے۔

ڈیڑھ گھنٹے بعد نرس نے باہر نکل کر چاند سے پوچھے کی خوشخبری سنائی تو میں نے وہی مہنگا بچھا کر بجد و شکراد کیا پھر اس کمرے میں چلی آئی چنانچہ میری بہو اور بچے کو ششٹ کیا گیا تھا۔ اندر سے مومن کی آواز آ رہی تھی۔

”مہنی میری جان! اللہ کا لاکھ شکر ہے کہ تم اور میرا بچہ خیریت سے ہو۔ تم نہیں جانتی کہ آج میں کتنا خوش ہوں۔ اللہ نے میرے نصیب میں دنیا کی سب نعمتیں ڈال دی ہیں۔ وہ بھی جن کی میں نے تمہاری یاد دہانی میں ہی خواہ بھی نہیں کی تھی۔“

مومن جذبات سے مغلوب ہو کر بول رہا تھا۔

”بے شک اللہ بہت مہربان ہے۔ مومن تم جانتے ہو آج وہی تاریخ ہے جس دن تمہاری یونی میں پہلی طاقت ہوئی پھر اسی دن تمہارا نکاح ہوا اور اب اسی تاریخ کو تمہارا بچہ دنیا میں آیا ہے۔“

مانیہ عرف سنی نے ہنسنے سے کھلتے لہجے میں

”پاکستان میں غنا گسار کے دل پر درد کی تاریخ۔“ مومن خوشی سے بولا۔ وہ اور بھی کچھ کہتا رہا مگر میرے کان میں سامیں سامیں کرنے لگے۔ میں دھڑلے سے واپس پلٹ آئی اور برآمدے میں درگئی بیٹھ کر بیٹھنے کی پھر سوبا کی گیلری میں کولر کا بڑا در حال چیلے مومن کی طرف سے تنگی کی ایک گرد پ فنو بجوڑ دیکھی۔ تصویر اڑوم کرنے پر مانیہ کا سر اچا داسج ہوا تھا۔ میری آنکھیں دھندلا گئیں۔

”کیا ہو گیا آپ ابھی تک ادھر بیٹھی ہیں۔“ مومن کی آواز سنائی دی تو میں نے سر اٹھایا۔

”یہ سب کیا ہے مومن؟ مجھ سے اتنی بڑی بات چسپالی۔ مانیہ ہی تمہاری مہنی ہے۔“ میں نے انتہائی خشکی سے سوبا کیل اس کے سامنے کیا۔ وہ فنو دیکھ کر تھوڑا چوٹا پھر مسکرا کر میرے برابر بیٹھ گیا۔

”اوی آپ مجھ سے خفا ہیں؟“ اس نے میرے کندھے پر بازو پھیلایا۔

”اوی یقین کریں۔ میری شادی حال تھا آپ کی مرضی سے ہوئی اس رشتے کو آپ تک پہنچانے میں میرا کوئی دخل نہیں تھا۔“ وہ زور دے کر بولا تو میں نے مشکوک نظر اس پر ڈالی۔

”میں سچ کہہ رہا ہوں آپ نے حنا اتنی کے ساتھ جو لڑکی پسند کی وہ میری محبت تھی ہوگی یہ میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔ میں تو آپ سے اصرار کر کر کے ہار گیا تھا۔ ادھر مانیہ کے تواتر سے رشتے آ رہے تھے اس کو دھڑکا تھا کہ اس کے والدین کسی ایک کو اوائے کر دیں گے۔ ادھر آپ راضی نہیں ہو رہی تھیں۔ میری زندگی ایک عذاب میں گرفتار تھی۔ میں نے مانیہ کے سامنے کورٹ میرٹ کا آپشن رکھا لیکن وہ واپس لگی مجھ سے کہا جس شادی میں بیڑوں کی دعا میں ساتھ نہ ہوں وہ

لگا کر خوش نہیں رہ سکتے۔ اگر آپ کی رضا نہیں تو میں اس کو بھول جاؤں۔“ مومن کے لہجے میں سچائی کی خوشبو تھی۔ میں دل ہی دل مانیہ کی مدد سوچ کی مترف ہوئی۔

”مہنی کو بھلا دینا میرے لیے بہت مشکل تھا۔ لیکن مجھے یہ صبر کا گھونٹ بھرنا پڑا۔ خدا گواہ ہے پھر میں نے اس کو اپنے ذہن سے نکال دیا کہ دل سے نکالنا ممکن نہ تھا میں پھر اچانک ایک مجرہ ہو گیا۔ آپ اس کی تصویر لے کر میرے سامنے چلی آئیں اور اس کی تقریروں کے ٹیلے باندھ دیے۔ میں حیران رہ گیا تھا میں یوں بھی پوری ہوئی تھی۔“

”میں نے عرصہ بعد ڈاکو فون ملا یا وہ بھی اللہ کی شکر گزاری کہ جس نے ہمارا دل ممکن بنادیا تھا۔ پھر ہم نے طے کیا کہ اب ہم دونوں کو خاموش رہنا ہے آگے کے معاملات اللہ کے فضل سے خود ہی طے ہونے لگے۔ آپ بھی خوش تھیں ہم بھی خوش۔“ وہ آخر میں شرارت مسکرایا تو میرے لیوں پر بھی مسکراہٹ آ گئی۔

”بہت بڑے ایکٹر ہو مومن! پہلے دن سے ایسے ہی نیو کرتے رہے جیسے مانیہ سے نکاح مارے باندھے کر رہے ہو۔ پھر شادی کے بعد بھی بہت خوشی سے ایک سال گزار دیا اور مجھے اصل کہانی کی ہوا تک نہ لگنے دی۔“ میں نے بے اعتیاد شکوہ کیا۔

”تو اب کو بتا کر چٹا تھا کیا۔“ وہ فوراً بولا۔

”تو اب کہا مجھ سے سچ جاؤ گے۔ میں ابھی بھی تمہاری غلامی کی کروں گی۔“ میں نے مصنوعی انداز میں کہا تو وہ ہنسنے لگا۔

”نہیں اب آپ ہمیں کچھ نہیں بول سکتیں۔“ لیکن اب آپ کو خوب صورت پوچھنے کا گھنٹ مل گیا

”ارے اتنی دیر سے مجھے باتوں میں لگا کر بیٹھے ہو۔ ادھر میری بہو اور پوتا ادھر میرے انتظار میں ہوں گے۔“ میں نے جگت میں قدم روم نمبر نمین کی طرف بڑھائے تو مومن میرے پیچھے چلا آیا۔

سامنے ہی بیڈر پر مانیہ میرے صحت مند اور خوب صورت پوچھنے کو گود میں لیے بیٹھی تھی۔ میں نے آگے بڑھ کر اپنی بہو کی چٹائی پر چم لی اور اپنے پوچھنے کو گاہوں میں بھر لیا۔

میرا جو بیڑ مومن میرے ہاتھوں میں تھا۔ بیماری ایسی اسی چھوٹے سے وجود سے کئی گنا مل ہو گئی تھی۔

میں نے شاد ہو کر سوجا اور بچے کے گال پر اپنے ہونٹ رکھ دیے۔ ذہن میں تئیں یہ الفاظ گونجنے لگے تھے۔

ایک تیری چاہت ہے۔ ایک میری چاہت ہے۔

ہو گا وہی جو میری چاہت ہے۔

☆☆



ذرو موم
راحت جیبیں
قیمت - 1000 روپے
32735021 فون نمبر

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ

”محبت کی دہن، کبھی کے کہنے یا سامنے والے کی محبت کی گہرائی یا سچائی دیکھ کر نہیں ہوتی۔ یہ بس ہو جاتی ہے اجانک۔ جب ہوئے لپٹے کے تو ایک لمحہ نہیں گزرتا۔ بس ایک لمبے کوئی ایک لمبے آپ کو قید کر دیتا ہے۔ اپنا سر بٹاتا ہے اور نہ ہوتی ہو تو۔ تو نہیں ہوتی۔ صدیاں بیت جاتی ہیں، وہ شدت، وہ جذبہ، وہ تڑپ، وہ آکسوسب رازگاہ کر دیتی ہے، مٹی میں رول دیتی ہے۔ جہاں محبت نہایت مہربان ہے وہاں محبت سے زیادہ سفاک کوئی دوسری چیز دنیا میں نہیں۔ ابھی بھی وقت ہے، کچھ جاؤ، استیصال جاؤ۔ میں تم سے محبت نہیں کرتا۔ تم میرے لیے خاص نہیں ہو۔ تم وہ نہیں ہو جو مجھے ہے۔ تم میری خواہش نہیں ہو۔“ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے وہ اس کے کانوں میں پھلکا ہوا سوسے اڑیل رہا تھا۔

”محبت سے زیادہ سفاک کوئی دوسری چیز دنیا

میں نہیں۔“ وہ زرب اس کے الفاظ کو دہرا کر اسے دیکھنے لگی۔

”میں یہ نہیں کہتی کہ مجھے آپ سے محبت ہے۔ میں تو یہ نہیں کہتی کہ محبت سے کیا؟ یہ کیسے ہوتی ہے میں نہیں جانتی۔ یہ ہو جائے تو کیا ہوتا ہے میں یہ بھی نہیں جانتی۔ میں صرف اتنا جانتی ہوں کہ آپ میرے ساتھ رہو، برکت، برکت، چودہویں کے چیلنگ جانو کو تم ہمیشہ ساتھ کھڑے ہو کہ دیکھیں، برکتی بارش میں ایک ساتھ بیٹھیں۔ میں اس سے کہہ رہی ہوں تو یہی رہتے کی سادگی کو ہاتھ قائم کر کے کریں۔

سمندر کا غنڈا پانی آپ کے قدموں کو چھوتا ہوا میرے قدموں میں جذب ہو جائے، بس آپ میرے رہو، میرے ساتھ، میرے پاس۔ اور صرف میرے ہمیشہ۔“ وہ اس پٹی برکتی بارش اور خزاں کے غلغلے سے خود کو بچ کر بولی۔

”ہمیشہ کوئی چیز نہیں رہتی۔“ ایک اور گھٹل کر رہا۔

”محبت ہو جائے تو اس کو روکا کیسے جاتا ہے، میں نہیں جانتی۔ سوائے اس کے کہ میں نے محبت کی وہ ”وائٹ لائن“ کراس کر دی ہے جس کے بعد سوائے آگے بڑھنے کے اور کوئی اپنا نہیں ہوتا۔ میں فقط اتنا جانتی ہوں کہ آپ میرے لیے خاص ہیں۔ آپ وہ ہو جو مجھے چاہے، آپ وہ ہو جس کی



پیارے بچوں کے لئے چھوٹی چھوٹی کہانیاں



بچوں کے مشہور مصنف

محمود خاور

کی لکھی ہوئی بہترین کہانیاں
پر مشتمل ایک ایسی خوبصورت کتاب ہے
آپ اپنے بچوں کو تھکا دینا چاہیں گے۔

ہر کتاب کے ساتھ 1 ماسک مفت

قیمت 300/- روپے
ڈاکٹرغ 50/- روپے

بذریعہ ڈاک منگوانے کے لئے
مکتبہ عمران ڈائجسٹ

37 اردو بازار کراچی فون: 32216361

ہوں گی۔" عفاف نے صاف دامن چھایا۔
"رہنے دو، مجھے پتا تھا تم نے آنا ہی نہیں ہے،
اب یہاں سے بھاؤ۔" عروش نے دھڑکنے لگی ہاتھوں سے
"اب ذرا سے نہیں کرو، اوکھل جاؤں گی۔"
لیکن پانچ بجے نہیں، تھوڑا لیٹ ہو جاؤں گی۔"
عفاف نے یک لخت ہی ہتھیار ڈال دیے تھے۔
"تم لاتوں والی بھوت ہو، ڈراموں کے بغیر
باتی کہاں ہو۔" عروش سخر سے اعزاز میں بولی تو
عفاف اس کو غور کر رہی۔
"تو کس کی تو کہیں۔"
"تم تو تو کہیں۔" پھر ڈیبا بند کر لیں گے۔"
عروش جانتی تھی کہ اب کھانے پینے کے خلف کی
بات کیے گئے ہیں۔ اس لیے اس کی بات کاٹ کر ابلڑ
اعزاز میں بولی تو عفاف ہنسنے لگی۔
☆☆☆

"معنی ادا از نات فیر۔ میں نے لالہ جی
کو بھیج دیا۔" عفاف نے لالہ جی کو دیکھ کر
کہا۔ عروش کا مخصوص نرم دھما لہجہ اس کی
نمازت سے گلیا۔
"رہیں سو رہی عروش بائیں بھٹے کی کوشش کرو۔
میں کل آ جاؤں گی ناں۔" عروش کے اسرار پر وہ
قد رہے انکھٹ بھرے لہجے میں بولی حالانکہ کہتا
چاہتی تھی۔
"عروش میری مصروفیت سے بھی تو تم انجان
نہیں ہو ناں۔" لیکن وہ دو ٹوک لہجے کو بڑھتے سے
بیشا بہت تابرتی تھی۔ اس لیے بھی وہ اپنے لہجے کو
نئی لٹکان ڈال رکھے کی کوشش میں تھی۔ عفاف
"مول وہ اپنا وعدہ پورا نہ کر سکی تھی۔ عروش مسلسل
انتظار سے تنگ آ کر اس کو کال کر رہی تھی اور اب اس
نے آنے پر اس سے غفا۔
"بائیں ایسے تھا نہ ہو۔ تم جانتی ہو کہ میں وعدہ
کروں تو پورا کرتی ہوں، آج میری طبیعت ٹھیک

تو بات ہے ناں۔" یاسینا کرنام مجھے چھوڑ کر وہاں
آ جانا۔"
"تم پاگل ہو گئی ہو کیا؟ کیا تم دوسری جگہ میں
جاری ہو جو میں چھوڑ کر نکلتا وہاں آ جاؤں گی۔
یہ لندن کا ٹرپ ہے میڈم اسات سمندر پر اور ساتھ،
سٹر چار روپے کیا میں ایسے ہی ضائع کروں۔"
عفاف نے معنوی نگلی سے اس کی طرف دیکھا۔
"مجبب میت ہے تمہاری، میری خاطر اسٹے سے
روپے نہیں خرچ کر سکتی۔" عروش منہ بسور کر بولی۔
"خرچ کر سکتی ہوں، ضائع نہیں۔ ویسے چند
کمپر ایسے ہیں کہ میں اس سال یو کے نہیں جاسکتی۔
گھر نہ کرو، لالہ جی سے میں بات کروں گی۔" دوسرے
پہل اس نے جیسے بات ختم کر دی تھی۔
"تم... تم طوی لالہ جی سے؟ میرے لالہ جی
سے؟" عفاف نے بات ہی اس کی کہ عروش کا
چمک جانا لازمی تھا۔
"ہاں۔" کیوں نہیں۔ کیا میں نہیں مل
سکتی اس سے؟" عفاف موضوع بدلنے لگی۔
سوچے بچے بول رہی تھی اور اب بچہ بڑھ رہی تھی۔
"کیوں نہیں مل سکتی، ضرور مل سکتی ہو۔ میں تو
چاہتی تھی؟ چاہتی ہوں کہ تم طوی لالہ جی سے۔ وہ بہت
بہت اچھے ہیں لیکن تم ہی ہمیشہ کی تیرا اگر کر رہا جانی
ہو۔" عروش بے اہتیا خوش ہو رہی تھی، کتنے عرصے
سے وہ عفاف اور لالہ جی کی ملاقات کروانا چاہ رہی
تھی لیکن عفاف کی طرف سے ہمیشہ انتہائی سیاٹ
روٹھ اس کی سارے شوٹی کوریز در پر نہ کر دیتا تھا۔
"میری مصروفیت کا تمہیں اندازہ تو ہے نا۔"
عفاف نے سنجیدگی سے کہا تو عروش نے انہماک میں
سر ہلایا۔
"پھر شکایت کیسی؟" عفاف نے نظر اٹھا کر
اسے دیکھا۔
"اچھا یا راما عفاف کرو۔ تو کل شام پانچ بجے
"میں نہیں جانتی۔" تمہارا بیشتر ہوگا۔" عروش شاہانہ

لے میں پراس ہو سکتی ہوں۔" عفاف جیسے
ہوئے بولی۔
"تم سوچ لو، اگر تم یو کے جانا جاتی ہو، اگر تم
جاتی ہو کہ لالہ جی مان جائیں تو میں تمہارے لیے
یہ کر سکتی ہوں۔" عروش کو سوچتے دیکھ کر عفاف پھر
بولی۔
"اس کے پیچھے میرا کوئی ذاتی مفاد نہیں ہے،
پارنٹر شپ کی بات اس لیے کی ہے کہ میں جانتی ہوں
کہ تم ایسے ہی ذمہ داری مجھے نہیں دو گی۔" عروش کو
مسکمل سوچ میں ختم دیکھتے ہوئے عفاف نے اپنا
دفاع کرنا ضروری سمجھا۔
"نہیں۔ نہیں مجھے تمہاری غلطی نیت پر کوئی
شک نہیں ہے۔ تم پر مکمل بھروسہ بھی ہے۔ پارنٹر شپ
کیا میں پورا اسٹی ٹیوٹ تمہارے نام کرنے کو تیار
ہوں۔" عروش کے لہجے میں اس کے غلطوں کی سچائی
عیاں تھی۔ عفاف نے مسکرا کر اس کو دیکھا اور اس
کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔
"تو ناں پھر بے فکر ہو کر فارم جمع کر دو اور
پینکٹ اسٹارٹ کرو۔" عفاف نے کٹی آ میز لہجے
میں کہا۔
"ہاں، لیکن اصل مسئلہ تو ابھی وہاں کا وہاں
ہے ناں۔" عروش ہاتھ چمڑا کر ہنسنے لگی۔
"کون سا مسئلہ؟" عفاف نے اس کے اوجھن
سے لرز، جھنجھیرے چہرے کو دیکھا۔
"لالہ جی؟" عروش لالچاری سے بولی تو
عفاف کے چہرے پر مسکراہٹ چمک نکلی۔
"سوچتے ہیں ناں کچھ۔" عفاف قدرے
سنجیدگی سے بولی۔
"کیا تم بھی یو کے چل سکتی ہو؟ تمہارا ساتھ ہو
تو لالہ جی آسانی سے مان جائیں گے۔" دوسرے
پہل عروش نے عفاف سے کہا۔
"نہیں پارا میں کیسے جاسکتی ہوں۔" عفاف
نے صاف انکار کر دیا۔

ہونے کے باوجود وہ اس کے بہانے پر یقین نہیں کر رہی تھی۔ عفاف نہیں دیتی۔

”پاک!..... کل پکا آؤ گی۔“ عفاف نے ایک بار پھر دہرہ لگایا۔

”کل کی کل دیکھیں گے، آج لالہ جی سے کیا بولوں۔“ عروش کو اب لالہ جی کے فیصلے تیروں کی پریشانی ہو رہی تھی۔ عروش کا یہی ڈر اور خوف ہی عفاف کو کھڑے آنے پر مجبور کر رہا تھا۔

”بول دو، میں مصروف ہو گئی ہوں اس لیے آج آنے سے معذرت کی ہے اور کل آنے کو کہا ہے۔“ عفاف اس کو بتانے کی لیکن درحقیقت وہ بھی لالہ کے شے سے خوف زدہ تھی۔

”اگر تو کل ملاقات ہو گئی پھر.....“ عروش نے گہرا سانس لے کر کہا اور فون بند کر دیا۔

عفاف کتنی ہی دیر بیٹھی نہانے کیا سوچتی رہی لیکن اپنی سوچوں کا کوئی سر اس کے ہاتھ نہ آیا۔

☆☆☆☆

”لالہ! میں آ جاؤں۔“ مبین نیازی اسٹڈی روم میں بیک شایٹ کے پاس کھڑے کسی کتاب کو تلاش کر رہے تھے کہ کبلی ہی دنگ کے بعد وہ اندر جمنا تک کران سے اجازت لینے لگی۔

”ہاں آ جاؤ۔“ وہ ایک کتاب کو اٹھائے کھڑے تھے لیکن شاید یہ ان کی مظلوم کتاب نہ تھی۔

واپس دیکھ کر پلٹ کر اسے دیکھا اور ستر کر اجازت دی۔

”خیر ہے؟“ مبین نیازی بیک شایٹ سے بہت کراہ اپنی روگ چیز کی طرف بڑھے تھے لیکن وہاں پہنچ کر کھڑی تھی۔

”کیا لالہ! وہ آپ سے معذرت کرنی تھی۔“ عروش مدھم آواز میں بولی ان کو چٹکا گئی۔

”معذرت؟“ وہ یقیناً نہیں سمجھے تھے۔

”لالہ! وہ میری دوست ہے، ہاں عفاف! آپ

کراہ بولی، اس لیے میں آئی۔“ عروش نے سر جھکا کر بتایا۔

”کیا ہوا اس کی طبیعت کو؟“ مبین نیازی کے سوال نے عروش کو چڑھایا۔

”یہ تو میں نے نہیں پوچھا۔“ عروش صاف گوئی سے بولی۔

”ہمم..... اچھا تم جاکر اس سے پوچھو اور معذرت کی ضرورت نہیں ہے، وہ اگر آتی جب بھی شاید میں ملاقات نہ کر پاتا، مجھے نہیں جانا ہے۔“ حسب عادت مبین کا سنجیدہ دو سہا لیبہ اس کو نشیٹا گیا۔

”پھر تو اچھا ہی ہوا، عفاف نہیں آئی خواہ مخواہ لالہ جی کی وجہ سے اس کے سامنے شرمندہ ہونا پڑا۔“ عروش نے ان کے مصروف انداز کو دیکھ کر دل میں عفاف کے نہ آنے پر غصہ کر دیا۔

”لالہ! آپ کھانا ابھی کھائیں گے یا واپس آ کر؟“ عروش جاتے جاتے پوچھتی تھی۔

”میں بڑس ڈنر پر جا رہی ہوں، کھانا کھا کھالیتا۔“ مبین نیازی نے اپنی نظر اس پر ڈالی اور بولے۔

”ٹھیک ہے لالہ! اللہ تمہارا۔“ عروش نے اثبات میں سر ہلایا اور باہر کی جانب بڑھ گئی۔

”سنو عروش!“ دوسرے بل مبین کی آواز پر وہ رک گئی، پلٹ کر دیکھا تو وہ اپنا موبائل ہاتھ میں پکڑے کھڑے تھے۔ عروش نے سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھا تھا۔

”جب کوئی اپنی طبیعت کی خرابی کا بتاتا ہے تو یہ ہمارا اخلاقی فرض ہوتا ہے کہ ہم عادت کریں۔“ مبین نیازی نے عروش کو دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

”ہج..... جی لالہ۔“ عفاف کے آنے پر خفا تھی اس سے، اس نے نہیں پوچھا۔“ عروش نے بے حد حیرت سے لالہ جی کو دیکھا تھا۔

”ناراضی اپنی جگہ اور خیال رکھنا اپنی جگہ۔“

”جیتا جاتا ہے۔“ مبین نے کہا تو عروش نے سبب نظر سے دیکھا اور پھر کتابوں کی الماری کی طرف بھاگ گئے اور عروش سوالوں کا انبار لے لے اسٹیڈی روم کے باہر نکل گئی۔

☆☆☆☆

”بابا! سب خیر ہے ہوگی، آپ جانتے تو ہیں ان کی عادت ہے پریشان کرنے کی۔“ مسلسل انکار اسن ندیم کے لیے اس قدر کراں ضرور رہا تھا کہ اب وہ شدید پریشان کا کھڑا ہو گئے تھے۔ اب وہ ان کے پاس پریشان کو کھلی دے رہا تھا۔

”ہاں عادت ہے، لیکن یہ عادت اب میری سانس تک کرنے لگی ہے۔“ اسن ندیم انتہائی مضطرب دکھائی دے رہے تھے۔

”بابا جان! پیٹر ایسی باتیں تو نہ کریں۔ میں آپ کے ساتھ ہوں۔“ وہ ان کا ہاتھ پکڑ کر ان کو کھلی دے رہا تھا۔

”بابا! اب یہ بی بی ادا! وہ آپ کے غلوں و محبت کی قدر نہ کرے تو اس تکلف کا اندازہ لگنا مشکل ہوتا ہے، یہ روز وہی سمجھ سکتا ہے جو اس کو برداشت کر رہا ہوتا ہے۔“ وہ انتہائی یاسیت آ میر لہجے میں بولے تو وہ بے چارہ کھڑو گیا۔

”بابا جان! حوصلہ کریں، کوشش کرتا ہوں میں کہ رابطہ ہو سکے۔“ وہ موبائل نکال کر ایک نمبر ڈائل کرنے لگا۔ مسلسل تیل جاری تھی لیکن کوئی جواب نہ ہوا۔

”موبائل نہ ہو رہا تھا۔“ وہ شاید مصروف ہیں، اس لیے کال ریسیو نہیں کی۔“ اس نے موبائل واپس پاکٹ میں ڈالنے سے انکار کیا۔

”اس کی مصروفیت تو محض ایک بہانہ ہے۔“ اسن ندیم نے یاسیت آ میر انداز میں کہا۔

”بابا جان! اگر آپ کبھی تو..... ایک منٹ، واپس کال ایک آگئی۔“ وہ کچھ کہنے لگا تھا کہ موبائل سکرین پر جھگکا تا وہ اس کے اندر غمینانہ

موبائل کان سے لگا لگا۔

”ہمم آپ سے بہت بہت ناراض ہیں۔“ دوسری طرف سے بول کرے ہی وہ بولا۔

”کیوں کیا ہوا؟“ جتنا دوسرے ناراضی کا اظہار کیا کیا تھا، اتنا ہی دوسری طرف سکون تھا۔

”آج دوپہر کے بعد آپ سے رابطہ ممکن ہوا ہے، بابا جان! بہت یاد کر رہے ہیں آپ کو۔“ اس نے اسن ندیم کی طرف دیکھا تھا۔

”ہاں، جانتی ہوں۔ بابا جان کو میں بھی یاد کر رہی تھی جس کچھ مصروف رہی جس کی وجہ سے رابطہ نہیں کر سکی۔“ انتہائی مکمل مزاحی کا مظاہرہ کیا گیا تھا۔

”جینا! واپس آ جاؤ۔“ اپنے بابا جان کے پاس لوٹ آؤ۔“ دوسرے بل اسن ندیم نے اس کے ہاتھ سے موبائل لے لیا تھا۔

”بابا جان! کیسے ہیں آپ؟“ بہت کوشش کے باوجود بھی اس نے لہجہ بیگ کیا تھا۔

”میں ٹھیک ہوں جینا! تمہاری بہت یاد آتی ہے۔“ وہ پھر کچھ نہیں بولے۔

”مئی کیسی ہیں بابا جان؟“ وہ ان کی دوسری بات کو رد کر کے بولی۔

”ادھر سب خیر ہے جینا! لیکن تمہارے بنا سب ادھر سے ہیں۔“ اسن ندیم پھر بولے۔

”بابا جان! کوئی کسی کے بغیر ادھر کہاں ہوتا ہے۔“ وہ گہری چیخ کی سے بولی۔

”جینا! جو لوگ ہماری زندگی کا حصہ ہوتے ہیں ان کی دوری ایک غلا پیٹا کر دیتی ہے، جو بلا پر نظر تو نہیں آتا لیکن ہمارے لیے چوکے لگا رہتا ہے، کھال کرتا رہتا ہے۔“ اسن ندیم پھر بولے۔

”بابا جان!“ وہ اس سے آگے کچھ نہ کہہ پائی۔

”جاب کیسی جاری ہے؟“ اسن ندیم نے موضوع بدل دیا۔

ہاں، اس کا کو اندازہ ہے۔ وہ بچے سے فس کر اس کو پھینک رہے تھے۔
 ”دو برس پایا جان کچھ میٹنگز میں ابھی رہی تو اس لیے زیادہ اون گنگ سے کال کرنے میں۔“
 ”تجھے ہی دن کر رکھے، اپنی تصویر پر بھی نہیں سمجھیں۔ تو میں دیکھنے کے بدلے دل چاہ رہا تھا۔“ وہ وہیں سے فٹے تھے۔
 ”پاپا جان! ابھی کچھ دن پہلے ہی تو سمجھی تھیں، اپنی ساری تصویروں کا کیا کریں گے؟“ وہ حیران ہی تو ہو گئی تھی۔
 ”خیر نہیں آتی تو کیا آپ تصویروں پر بھی پابندی لگا دو؟“ اسن ندیم برو فٹے گئے تھے۔
 ”نہیں پایا جان! پابندی تو نہیں ہے۔ اچھا میں بھیج دوں گی لیکن پھر یہ کہہنا کہ کمزور ہوئی ہو۔“ اس نے پہلے ہی وارن کر دیا تھا۔
 ”جس کیوں گا لیکن اگر کمزور لگی تو ڈانٹوں گا ضرور۔“ اسن ندیم نے پہلے ہی اسے آگاہ کر دیا تھا۔
 ”پاپا جان آپ بھی ناں۔“ وہ دھمکے سے مسکرائی گی۔
 ”آئی پلیز! اب اپنی کس بھیج دینا ورنہ پایا جان مجھے بہت تنگ کریں گے۔“ اس سے پہلے کہ اسن ندیم کچھ کہتے ہی ان کے ہاتھ سے موبائل لے لیا۔
 ”ہاں جلدی بھیج دوں گی۔“ وہ مسکراتے لہجے میں بولی۔
 ”اور پایا جان کو بھی ذرا سمجھا دو کہ فیشن ذرا کم لیا کریں۔ میری تو کوئی اہمیت ہی نہیں رہی۔“ وہ نروٹھے لہجے میں اس سے بولا اور تنکسین نظروں سے اسن ندیم کو دیکھا جو مسکراتے تھے۔ اچانک ہی ان کے چہرے پر ایک اکتھباتان جھٹکتا دکھائی دیا۔
 ”جیسے ہو سکتا ہے کہ تمہاری کوئی اہمیت نہ ہو۔“ اس کے پہلے اور فیشن اندازہ نے اس کو مٹھتے

اُنی آیا آپ ہی ان کے سہارا ہو کر اوس
کے کوئی ایسی نئی صفی صورت نہیں جو اس نچڑ کو
اسا سہارا بن سکے۔ ”وہ سحرانہ انداز میں بولن
پونچھا گیا۔ اس نے غم کا دمک ہوتا ہوا قبضہ بھی اس
صاف سے مگر پایا تھا۔

”خیر توبہ ہے ناں، آج سہاروں کی کیوں
رست چڑھا رہی ہے؟“ وہ مسکراتے ہوئے اس
کو پوچھنے لگی تھی۔

”اُنی جان! بندہ بڑبڑہوں، دل و جذبات بھی
ہوں اور سہاروں کی ضرورت تو سب کو ہوتی
ہے۔ اب ہر کوئی آپ کی طرح بہار تو نہیں دیتا
جو اسٹیج پر ہماری زندگی کا جوہر بن گیا تھا کبھی کسی
پر ہے۔“ ”ہری آن کیلی ہا اس سے ایسے بات
ہا تھا۔ ایک دم اس نے اپنا ہونٹ داٹوں تلے
راہنے آپ کو پوچھنے کیسے سے باز رکھا۔
”بیٹو۔۔۔“ کتنی ہی دیر تک وہ کچھ نہ بولی تو
اس کی لمبی ہیلوں سے اس کو چوڑھ لیا۔

”ہاں۔۔۔ سن رہی ہوں۔۔۔ وہ چمک کر
اس کے کہنے لگی۔

”تو نے کوئی نظر میں، جو آپ کی بھیجی بننے کے
ہو۔“ وہ اُنکی تنگ اس موضوع پر بات کر رہا تھا۔
”میں تو بہت ساری ختم تاؤں تمہیں کسی لڑکی
کی؟“ ایک دم ہی وہ سنجیدگی کے حصار کو توڑ کر
پوچھنے لگی۔

”اُنی! لڑکی ایسی ہو کہ جس کو دیکھتے ہی
اس طرف گھٹنیاں ہی بن جائیں، نظر غم پر جائے،
جیز لے جائیں، دھڑکنیں بھگدڑ چٹاویں
۔۔۔ گھٹنیاں دو والی جو مندر میں جکتی ہیں یا۔۔۔ کوئی
ہیں۔“ اس سے پہلے کہ عدی مزید کوئی کوہر
کشی کرتا اس نے ہاتھ جھٹکا پتے ہوئے اس کی
کاکٹ کر دریا پافت کیا۔

”اے اُنی! گھٹنیاں تو گھٹنیاں ہوتی ہیں

"اور دھڑکنوں کی جھلک دیکھ کر تو ذرا مضاحمت
دے۔ دھڑکنیں ہیں یا مال موٹی۔" وہ بھی مکمل
حق کے موڈ میں تھی۔

"بابا!—دھڑکنیں بال موٹیں ہی تو ہوتی ہیں
—عدی نے اس کی بات کو گھر پر اُتار لیا۔"

"بیرو، آئی کی مان۔" اس سے پہلے وہ کچھ
بقی تو زوردار ٹھک ٹھک کے بعد عرشہ کر کے میں
بٹھ لی ہوئی۔

"والو بچی گھنٹیاں..... یہ کون ہے؟ اتنی کلک
آواز والی؟" اس سے پہلے کہ عفاف کچھ کہتی عدی
سرخ آواز اس کی ساعت سے بھر گئی۔

"دوست ناک ریش، میری دوست ہے
ش! اس عرشہ کم ان۔" اس کو بتاتے ہوئے
عاف نے اسے بھی دیکر کیا۔

"مجھے عدی بابا اور کسی کا خیال رکھنا، میں پھر
اپنے کاموں کی..." دوسرے چل دو عدی سے بھی
ذانت لینے لگی۔

"خیال تو رکھوں گا ان لوگوں کا لیکن ایک شرط
... دوسرے مجھے عدی کی بات نہ اس کو حیران
دے۔"

"یہ آواز ان دل کی دھڑکن کو چاہیے گی ہے، کیا
تیرا خیال رکھنے کی ذمہ داری وی چاہ سکتی ہے؟"
اس کی شرارت بھری آواز نے اسے چونکا دیا۔

"کہاں کر دو۔"

"بابا!..... اللہ حافظ۔" بے ساختہ قہقہے کے
عدی نے فون بند کر دیا تو عفاف نے ایک لذت
کش دل یکساں جو صوفے پر بیٹھی اس سے دیکھ رہی تھی۔
"کیا ہوا؟ ایسے دیکھ رہی ہو؟" وہ سوچا کہ
صرف طرف رکھ کر اس کی طرف بڑھتی تو اس کی نگاہ
پوری نظر اس پر بیٹھا تھا،

"آج سے پہلے میں نے تمہیں کبھی اسے نہیں

میں؟“ عروش کا بچہ سرسری تھا مین اٹھا کر سر اس پر
تجسس سے مبرا تھا۔
”اے بھائی اور بابا جان سے۔“ وہ دھیرے
سے مسکرا کر اس کے ساتھ والے صوف پر بیٹھ گئی۔
”بھائی سے۔“ کون؟ کیا مطلب؟“ عروش
حیران ہو رہی تھی۔
”بابا، عدی، میرا بھائی۔“ عفاف نے
اس کی طرف دیکھ کر کہا۔
”توئی عجیب بات ہے نا۔“ عروش خلاف
معمول کچھ کم سمجھتی تھی۔
”کون سی بات عجیب ہے؟“ عفاف نے
گہری نظر سے عروش کی طرف دیکھا تھا۔
”ہاں، دو تہی کو توافقت گزار کر ان کے ساتھ
ساتھ ایک ہی کتاب کی طرح ہوں۔ میری زندگی کا
ہر رنگ تمہاری نظروں کے سامنے ہے۔“ عروش اس
کی طرف دیکھ کر قدرے سنجیدگی سے گویا ہوئی تو
عفاف نے اس کا ہاتھ چڑھایا۔
”اور تمہاری زندگی کے کسی رنگ کی ذرا سی
جھلک بھی میں نہیں دیکھ سکتی۔ اسے سال ہو گئے اور
بچہ پر آج یہ راز کھلا ہے کہ تمہارا بھائی بھی ہے۔“
عروش اس نے اپنے اس کے آفس آئی سی، لیکن اس
کے کل بیان میں بیشن آنے پر ابھی تک اس سے
راز نہ نکلا۔
”کیا ہوا؟ یہ تو کوئی راز نہیں ہے۔“ عفاف
نرم لہجے میں بولی۔
”میں میں پھر بھی ایمان ہوں۔“ عروش نے
حتیٰر نظروں سے عفاف کو دیکھا۔
”میری اس سے بہت کم بات ہوتی ہے، اس
لیے کبھی تو کبھی نہیں ہوا۔“ عفاف نے لا پروائی برتی
لیکن عروش مسلسل ایک جھنک کا شکار تھی۔
”خیر چھوڑو، یہ بات آؤ نہ تو کہیں پڑی ناں۔“
عفاف نے موضوع بدل کر بحث اس پر لا دیا۔
”نہیں، خیر کچھ تم نہیں جانتے نا۔“ عروش

کہا۔
 ”مئی! کیسی ہیں آپ؟“ وہ بے اختیار ان کو
 پکار کر پوچھنے لگی۔
 ”مجھے وہ اب سے منہ دیکھنے کی“ کیسی ہیں
 آپ۔“ ”میں نے ممنوعی بنارس کا اکبرار کو وہ
 کھٹکھٹا کر بٹھنے لگی۔
 ”مئی! آپ کا یہ انداز، یہ پیار بہت یاد آتا
 ہے۔“ وہ ہانپی ہوئی دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔
 ”تم یوں ہی جتنی سکرائی رہو، قصیدوں میں
 بہت پیاری لکھی ہیں۔“ ”دوسرے لمحے میں نے منہ
 مچھڑے ہوئے کہا۔
 ”شکر ہے! اچھا اب اپنا خیال رکھنا، پھر بات
 ہوگی۔“ ”میں سے پیچھے چھاؤ اور میری مذاق کے بعد
 اب دو ٹون بگڑ رہی تھی۔
 ”اچھا شکریہ، اپنا خیال رکھا کرو اور ذرا جلد
 کال کر لیا کرو، ٹھکر رہتی ہے۔“ ”میں نے اجازت
 دیتے ہوئے کہا۔

[illegible]

”جیلز کو فراہم ہین۔“ اس کی موجودگی آپ اس کو جیلز کرنے لگی۔“

”اس کی مسکراتی آنکھوں میں اس کو مزید جانے کی شرارت واضح تھی۔ اس نے اپنی آنکھوں سے اسے دیکھا اور جی ہوئی اس سے اچھے خاصے واسطے پر ہوئی۔“

”آپ کی اس بے انتہائی جی بہر جان سکنا اور نا۔“ وہ ٹھیک وہاں کے قریب آ کر اتر ا تھا۔

”کوئی خاص چیز نہیں، بس مجھے آپ پسند نہیں۔ اس لیے جیلز میرے پیچھے مت آنا کریں۔“

وہ آپ کی پار انتہائی جلد کے باوجود روکے لچھے میں ہوئی۔

”وہی تو پوچھ رہا ہوں ناں میڈم جی، لی اکہ آپ کی اس ناپسندیدگی کی وجہ کیا ہے۔“ وہ غلطی اس کی کو بخیریدگی سے نہ لے رہا تھا۔

”میں نے آپ کو مجھے دل کھنے کی اجازت نہیں دی ہے، سو میں پوچھنا غلط رائیڈ ہو۔“ آپ نے اسے دیکھا اور اپنا کراس سے غلاب کی اس نے گہری آنکھ سے اسے دیکھا اور اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتا ہو اسے آئی ایک گاڑی اس کے قریب رک گئی، وہ اس میں بیٹھ گئی۔ اس نے ڈرائیور کو بہت بات چیت کی نظر سے دیکھا تھا، اندر بیٹھا تھا اس کے ہونٹوں کو مسکراتے ہوئے دیکھا گیا ایک آدھری اس کا اساطیل تھا، وہ گاڑی آنکھوں سے اوجھل ہو گئی، اس نے اس کے گہرے اساطیل اور وہاں سے مت گیا تھا۔

”یو آف فیکشن سنس لیٹ۔“ گاڑی میں بیٹھے وہ ابھی۔

”فر ٹیک اور دو روک کی وجہ سے لیٹ ہو گیا، ڈاؤن وری چھوڑ سنٹ ایکسٹرا لاکس گے۔“ ”ہم مسکراہٹ کے ساتھ مانی سے اسے دیکھا تھا۔“

”ک ایک ایٹ می، کیا میں واقعی بہت خوب صورت ہوں؟“ اس نے مانی کی طرف رخ موز کر

[illegible]

کہیں روڈ کو جو ان کی سڑکوں۔ دل آویز اس کو دلچسپ کرنا چاہتا ہے چار کی ہے ہوئی۔
 "تم خواہ مخواہ پیشکش سے رہی ہو، ڈرائیونگ اتنی مشکل نہیں ہے۔ اگر آپ اس سڑک میں چلا سکتے ہو تو میں روڈ کو جان کر باطلی مشکل نہیں ہوتا۔ صرف خود اعتمادی کی ضرورت ہوتی ہے۔" مانی نے اپنے مخصوص انداز میں اس کی حوصلہ افزائی کی۔
 "لیکن۔۔۔" وہ ابھی تک مذہب کا شکار تھی۔
 "ایک اسٹرنک کو پتا ہوتا ہے کہ جس کو وہ ڈرائیونگ سکھا رہا ہے، وہ دھتکتا دیکھ جائے اور اپنے اسٹوڈنٹ پر اعتماد ہوتا ہے۔" مانی مسلسل اس کا حوصلہ بڑھا رہا تھا۔

"ہاں، لیکن آپ کو پتا سب سے پتا ہے ناں، اور جب ایک چیز کا پتا ہو تو پھر وہ مشکل نہیں لگتی لیکن مجھے ڈرائیونگ کی بالکل سمجھ میں نہیں آ رہی ہے۔
 "صرف پیشکش، پیشکش پر پیش کر دو گی اور ریٹیکس رہو گی، اتنی ہی جلدی ڈرائیونگ کی سمجھ کر آئے گی۔ تم نے صرف اس کو اپنے اوپر سوار کر رکھا ہے، تم کر سکتی ہو، کوئی اتنی مشکل نہیں ہے۔" وہ مشکل اس کا حوصلہ بڑھا رہا تھا۔

"کیا نام آج کا لیسن بھی صرف اسٹرنٹ میں کر سکتے ہیں۔" وہ اس کی طرف دیکھ کر اس سے پوچھنے سے زیادہ اس کو بتا رہی تھی۔
 "وہ معمولی آویز اسٹرنک میں ہوں اور یہ میں طے کرتا ہوں کہ ڈرائیونگ سکھانے کے لیے میں نے کون سا روٹ پر چنا ہے۔" مانی نے شہید کی سے کہا تو وہ بے چارہ کر گئی۔

"مانی ڈرائیونگ سکھانے کے لیے پچھلے دس سال سے ڈرائیونگ سکھانے کے لیے ایک دودھ اور پھر ہوا تھا۔" مانی نے اس کا اونٹن کا اونٹن چاہتے سال میں اس کی شخصیت میں جو گھٹا ہوا تھا، وہ اپنی مثال آپ تھا۔ نہایت دلچسپ اور باعصب شخصیت والا، مانی بہت جلدی دوسروں کو اپنا اسیر کر لیتا تھا۔ اس کا اپنا

میں یہی عرصہ تھا کہ اس کی بہنیت کا ایک سبب تھا۔ پانچ چھ لیسز میں عموماً لڑکے یا لڑکیاں آتی ڈرائیونگ سکھ لیتے تھے کہ وہ خود اکیلے ڈرائیونگ کر سکیں اور پھر دس پار لیسز کے بعد میٹ کے لیے تیار ہوا جاتے تھے۔ پچھلے دن کی دوسرے میٹ میں اس کا ہاسٹوڈنٹ ڈرائیونگ اس کر لیتا تھا۔
 دل آویز اس کی وہ انوکھی اسٹوڈنٹ تھی جو ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھی ہی قہر قہار کہنے لگتی تھی۔ تین لیسز میں ابھی تک وہ کوئی ماہر نہ بن سکی تھی کہ صرف اسٹرنٹ میں سیدی ڈرائیونگ کر سکی تھی۔ آج انہوں نے تین روڈ چلا جانا تھا، مانی اس کی اڑی رنگت اور نرمی سے انداز لے انہیں روک دیا تھا۔

"اپنے آپ کا انڈرائیونگ نہیں کرنا چاہیے، تم بہت ہی ملینڈ ہو پھر میں بھی تو ساتھ ہوں ناں؟" مانی نے نرم لہجے میں کہا تو وہ اذیت میں سر ہلائی۔
 "میں مجھ پر یقین رکھو، اپنے آپ پر بھروسہ رکھو۔" ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں، ہاں بالکل ریٹیکس رہتا ہے۔" مانی نے کہا تو وہ اس کی ہدایت پر عمل کرنے لگی۔

☆☆☆

آج سے تین ہفتے پہلے تک وہ جلی نظر کی محبت کو ایک بے رونق کر داتا تھا۔

"یار یہ جو محبت کی پہری ہوتی ہے ناں اس میں بے تھا ہارڈ سے اگے ہوتے ہیں۔ قدم لگواتے ہیں، دھڑکنیں اٹھل پھٹل ہوتی ہیں۔ خام ساج جب تک سو جوتے نہ مارے محبت کا پتا کہاں چلتا ہے کہ ہوئی۔ یہ کوئی سیدی اسوجہ سڑک نہیں ہوتی جہاں کیلے کے چھلکے سے پھسل گئے اور میں فیصلہ ہو گیا کہ ہاں مجھے بس یہی محبت ہے۔" اس کا یہ فرمان تھا جو بدوقت اس کے لبوں پر رہتا تھا۔

"محبت یوں ہی چنگیوں میں کہاں ہوتی ہے پارامیٹروں سالوں کی تپا کے بعد ہی محبت کی پہچان ہو سکتی ہے۔ یہ جو پہلے، پہلے، ایک ہی نظر میں محبت کی

ہوتی ہیں جو غباری شکل و صورت کے دل دادہ ہو جاتے ہیں اور پھر چار، چھ سینے یا زائد سے تیرا دو ماہی سال۔ پھر ہی محبت کا یوں جتنا وہ اہمیت سے کہہ سکتے ہیں انہیں نہ جانتی ہے۔ ارے محبت تو وہ ہوتی ہے کہ وہاں جاتے تو جاتے لیکن محبت بھی نہ جانتے۔" وہ تنوں کی محفل میں جب جب محبت نہ جانتی تھی انہیں نیازی اپنی اسی لوہک کے ساتھ حاضر ہونا تھا۔
 وہ بارش کی شیدائی انداز اور پھر مگر کے لی بارش جس کا کوئی قانکہ نہ ہوتا تھا۔ نہ چاب سے آف کر سکتے نہ کسی اور رو میں کوئی فرق پڑتا تھا، جتنی بھی تیز بارش ہو روز میرہ کے معاملات میں رہتی تھی کوئی رکاوٹ نہ آتی تھی۔

سرریوں کی پہلی بارش میں پکڑوں کی خوشبو نہ ہو سکتی تھی، چھلکے جانا نہ پھرے ہوں۔ بارش میں آرام سے مکمل لیٹے گرم گرم جائے سے لطف اندوز نہ ہوا جائے تو کیا قانکہ لیکن بارش کا وہ دونوں کے سوا کت میں درد تھا، وہ دھتکت سے پاس جا رہا تھا، تو کتنا وہ انتہائی تیز بارش نے اس کو بددعا لیا تھا۔ ایک تو پہلی ہی رات کے درد نے اس کو بکڑا رہا تھا، وہ گاڑی میں آ کر بیٹھا اور ایک نظر باہر ادا۔ ان دنوں خزاں اپنے جوبن پر تھی، ہر طرف چلے چوں کا ڈھیر لگا تھا۔ تیز بارش اور سانے کی اگلی رات پر گاڑیوں کا جھوم۔ وہ چند لمبے تک بیٹھا یہ سارے سحر دیکھ رہا تھا، عجیب موسم تھا۔ بارش، ہوا سے لگتا جیسے وہ رشتوں کی موسیقی ہوئی شائیں، ہر طرف ایک برائی کا احساس ہوا تھا۔ اس نے جیسے ہی انہیں میں جانی گھائی اور ایک نظر دھڑا کر میں پر ادا کی کہ دم چوک گیا۔

"کیا پاگل لڑکی ہے، اتنی تیز بارش اور سردی میں پل رہی ہے۔" دھتکتا اس کی نظر ایک لڑکی پر پڑی تھی، جو پیرے ٹیلوک کوٹ پہنے تھی، ہال کھلتے تھے، وہ اس کی دیکھنے کو نظر آ رہے تھے۔ تین ہزار کی نظر میں اس پر بھی نہیں، ہر طرف پیلے،

ٹھٹھٹھ، کچے کچے بے بالوں کے ساتھ بہت نمایاں ہو کر اس کی ساری توجہ سمیٹ لیتی تھی، ایک لخت وہ رکی۔ سارے کیلے بالوں کو لینے کی، چند لمبے رکی، ادھر ادھر دیکھا اور روڈ کر اس کر کے پھر ماریٹ کو آپ میں داخل ہو گئی۔ یقیناً وہ اندر سے پھرتی ہے کہ آئے کی، تین تین نیازی کے تیز کو تیز کیا۔ وہ گاڑی کو مسودہ کر کے اپنی گھاتا اور ایک نظر کو آپ میں انٹرنس کی طرف ہزاروں دھڑکیوں کی طرف پلٹا، بھولی کی۔ وہ گاڑی اس لئے بہت سارے غباروں کے ساتھ باہر نکلی، چال میں سرشاری، انداز میں وہ جوتی، بخور انہیں، وہ غباروں کو پکڑے ایک بار پھر چلنے لگی۔ غبارے پر بارش کے قطرے پڑتے تو وہ سارے غبارے ادھر ادھر ہو جاتے اور وہ گاڑی اس دھماکے کو بھی میں دبا سے اوپر کی طرف دیکھتی تھی۔ جیسی اس کے چہرے پر حاطہ کرتی اور وہ ہر طرف سے بے نیاز قدم آگے بڑھا دیتی۔ تین نیازی کی نظریں اس پر پڑی تھیں، یوں لگ رہا تھا جیسے وہ ساکت ہو گیا تھا۔ نہیں سمجھا تو دور دور تو جیسے سانس دے کے بیٹھا اس کو دیکھے جا رہا تھا۔ یہ دھات تھے جو تین نیازی کو بکڑا رہے تھے، اس کے اندر ایک بل چل چار ہے تھے۔

ان انہوں نے تین نیازی کی ساری لایک کو برقی بارش میں بھادیا تھا۔ دونوں ہاتھ اسٹرنک وکیل پر رکھے، نظریں اس پر مرکوز کیے وہ گاڑی میں بیٹھا تھا، ایک دم ہی اس کو شہید پر بارش محسوس ہونے لگی۔ نظریں ہٹائے بغیر انہوں نے آٹو ٹیگ میں دبا کر دھڑکا پیشہ نیچے کر دیا اور تیز بارش اس کو بھی بھگونے لگی تھی۔ ایک لخت ہی اس کی بارش سے انیت بھی لوٹ آتی تھی۔ وہ دوا میں طرف سے حمل ہو گیا پکا تھا اس کی لڑکی کے ہاتھ میں ہڈ سے غبارے تیز بارش کے باعث اس کو بھٹکنے سے نہ چاہتے تھے، لیکن اس کو شاید پروا نہ تھی، نہ اپنے بھگ جانے کی، نہ سردی کی، نہ کسی کے دیکھنے کی۔ وہ یقیناً بارش کی دوا کی لڑکی تھی، خزاں کے موسم کی عاشق۔ تین

امیری اور دوسرے ہیں اس نے چند بریک بیچے ہیں اور آہستہ سے گاڑی کو سونپا۔

”ایکسیکے زنی ہم آج وراثت لٹ؟“ اگلے چند منٹوں میں اس نے گاڑی اس کے قریب روک کر پوچھا۔ اس نے دیکھا، آنکھوں میں بارش کا پانی اور حیرت ایک ساتھ ابھرے اور یمنین نیازی مدھوش ہونے لگا۔ بارش کے قطرے اس کے چہرے پر موتوں کی طرح چمک رہے تھے، دیکھی مسکراہٹ ہونوں پر بھیجی۔

”آئی ایم آل وینٹ (میں مکمل بھگ چکی ہوں)۔“ اس نے دونوں بازو پھیلا کر خود کو دیکھا تھا۔ ”ایڈ بائے دادے، دس انٹراٹ اے کیسی۔“ اس نے اس کی گاڑی کو کیسی کیسی پھینک کے تھیل سے بائیں دیکھ کر اس سے پوچھا تھا۔

”ناٹ ایٹ آل، بٹ یو کیمن پی، پی، آئی دونٹ مائنڈ (بالکل نہیں!) لیکن آپ مجھے ادا کیگی کر سکتی ہیں، میں برائیاں مانوں گا)۔“ یمنین نیازی دیکھ کر مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

”مائی بلونز (میرے خیال سے)؟“ اس نے اپنے ہاتھ میں پکڑے رنگ برنگی غباروں کی طرف دیکھا تھا۔

”دوبی ہائس، ریلیز دیم (ان کو آزاد کر دیں)۔“ یمنین نیازی نے جھک کر غباروں کو دیکھا اور پھر اس کی طرف دیکھ کر کہا۔ اس نے حیرت سے اسے دیکھا تھا، یمنین کی نظریں اس کے ہیکلے تکلفش میں جھلا چہرے پر ہی جمی تھیں، اب وہ مکمل غباروں کی طرف متوجہ تھی۔

”آئی ڈونٹ بیو انف آپس ان مائی کار۔“ یمنین اس کی کہیں بھانپ کر بھر گیا ہوا۔

”آئی جسٹ لود یو بلونز۔“ وہ چپٹی آنکھوں کو جھپک کر یمنین سے مخاطب ہوئی تھی۔ وہ ان غباروں کو چھوڑنا نہیں چاہ رہی تھی لیکن بارش نے اس کو مکمل بھگو دیا تھا اور اس پل کی کسی اور لٹ کا ماننا مشکل بھی

غباروں کو ہاتھ اٹھا کر پکڑے چھوڑ دیا تھا۔ بارش خزاں، سفید آسمان اور رنگین غباروں کا غول واہنچائی شوق سے کھڑی غباروں کی پرواز کو دیکھے جارہی تھی اور اسی شوق اور انتہاک سے یمنین کی نظریں اس کی پر بھی جمیں۔ یمنین غباروں کی افزائش سے بے خبر تھا اور وہ لڑکی اس کی نظروں سے غباروں کے نظروں سے اوجھل ہوتے ہی اس نے اپنے ہاتھ تاشا گلیا کوٹ اتار کر اس کی گاڑی کے بوٹ میں رکھا اور گاڑی میں آ کر بیٹھی گاڑی میں بیٹھنے ہی اس کو اندازہ ہوا کہ باہر کس قدر سردی ہے۔

”جھپک یو فار وائلٹ۔“ وہ اپنے بالوں کو سمیٹتے ہوئے اس کی طرف دیکھ کر بولی۔

”جھپک یو۔“ وائلٹ مسکراہٹ چہرے پر بچا کر اس نے اسے دیکھا۔ ”فار ایک جھپک وائلٹ۔“ وہ قدرے شریر لہجے میں بولا جو وہ بے ساختہ ہنسنے لگی۔

”سم فائمر وی بیو نو فرسٹ سون (موسی کی ہمیں کسی پر اعتبار کرنا چاہتا ہے)۔“ وہ بے نیازی سے بولی۔

”عشق نہ پوچھو ذاتاں۔“ یمنین نے نیازی نے سر جھکا کر اسے دیکھا تھا۔ کالے کتے ہال، گندری رنگت، گہری براؤن آنکھیں، وہ متذبذب کا فکار ہونے لگا تھا۔

”آریو؟“

”آئی ایم مسلم ایڈ فرام پاکستان۔“ یمنین نیازی کے ادھر سے سوال کو وہ بخوبی سمجھتی تھی۔ اس نے آسودگی سے اس کی طرف دیکھا اور اپنے پہلے خیال کی خودی تائید کی۔ ”خوب تر ہے کی جب بیٹھیں گے ہم مزاج دو۔“ وہ من ہی من مسکرایا تھا، ایک انجانے سے احساس نے اس کے دل کو گم کر دیا تھا۔

”یمنین نیازی! انہوں نے اپنا تعارف کر دیا۔“

”مسلم؟“ اس نے انہیں دیکھ کر پوچھا۔

”الہدھ۔“ وہ فقط اتنا ہی بولا۔

”عشق نہ پوچھو ذاتاں۔“ یمنین نے نیازی نے سر جھکا کر اسے دیکھا تھا۔ کالے کتے ہال، گندری رنگت، گہری براؤن آنکھیں، وہ متذبذب کا فکار ہونے لگا تھا۔

”آریو؟“

”آئی ایم مسلم ایڈ فرام پاکستان۔“ یمنین نیازی کے ادھر سے سوال کو وہ بخوبی سمجھتی تھی۔ اس نے آسودگی سے اس کی طرف دیکھا اور اپنے پہلے خیال کی خودی تائید کی۔ ”خوب تر ہے کی جب بیٹھیں گے ہم مزاج دو۔“ وہ من ہی من مسکرایا تھا، ایک انجانے سے احساس نے اس کے دل کو گم کر دیا تھا۔

”یمنین نیازی! انہوں نے اپنا تعارف کر دیا۔“

”مسلم؟“ اس نے انہیں دیکھ کر پوچھا۔

”الہدھ۔“ وہ فقط اتنا ہی بولا۔

”ہائس نیم۔“ وہ بے اختیار تعریف کرنے لگا۔

”ہائس ٹوٹ پیر مسز یمنین! وہ سمرانے لگی تھی۔

”سم بیہر۔“ یمنین نیازی نے اسے دیکھا جو اپنے ہاتھ کے گود میں رکھے کھینچتی تھی۔

”راست فرام رومین روڈ جائیز۔“ وہ اب اس کو اپنا نام دینے لگی تھی۔ یمنین ناموشی سے اس کے ہاتھ سے اپنے ہاتھ کی طرف ہٹنے لگا تھا۔

اور اپنی کاپا پلٹ جانے پر بھی حیرت اس کو اس نے پوری بھی شاید ہی پہلے یا بعد میں وہ بھی اپنی حیرت سے دوچار ہوا۔

یمنین کی نظریں حیرت، پہلی ملاقات کا سرور۔ وہ بھی ان لوگوں میں شامل ہو گیا تھا جن کو کبھی وہ پاگل اور بے وقوف گردانتا تھا۔ اس کی منظر پر جبکہ پروا اپنا کوٹ اور غبارا ہاتھ میں پکڑے ان کا حشر بے ہوا کر کے گاڑی سے اتر چکی تھی لیکن یمنین نیازی ابھی اس کے غمگین ہونے کا فکار نہ کر رہی تھی۔

☆☆☆

”عروش انٹر نیٹل انسٹی ٹیوٹ۔“ پچھلے تین سال سے عروش نیازی کی ملکیت تھا۔ انسٹی ٹیوٹ کا اصل مقصد ٹیوشن اور کمپیوٹر کلاسز تھا، انسٹی ٹیوٹ کی دیکھ بھال اور ٹیوشن پر جانے کے لیے ویل فریڈ اور قابل ایجوکیٹڈ اساتذہ کا انتظام بہترین تھا۔ عروش انسٹی ٹیوٹ کے درمیان انٹر نیٹل یوں ہی نہیں لگا دیا گیا تھا، انسٹی ٹیوٹ کا میڈیا اس ”بے کا تھا کہ انٹر نیٹل مارکیٹ کا مقابلہ کر سکتا تھا۔ اس کا ماحول اور وزٹ کے ہائی گریڈ عروش انٹر نیٹل انسٹی ٹیوٹ کو کامیابی کی بلندیوں پر لے جا رہے تھے، یہی وجہ تھی کہ شخص تین سال میں دو اب اپنی لڑکھ لہنے کی پلاننگ کر رہی تھی۔

اس سب کامیابی میں عروش کی دن رات کی محنت اور یمنین نیازی کا تعاون اور مشورے بھی شامل

اور عروش کے ساتھ دوستانہ رویے کے باوجود عروش ان سے بے تکلف نہ تھی، ہر بات کہہ لیا کرتی تھی، متوا بھی لیا کرتی تھی لیکن ایک جھگ دووں، یمنین بھائی کے درمیان ہمیشہ رہی ہے۔ یمنین نے سائز یو کے سے کیا تھا، آکسفورڈ یونیورسٹی میں ان کی ڈگری مکمل ہوتے ہی وہ وٹن اور ایس کوٹ آئے تھے اور بعد اچھی نیازی کے ساتھ برس میں گل گئے۔ سعیدہ نیازی کافی سال پہلے ایک ایک رات ایسے سوئیں کہ پھر اٹھ نہ سکیں۔ یمنین یمنین میں قیامت کا سماں تھا، جوانی کی موت اور چھوٹے چھوٹے بچوں کو بے سہارا چھوڑ کر چلے جانے پر ہر اک آنکھ اٹھارہ گی۔ وقت سب سے بڑا نرم ہوتا ہے، جو آہستہ آہستہ ہر ذم کو منسوب کر دیتا ہے، وہ کیا نہیں جواس نے جان لیا ہوتی ہیں، وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ برداشت کرنا سکھارتی ہیں۔

یمنین اور عروش بھی سنبھل گئے تھے، سفید عیب اچھی نیازی کی غلامی میں جنہوں نے یمنین یمنین کو سنبھال لیا تھا۔

دو سال پہلے یمنین ایک برس ڈبل کے سلسلے میں یو کے آئے تھے، عروش نے انسٹی ٹیوٹ کی سلیک کے لیے مزید شاپنگ کرنی تھی جو یمنین کے جاتے ہی وہ بھی یو کے چلی گئی۔ پلان کچھ یوں تھا کہ یمنین کے وطن واپس آنے سے دو ہفتے پہلے عروش یو کے جانے کی اور پھر دونوں واپس آ جا میں گے۔ جس دن دونوں نے واپس آنا تھا اسی دن عید الفتن نیازی ایک روڈ ایکٹیوٹ میں جانے سے ہاتھ جو بیٹھے، پڑوسی میں یمنین اور عروش کے لیے بے ساختہ کس قدر جاں نثابت ہوا یہ وہی بات ہے جس نے یمنین کو وہ دونوں کی شعور کی منزلیں سے گر گئے تھے اور زندگی کے بعد موت کی حقیقت سے بھی آشنا ہو چکے تھے، ہتھکڑی دونوں نے سامان بیک کیا اور متوجہ وقت پر اتر پڑ گئی کی طرف روانہ ہو گئے۔

اے پورٹ ہوئی تھی "عفاف نے دیکھا لڑکی ہے
تھا شادوے جاری ہے اور وہ لڑکا اس کو گلے دیے
جا رہا ہے۔ عفاف کے قدم خود بخود ان کی جانب
پڑے تھے۔ "اس آکر لڑکی ہوئی تو پوچھنے پر عید
القی نیاز کی نام لگائی موت کی خبر نے جان بچا کر نہ
ہونے کے باوجود اس کو بھی پریشان کر گئی تھی۔ یوں
وہ ہر وقت ان کے ساتھ رہی، عروش کو حوصلہ دینا،
اس کا خیال رکھنا، یوں عید وہ اس سے برسوں کی
شناسائی ہو۔ پھر انگریز پورٹ اور پھر آج کے غائبہ خلافت
میں اپنی خیال رکھنے کی عادت کے باعث عفاف
نے عروش کے دل میں ایک خاص مقام بنالیا تھا یوں
دونوں کی دوستی ہوئی۔ دوست وہ ہوتا ہے جو مشکل
وقت میں آپ کا ساتھ دے، سہارا بنے۔ عفاف
نے دوست نہ ہوتے ہوئے بھی ایک خاص دوست کا
حق ادا کیا تھا، پاکستان اسلام آباد انٹرنیشنل
ایئر پورٹ پر جہاز کے لینڈ کرنے تک عفاف عروش
کے ساتھ ساتھ رہی۔ ان کی دوستی کا آغاز ہو گیا تھا،
جو آج ایک مضبوط دوستی میں ڈھل چکا تھا۔

عفاف نے سہارا عروش کی ایک انٹرنیشنل
آرگنائزیشن روٹھی فاؤنڈیشن کو جو بنائی گیا تھا اور
پاکستان میں اس کی پراچھ کی باگ، دوڑی ذمہ داری
اپنے سر لی گئی۔ روٹھی فاؤنڈیشن کے لیے مسلسل چھ
سات مہینے کی تک وہ دو کے بعد عفاف کو ایسی مناسب
جگہ میسر نہ آ سکی جس کو وہ روٹھی فاؤنڈیشن کے میں
آفس کے لیے استعمال کر سکتی۔ ایسے میں جب اس
مسئلے کا ذکر عروش سے کال کرنے کے دوران ہوا تو
اس نے عروش اسٹیٹ نیوٹ کی عمارت میں روٹھی
فاؤنڈیشن کے آفس کی بنیاد رکھنے کا مشورہ دیا، جس
کو عفاف نے تھوڑی سوچ بچار کے بعد قبول کر لیا اور
یوں عفاف نے عروش اسٹیٹ نیوٹ کے آدھ کرے
کرانے پر لے کر روٹھی فاؤنڈیشن کا آغاز کیا۔ ایک
جگہ کام کرنے کی وجہ سے دونوں کی دوستی وہ دن
مضبوط ہوئی تھی۔ عفاف نے بھی بہتین میٹنگ میں

عفاف اور بہتین سال بعد اب پھر عروش کو انسی
نیوٹ کی بھڑکی کے لیے ایک ڈیلڈ کے لیے بے کے
جنا تھا۔ کورس کے لیے اپنا کیا تو خوش قسمتی
اس کو ایڈمیشن مل گیا تھا کہین بہتین اس کو اکیلے جانے
کی اجازت نہیں دے رہے تھے۔ جس کے لیے
پچھلے دو ہفتے سے وہ ان کو راضی کرنے کی کوشش میں
لگی ہوئی تھی۔ والدین کی وفات کے بعد بہتین بے
حد مجیدہ مزاج ہو گئے تھے، ویسے تو وہ خاموش صبیح
انسان تھے، عید الحق کی وفات کے بعد ان کا مزاج
بالکل ہی الگ نوعیت اختیار کر چکا تھا۔ ان کے شے
نے عروش کو ان سے دور کر دیا تھا، ایسے میں ان کا
اکیلا بہتین بھی بڑھ چکا تھا۔

"دادو۔" عروش، سفید سے قریب تھی، وقتاً
وقتاً دونوں بہتین کے بدلے مزاج سے متعلق الگ
الگ طرح کی ٹیوشن کو نکالیں بھی کر رہی تھیں۔
"ہاں بولو ہے!" سفید بھی میں کھانا بنانے
میں مصروف تھیں کہ عروش ان کی نیوٹ سے کوئی تو
ان کے پاس ہی آ کر کھڑی ہوئی تھی۔
"شام کو میری دوست آ رہی ہے، تو کھانے
میں کیا بنا ہے؟" عروش اور ہر اصرار جھانکتے ہوئے ان
سے پوچھنے لگی تھی۔
"آج تو خاصا اہتمام ہے، برائی بنائی ہے،
شاہی کباب اور پیٹ بڑ پکین بھی ہے۔" سفید نے
اس کو آگاہ کیا۔

"دادو زبردست، بس پھر ٹھیک ہے۔ میں
فریض ہو کر آتی ہوں پھر آپ کی سیلپ گراؤں
گی۔" عروش خوشی سے ان کو پیار کر کے بولی۔
"ہاں اب تو کھانے میں ہی سیلپ ہو سکتی ہے
پک تو سب کچھ کیا۔" سفید نے مسکرا کر کہا تھا۔
"بھین سیلپ بھینسی بھی ہو لیوں کر لیں
چاہیے۔" عروش بھی سر پر لے گئی ہوئی۔
"اب قبول تو کر لی ہی پڑے گی نا، اس کے

"دادو! الہی آ گئے ہیں؟" وہ جاتے جاتے
ان سے پوچھنے کی قرض سے نکلی تھی۔
"ہاں وہ آج جلدی آ گیا تھا، کہہ رہا تھا کہ
طہرت سب سے تو آرام کر رہا ہے۔ تم اٹھاؤ، ہو سکتا
ہے جو کھ لگی ہو۔" سفید نے اسے بہتین کے بارے
میں بتایا تو وہ پروجیغ ازماں میں اثبات میں سر ہلا کر
"ہاں سے نکلی گئی تھی اور اپنے کمرے میں جانے کے
بجائے وہ بہتین نیاز کی کمرے کی طرف بڑھی کہ
ان کو اٹھاؤ اور عفاف کے آنے کا بھی خبر دے۔"

☆☆☆

"الو!" عروش، بہتین کو ڈھونڈتی مطالعہ کے
کمرے تک آئی تھی۔ اس نے انہیں پکارا تو روٹھ
بیزیر بیٹھے آٹھ گھنٹے سونے تک بہتین دم چوٹے
تھے، آٹھ گھنٹے سونے کر چرائی سے استہکاح۔

"الو! آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟" وہ
ان کی طرف بڑھی اور ان کی عجیب سی حالت کو دیکھ کر
"ہاں، تو میں ان سے پوچھنے لگی تھی۔
"ہاں میں ٹھیک ہوں، کب آئیں تم؟"
"سرے چلی وہ ٹھیک سیلپ آئے کیے اس کی طرف
دیکھ کر اس سے پوچھ رہے تھے۔
"بس! لا! الہی کچھ ہی دیر ہوئی ہے، اچھا ہوا
آپ جلدی آ گئے۔" عروش نے بہتین کو دیکھ کر کہا،
انہوں نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا تھا۔
"عفاف" آ رہی ہے نا، اس نے کہا تھا کہ اپنا
کام ختم کر کے آئے گی تو میں نے کہا تھا کہ وہ ڈر
اور سے ساتھ کرے۔" عروش نے ان کو اطلاع دی۔
"تو لا! پلیر آپ فریض ہو جائیں نا، وہ
کسی وقت بھی آ سکتی ہے۔" عروش نے منت بھرے
لہجے میں کہا تو بہتین نے گھبرا سانس لیا۔ انھوں رکرا
اور اگلے لمحے وہ اٹھ کر اٹھا۔

"فریض ہو کر آتا ہوں۔" بدھ مسکراہٹ کے
ساتھ ہوتے بہتین عروش کو حیران کر گئے۔

روٹھی پکڑ پکڑا چلا تھا۔ "اس سے جلدی آ گیا تھا، ایک کپ جانے
کے بعد سے کچھ بھی نصیب نہیں ہوا اور اب جو کھ
زوروں پر ہے۔" بہتین مسکرا کر اس کو بتانے لگے تھے۔
"اچھا آپ فریض ہو جائیں، میں عفاف سے
پوچھتی ہوں کہ کب تک آئے گی۔" عروش باہر کی
جانب قدم بڑھا کر بولی تو بہتین نے بھی مطالعہ کے
کمرے سے باہر کی طرف قدم بڑھا کر اپنے کمرے
کا رخ کیا۔

"الو!" وہ دونوں ای لاؤنج میں تھے، عروش
نے یک لخت انہیں پکارا تو اپنے کمرے کی طرف
قدم بڑھا تے بہتین نے یک لخت کمرے دیکھا۔
"کیف فریض کر گئی تھی۔" عروش ان کی
طرف دیکھ کر قدم سے ڈرتے ڈرتے ان سے پوچھنے
لگی۔

"ہاں ہاں، کیوں نہیں۔ بالکل کر گئی ہو۔"
بہتین حیران ہی تو ہوئے تھے۔
"کیا آپ ابھی بیک شلوار سوٹ پہن سکتے
ہیں۔" عروش ان کی طرف دیکھ کر بولنے لگی۔ اس
لمحے وہ جینز اور واٹش کی شرٹ زیب تن کیے،
ٹھمرے بالوں سرخ آنکھوں، ہلکی ہنسی شیو کے
ساتھ انتہائی دلکش لگ رہے تھے یا شاید ایک بہتین
کی نظر میں جس کو اپنے گلے سے والے لا لڑکی ہیرو
سے کم نہ لگ رہے تھے۔ تک سب سے تیار ہونے
بہتین بیک شلوار سوٹ میں بے حد ڈینٹ لگتے تھے
تو ایسے میں عروش نے فریاض کر دی شاید وہ عفاف
پر اصرار نہیں جٹا چا رہی تھی۔ جب جب اس نے
عفاف سے بہتین کا ذکر کیا ان کو قہقہیلے انداز کو ہی
ساتھ لائی تھی۔ ہی تو کہ عفاف ان کو بظاہر کہہ کر
اس کو پچھڑائی تھی۔
"بیک شلوار سوٹ کیوں؟" بہتین نے عجیب
نظروں سے اسے دیکھا۔
"ویسے ہی۔" اب وہ ان کو کیا بتاتی کہ وہ

کر رہا تھا نظر ہے لیکن دیکھتے ہیں کسی مہاراجا ہے کم نہیں۔

”اے، کہہ، جیسا تم کہو۔“ مبین گہری مسکراہٹ کے ساتھ کہہ رہے تھے کہ اس کی جانب بڑھ گئے تھے اور عروش من ہی میں تھی ”یہاں“ کا ٹھونڈا رنگ عفاف کو زیر کرنے اور اس کو حیران کرنے کی پلاننگ کرتے تھے۔

☆☆☆
پچھلے دنوں منٹ سے وہ مبین میٹشن کے گیت پر نظریں جمائے کھڑے دیکھ رہے تھے جیسا کہ مبین عروش کو ملاحت بھی کر چکی تھی کہ اس کو مبین میٹشن آنے کی حالی نہیں بھرتی چاہیے تھی۔ عروش کے بچے کے جانے میں اجازت ملنے کے لیے مبین سے مذاکرات کے لیے کوئی بھی گرین سیگنل نہیں دینا چاہیے تھا۔ اب اس کی بیعت ہوتے ہوئے مبین کی بھی وہ اپنی پہلی کے علاوہ کسی سوشل سرکل کا حصہ نہ تھی۔ اپنی جاب کو بھی وہ پروفیشنل بننے لگتی تھی کہ اس کی عروش کی جو بیعتی ہے بعد اس کی زندگی کا حصہ بھی لیکن اس کے ساتھ ہی عفاف کا فلیٹ جیب نوٹس کا تھا، ایک لے دے انداز کا سامعروں نے جس انداز سے مبین کا ذکر کر رکھا تھا وہ بھی اس کے فلیٹ سے بیک رہی تھی۔ بہر حال جو بھی تھا یہاں تک پہنچ گئی تھی تو اب گیت کو عبور کر کے ساری صورت حال کا سامنا بھی کرنا ہی تھا۔ یک لخت اس کے موبائل کی گھنٹی بجنے لگی، اس نے بیک سے موبائل نکال کر اسکرین پر جھنگکتے نام کو دیکھا تو اسے اختیار مسکرا دی۔

”ہیلو، السلام علیکم؟“ دوسرے پہلے وہ بظاہر سنجیدگی سے بولی۔

”وہیکم السلام، جیسی رہو، اللہ نصیب اچھے کرے۔“ عروش کی چٹکتی آواز پر اس کا قہقہہ بلند ہوا۔

”بہت شکر ہے اداوی اماں! مجھے ان دعاؤں کی ضرورت تھی۔“ عفاف بھی شرارت سے بولی۔

”اے یہ تو شرارت اور جواب شرارت

میٹشن کے گیت کی طرف دیکھا۔
”ہاں واقعی،“ عفاف نے تائید کی۔
”پچھا چھوڑو یہ تناؤ کتنی دیر تک پھینچے گی؟“ عروش نے اس سے پوچھا۔
”کہاں پھینچتا ہے؟“ عفاف کی حیرت میں ڈوبی آواز پر عروش نے موبائل کو گھورا تھا۔
”کیا مطلب کہاں پھینچتا ہے؟“ عروش تیزی سے بولی۔
”یہ تو تم بتاؤ ناں۔“ عفاف نے اسے زنج کرنے کے لیے کہا۔
”ہم نے ڈرائیگ ساتھ کرنا تھا، مبین میٹشن میں۔“ عروش نے بتایا۔
”اے، ہاں گا،“ اہم رنگی سوری عروش میں بالکل ہی بھول گئی۔ ”عفاف نے مسکراہٹ دیا کہ عروش کی بات؟“ عروش نے پوچھا۔
”یہ کیا طریقہ ہے عفاف! میں نے لالہ کو بھی کہہ دیا، دادو سے بھی کہہ دیا تم نے یہاں کہا ہے۔“ عروش باز رہی۔
”سوری، ایک ضروری میٹنگ تھی اس میں ہی ابھی رہی تو۔“ عفاف مسلسل اس کو تشدد دلا رہی تھی۔
”اے، اے، اے، میٹنگ عروش سے زیادہ ضروری تھی۔“ عروش اب شرمندگیوں میں گھرے تھی کہ اس کی خواہ مخواہ ہی عفاف کو کہہ رہی تھی جبکہ اس کے لیے تو اس کی کوئی اہمیت ہی نہیں تھی، اس کے لیے اس کے کام زیادہ ضروری ہیں۔

”نہیں، ایسی بات نہیں ہے۔ تم میرے لیے بہت خاص ہو۔“ عفاف کو اب اپنی کسی روکنا محال ہو رہا تھا، نظروں سے اوجھل ہونے کے باوجود وہ اس کے تاثرات دیکھ رہی تھی۔
”آئی تو، جیک بے سوچ۔“ عروش اب مکمل سنجیدگی اپنا چکی تھی۔
”خفا ہوئی ہو؟“
”نہیں تو۔“ عروش ہی مؤدب میں بولی۔
”اچھا بتاؤ کتنے بجے آنا تھا۔“ عفاف کو اسے

”کی بات نہیں تھی، ہم پھر بھی کھانا ساتھ کھائیں گے۔ کوئی ایسا ضروری نہیں تھا۔“ عروش نے ساٹ لکھے تھے کہا۔
”اے، پھر بات ہوگی، ابھی لالہ نے کھانا کھانا ہوگا۔ مجھے بھی بھوک لگ رہی ہے، کھانا ملاکت ہوگی۔“ عروش اب بدول ہو چکی تھی اور فون بند کرنے لگی تھی۔
”بھوک تو مجھے بھی لگ رہی ہے۔“ عفاف نے ہنسی میں مسکراہٹ روک کر کہا۔
”اے، اے، اے، اے، تم بھی کچھ کھاؤ۔“ عروش نے کہا۔

”تم ناراض ہو گئی ہو نا؟“ عفاف اس سے پوچھتے ہوئے گاڑی سے باہر نکلی، ایسے کہ دوسری طرف کوئی آہٹ نہ ہو۔ گاڑی کا دروازہ بند کیا اور مبین میٹشن کی طرف قدم بڑھا دیے۔
”نہیں مہل! میں ناراض نہیں ہوں اور تم سے تو بالکل نہیں تھی۔ تم اگر آئیں تو اچھا لگتا۔“ عروش اب دوسرے کمرے پر چلی گئی تھی، عفاف اب مبین میٹشن کے گیت کے پاس کھڑی تھی۔ ایک لمبے کوٹنگی اور پھر تیل کے شبنم پر لگی رکھ دی۔

”میں آ جاتی لیکن۔“ عفاف گہرا سانس لے کر بولی۔
”کوئی بات نہیں اچھا پھر بات ہوتی ہے، گیت تیل بھی ہے شاید کوئی آیا ہے۔“ عروش گلیٹ میں بولی اور فون بند کر دیا جبکہ عفاف اب خود کو کپڑے کرنے لگی۔
”مرہہ ان۔“ دوسرے پہلے گیت کھلتی ہی عفاف نے دونوں بازو پھیلا کر ایک اداسے کہا لیکن اگلے لمحے غل بھڑک کر بھاگ دیا۔
☆☆☆

”پھر وہی بات۔“
”میں اتنی کا ٹیڈنٹ نہیں ہوں ناں۔“ اس نے تین بار سانس میں گڑی چلائی تھی۔ مانی نے

طرف مڑنے کے کہہ دیا جس کی وجہ سے وہ ایک دم گھبرا گئی۔

”اپنی پڑھان دو اور یہی تصور کرو کہ تم ابھی بھی اسٹریٹ کی ایک کاونٹ روڈ پر ڈرائیو کر رہی ہو۔“ مانی نے نرم لکھے تھے کہ کہا تو دل آویز نے بے بسی سے ڈرائیو ڈرائیو کر دیا مگر اسے دیکھا۔
”دیکھ کر۔“ دیکھ کر۔“ اس نے جیسے ہی نظریں روڈ سے ہٹا کر گاڑی کی آئینہ لگا دی جس پر مانی نے یک دم اسٹریٹ وکیل پر ہاتھ رکھا۔ دل آویز کو ایک بار پھر ششہ سے پیسے آنے شروع ہو گئے تھے۔

”جسٹ ریٹیکس۔“ مانی نے دھڑک دھڑک شیشہ نیچے کر کے ہونے کہا۔
”آج ٹریک لائسنس ہیں، دونوں سائڈ مرررز دیکھا اور پھر ایک۔“ مررر اداب پر یک پیڈل پر دباؤ ڈالنا شروع کر دیا۔ ”دل آویز خاموشی سے دونوں ہاتھوں سے اسٹیریجنگ وکیل کو پکڑے بے انتہا نرم ہوتے ڈرائیو کر رہی تھی۔ مانی اپنے مخصوص دوستانہ لکھے میں اس کو ہدایت دے رہا تھا اور وہ اس کی ہدایت پر عمل کرتی جا رہی تھی۔

”آف یہ ڈرائیو گے تو میری جان نکال لے گی۔“ وہ فٹو بھر سے پسینہ صاف کرتے ہوئے بولی۔

”فکر نہ کرو، ڈرائیو گے سیکھتے سے کوئی نہیں مرنے۔“ مانی نے مسکرا کر کہا تو دل آویز اس کی دھنک مسکراہٹ کے عکس میں گرفتار ہونے لگی۔
مانی اس کو ڈرائیو گے کے بنیادی قوانین بتا رہا تھا، دل آویز اس کی آواز کے عکس میں گرفتار اس کو سن رہی تھی۔

”بریک بریک۔“ بریک۔“ دوسرے لمبے مانی نے قدرے بلند آواز میں اس کا دھیان دہلی جانے والی ٹریک لائسنس کی طرف دلائی تھی۔
”گوش کی۔“ جو اپنی اسپینے سے زیادہ کی رفتار سے

پہنچ لائیں ریلوے ہو چکی تھیں اور دل آویز جب تک بریک ہینڈ کو مکمل دبا کر کار کو روکی وہ وادعت لائن کر اس کر کے چٹخنے کے تقریباً درمیان میں آ کر رک گئی۔

”گاڑی کو آگے بڑھا دو، یہاں نہیں روک سکتے۔“ اس سے پہلے کہ دل آویز چنبرہ بریک لگا کر گاڑی کو جو یہاں روک دیتی، مانی نے کہا اور وہ گاڑی کو آگے بڑھا لگئی۔

”ایک بات یاد رکھنا، ٹیکسٹ ٹائم اگر مت وادعت لائن کر اس کر گئیں تو وہاں ہی ندرک چاہنا۔ سچ راستے میں رک کر تم راجہ پریس پٹر سے واپس وادعت لائن پر نہیں آ سکتیں۔ یہ سچ نہیں ہے اور نہ ہی فائوے مندر۔ اگر لگے کہ ٹریک لائنس سے پہلے کی حد میں رکنا بحال ہے تو جو اپنے لیے ہمراہی میں آگے بڑھ جانا ہی بہتر ہوگا۔“

مانی اسے دوسرے قوا میں سمجھا رہا تھا جو سنے سیکھنے والے کے کام آ سکتے ہیں اور جو محفوظ بھی ہوتے ہیں۔ اب گاڑی ایک محفوظ جگہ پر پارک ہو گئی، دل آویز اٹھا ہنس کے اس کی بات سن رہی تھی۔

”کیا ہوا؟ اب کیا سمجھ میں نہیں آیا؟“ وہ کچھ نہ بولی تو مانی اس کی طرف دیکھ کر پوچھنے لگا۔

”یہ ذرا نیچے سسکار ہے جس کے جھٹ سے؟“ وہ ہنسنے ہوئے بولتی اس کو چو لگا گئی۔

”جھٹ سمجھنے سے نہیں آتی“ میں ذرا نیچے ہی سسکار بھاہوں۔ نیچے میرا کام ہے اور تم اسی پر دھیان دو۔ جھٹوں کے پھر میں نہ پڑو۔“ مانی نے ذرا کی ذرا نظر اس پر ڈال کر نظر میں روڈ پر مرکوز کر دی تھیں۔

”نہیں، میں جھٹ سے کچھ نہیں سن رہی، صرف پوچھا ہے کہ جھٹ میں بھی تو جب وادعت لائن کر اس کر جاتا تو پھر واپس کے سارے دروازے بند ہو جاتے ہیں۔“ دل آویز کے لیے اور الفاظ نے مانی کو حیران کیا تھا وہ اب گاڑی مسدود کرتے ہوئے شرارتی انداز میں مسکرا رہی تھی۔

”جگہ میں کہا۔“ تھمادی سائڈ پر بھی بریک لگی ہے جو استعمال کرنے کے لیے ہی ہے۔“ دل آویز نے بنا دیکھے ٹرن اپ تھا اور کافی تیزی سے سوز مڑی تھی۔ دوسری طرف سے آنے والی گاڑی کو ایمر جی بریک لگانی پڑی تھی۔

”کسی دوسرے روڈ پر روکلو اور کنڈا کر دیا اس کو یہاں میں ڈال دینا ایک سیرس میں ٹیک کاؤنٹ ہوتی ہے۔“ مانی دھمکے کرخت لہجے میں اس کو بتا رہا تھا۔

”آپ کو کسی کسی نے بتایا ہے کہ آپ فیصے میں بے حد سیٹ تھتے ہیں۔“ دل آویز نے ان اچھوں سے اس کے فیصلے کا اثر اس دیکھ کر شر پر مسکرا ہٹ چکے ساتھ کہا تھا۔ مانی نے لب بچھے لیے قبول آویز چل انداز میں وہ بار بار ذرا نیچے پر دھیان دینے کی کوشش کرنے لگی تھی۔

”تھمادی وادعت کھر ہے؟“ اب وہ مسلسل غلطیاں کیے جا رہی تھی۔

”انسٹرکٹر کی طرف۔“ وہ بولی ضرور لیکن دل ہی دل میں۔

”کیا میں گاڑی پارک کر کے کچھ دیر بریک لے سکتی ہوں۔“ اس نے مانی کی طرف دیکھ کر اس سے پوچھا۔

”دو تھننے کے لیسن میں تم کم از کم پانچ چھ بار گاڑی روک کر اپنا بیڑہ صاف کرتی ہو، ہاں کر سکتی ہو۔“ مانی نے گہری تجلیگی سے اسے اپنے لیے تحیر کہا تھا۔

”بہت کم صاف کرتی، مانی نے آپ کو سنبھاتی ہوں۔“ دل آویز ایک محفوظ جگہ دیکھ کر گاڑی پارک کرنے لگی تھی۔

”اب بتاؤ کیا مسئلہ؟ تم اتنی کند ذہن سمجھی تو نہیں ہو پھر کیوں اپنی مشکل پیش کر رہی ہے؟“

”چھپے دس سال میں اس نے متھڑے کے لڑکیوں کو ذرا نیچے سکھا دی تھی، بہت کند ذہن لوگ بھی

بہت جلد سیکھ لیتے تھے۔ مانی کو یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ جان بوجھ کر غلطیاں کرتی ہے، وادعت اپنے آپ کو بہت اناڑی اور کنڈا ذہن ثابت کر رہی ہے۔ مانی کا لب دلچہ اور رازنا نہایت دوستانہ ہونے کے باوجود وہ نہیں ہو جاتی تھی۔

”یوں، کیا بات ہے؟“ دل آویز مسلسل لب بچھتے اور ہاتھ مروڑتے ہوئے خاموشی سے بیٹھی تھی۔

”کوئی ڈونٹ نو۔“ وہ دھم آواز میں اس کی طرف دیکھے بٹاپولی۔

”کوئی پتہ نہیں ہے کیا؟“ وہ نرم لہجے میں گویا ہوا۔

”جی نہیں تو۔“ وہ پلکیں جھپکا کر بولی۔

”میرا پتہ کار نہیں ہے؟“

”لیکن بھی کوئی بات نہیں، آپ تو بہت اچھا سسکار ہے ہیں۔“ دل آویز اس کی طرف دیکھ کر بولی۔

”کچھ میرے ساتھ کونسل نہیں ہوتی تم کسی دوسرے انسٹرکٹر کو ایمر دے کر سکتی ہو۔“ مانی اس کا مسئلہ کرنا جا رہا تھا لیکن وہ مسلسل خاموشی تھی۔

”بعض دفعہ پہنچ بھی پہلے پہل ہوتا ہے۔“

”نہیں مجھے کوئی بھی پہنچ نہیں چاہیے۔“ وہ اس کی بات کاٹ کر تیزی سے بولی تو مانی نے تعجب نظروں سے اس کو دیکھا۔

”وہ معمول آویز اقامت بھی ضائع کر رہی ہو اور جیسے سبھی سمجھنے کوئی فرق نہیں پڑتا، میرا کام ہے اور میں تمہیں صرف سکھانے کی ہی کوئی کوشش کر سکتا ہوں۔ تھمادیے دماغ تک میری رسائی ممکن نہیں ہے، اس لیے تمہیں خود ہی جھٹ کرنے پڑے گی۔“

”اپنے دماغ کو صاف کرنا پڑے گا۔“ مانی کی تجلیگی سے اس کی طرف دیکھا اس کو پھر سمجھانے لگا تھا۔

”اگر آپ چاہیں تو رسائی ممکن ہو بھی سکتی ہے۔“ دل آویز نے اس کی طرف دیکھ کر دل ہی دل میں کہا۔

لیکن پتا نہیں کیوں مجھے ذرا نیچے اپنی مشکل لگنے ہی ہے کہ کچھ میں نہیں آ رہا کیسے چنبرہ کروں۔“ وہ انکھیاں مروڑتے ہوئے انتہائی تجلیگی سے بولی۔

”اچھا، آئی دل میپ ہو گاؤ۔“ مانی نے پروسچ انداز میں کہا تو دل آویز نے چونک کر اسے دیکھا۔ جبکہ مانی اس کی طرف متوجہ تھا۔ وہ اس کے نواس والے فولڈر کو رینڈر کر کے دروازہ کھول کر باہر نکلا اور بوٹ کھول کر اس میں رکھ دیا اور دل آویز نے حیران نظروں سے اس کو یہ سب کرنا دیکھے جاری تھی۔

”آئی ایم سوسری، میں بھی عرش ہو گئی۔“

”عفاف نے دروازہ کھلنے ہی میں گرم جوش اور شرفی کا اظہار کیا تھا اب اس سے نہیں گنا زیادہ شرمندگی محسوس کر رہی تھی۔

”نو پتہ نہیں۔“ مبین نیازی نے ایک نظر اس کے شرمندہ سر پہا پر ڈالی اور بے انتہا تجلیگی سے بولے عفاف نے حیرت سے انہیں دیکھا۔

”آہے، آپ تحریف لائیں۔“ مبین نے ایک طرف ہو کر اس کو اندر آنے کا راستہ دیا تھا۔

”شکر۔“ عفاف جتنا طوا انداز سے پوچھی مبین مبین میں داخل ہو کر ملنے لگی تھی۔ مبین نے گیت بند کیا اور پلیٹ کرانے کا نئی فاسٹ پر چوٹی اندر کی جانب بڑھی عفاف کی پشت کو دیکھا۔ گہرا سانس لیا دھمکے سے مسکرائے اور اگلے لمبے وہ اس سے چند قدم پیچھے چل رہے تھے، لہجہ بھر کو عفاف کی لیکن کمال مہارت سے ان کی موجودگی کو نظر انداز کر کے اندر کی جانب بڑھتی جا رہی تھی۔

”آپ کو اندر تک کا راستہ معلوم ہے کیا؟“

”مبین نیازی کی آواز پر عفاف کے قدم رکے تھے۔“

”پہلے یہاں آ چکی ہیں کیا؟“ وہ رک گئی تھی، بولی کچھ نہیں پتا، مبین جو اس کے پیچھے تھے، اب اس سے دھمکے آگے گھر سے اس سے پوچھ رہے تھے۔

”نہیں تو۔“ ایک نظر ان کو دیکھ کر وہ بارہ

”نہایت ہی ہوشیار ہو کر ایسے آگے بڑھ رہی ہیں جیسے یہاں کے پچے پچے سے واقف ہیں۔“ عین نے نہانے کس لہجے میں کہا کہ عفاف ایک لخت عی شرمندہ ہو گئی۔

”آجائیں آپ کو عروش کے پاس چھوڑ دیتا ہوں۔“ وہ بڑا ہمدردی لکڑی سی۔ جب کچھ نہ بولی تو عین سگرا کر بولے اور قدم اندر کی جانب بڑھا دیے۔ عفاف نے سرفا کر ان کی طرف دیکھا، گہرا سانس خارج کر کے ان کے پیچھے قدم بڑھا دیے۔

”دیسے آپ کا نام کیا ہے؟“ عین میں کمی ڈاکو حسین کو تو نہیں مہراہ لے اندر بڑھ رہا ہوں؟“ یکدم عین نے مہر قدم روکے، پلٹ کر اسے دیکھا۔ عفاف نے بے احتیاج حیرت سے انہیں دیکھا تھا۔ چہرے پر گہری خاموشی اور تنہید کی چٹائی تھی لیکن چلتی گہری آنکھوں کی پتیلیں میں سے چھائی ایک مسکراہٹ اور شرارت اس کی آنکھوں سے چھپتی نہ رہتی تھی۔

”یہ نہ ہو اندر قدم رکھتے ہی خودش دھماکا ہو جائے اور۔۔۔“

”کیا میں آپ کو کھٹل سے کوئی دہشت گرد گنتی ہوں؟“ عفاف اس کی بات کا کٹکٹ مزاحی سے بولی۔

”اب کسی کے ماتھے پر نہیں چسپاں ہوتا ناں کہ اس کے دل میں کیا ہے۔“ عین نے دونوں ہاتھ بانٹتے ہوئے گہری نظر اس پر ڈالی تھی۔ عفاف لب لہجہ کر دئی۔

”عفاف؟“ وہ دم آواز میں بولی۔

”ہائیں شہ۔“ عین نیازی نے اس کی جھکی نظروں کو اپنی گہری نظروں کے حصار میں لے کر کہا، ہلکی ہلکی اس کی پیش قدمی کر رہی۔

”عین نیازی؟“ عین نے اپنا ہاتھ بڑھا دیا، عفاف نے جھجک کر اسے دیکھا، نظریں اس کے چہرے پر بار بار ہاتھ بڑھا رہا تھا۔

”ہائیں منگ یو۔“ عفاف نے بتا سہے اپنا

چھوڑ دیا اور بنا کچھ کہہ اندر بڑھنے لگے تو دوسرے پل عفاف کا دل چاہا یہاں سے ہی واپس پلٹ جائے لیکن۔۔۔ اب اس نے قدم اندر کی جانب بڑھا دیے تھے۔

”آپ نہیں، میں عروش کو بلاتا ہوں۔“ وہ ڈرانگ روم میں داخل ہوئی تو عین نے مہمان نوازی نہ کیا ہوئے کہا۔

”کیا میں۔“ عفاف نے اسے روک کر کہا۔ ”کیا میں عروش کے کمرے میں جا سکتی ہوں۔“ اس نے بات مکمل کی تو عین نے اسے دیکھا۔

”جو چاہیے ہیں تو غلط کر رہی ہیں، بتا رہی ہیں تو اس کی ضرورت نہیں۔ آپ اسے اپنا ہی گھر سمجھیں، کسی شک کی ضرورت نہیں ہے۔“ عین نیازی کا اپنا ہی ایک انداز تھا، عفاف نے انہیں دیکھا۔

”عروش کے کمرے تک مجھے آپ کی رہنمائی کی ضرورت پڑے گی۔“ عفاف کو نہ جانتے ہوئے بھی اس نے یہ کہا پڑا تھا کیوں کہ وہ عروش کی خواہ گاہ کی سمت سے اپنا جان چکی۔

”بندہ حاضر ہے جناب! چلیں۔“ عین نیازی قدم سے شوش لہجے میں بولے۔

”دیسے بھی خوب صورت لوگوں کی ہر ای کم لوگوں کو ہی پھر آتی ہے۔“ عین زیر لب بولے لیکن عفاف تک بخوبی یہ پلٹے لیوں کی سرگوشی سن چکی تھی، اس نے شیڈ کر ان کی طرف سے نظریں پھیری تھیں۔

”مجھے بھی کچھ چہرے اسے شامسا کیوں لگتے ہیں؟“ اس کے ہمراہ چلتے عین نے بے اختیار دم آواز میں ظاہر خود دکھائی کی تھی لیکن ارادہ اس سے سوال کا تھا۔

”بعض اوقات چہروں کی مشابہت ہمیں دھوکوں سے دوچار کر دیتی ہے، جو چہرے بظاہر شامسا لگتے ہیں کبھی کبھی ان کے پیچھے حدودِ جہنم چھپی ہوئی ہے۔“ عفاف ان کی بے وجہ کی بے لگنی سے زنج ہوئے ہوئے بولی تو عین نیازی نے گہری

”ہائیں، لیکن کب ایسا بھی ہوتا ہے، جہنم کا چراغ دانت کھینچا جاتا ہے، کچھ عجیب پوشیدہ رکھنا شاید قصور دہاتا ہے لیکن۔“

”عروش کا روم کہاں ہے؟“ اس سے پہلے عین اس بحث کو طویل کرتے عفاف نے ان کا ہاتھ بھرے لہجے میں ان کی بات کا تکرار کرنا سے پہچان۔ عین نے اسے دیکھا اور ایک لخت عی تیز قدموں کو اٹھاتے اس سے آگے بڑھ گئے اور ایک رخ پر گھر کے دروازے پر دستک دے گئے۔

”تم سے کوئی ملے آیا ہے۔“ عروش نے شاید پوچھا تھا کہ روم ہے، عفاف بھی قدم اٹھائی اس کے مقابل آکھڑی ہوئی تھی۔

”جی۔۔۔ دوسرے لمبے عروش نے دروازہ کھولا تو عفاف کو کھڑا دیکھ کر بے احتیاج حیرت سے پہلے اسے اور پھر عین کو دیکھا۔

”جو منظر۔۔۔ دھوکے باز۔۔۔ فراڈ لڑکی۔۔۔ مجھے کھانے کی سزا ملے گی اب۔“ وہ اس سے کھینچی اور عفاف کا لحاظ کیے بنا اس کو طرح طرح القاب سے نوازنے لگی اور عفاف عین کی موجودگی میں اس کے اس رد عمل پر ہل بول رہی تھی۔

”بے خوف۔“ عین زیر لب بولے اور واپس قدم بڑھا دیے۔

”لالا! عروش نے اسے پکارا تو اس کے قدم رک گئے۔

”لالا! یہ عفاف ہے، میری سب سے اچھی اور کچھ سبیل دوست۔“ عروش اس کا ہاتھ پکڑے عین کے پاس آکھڑی ہوئی اور اس کا تعارف کروانے لگی۔

”اچھا، میں کب سے پوچھ رہا ہوں لیکن انہوں نے کچھ نہیں بتایا۔ ماں! شاید تو یہ عفاف ہیں۔ بہت خوش ہوئی آپ سے مل کر عفاف۔“ عین نے کہا اور ہاتھ بڑھا دیا، عفاف نے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ اس لمبے اس کو زیر کرنے کے سارے

سکرار تھے۔ عفاف نے اب عروش کو دیکھا۔ ”السلام علیکم! آپ کی بہت تعریف سنی ہے عروش سے، آپ سے مل کر خوشی ہوئی۔“ عفاف نے اس کے بڑے ہاتھ کو مکمل نظر انداز کر کے کہا۔ عین عفاف معمول قہر لگا کر کہنے اور عروش نے حیرت سے عفاف کو دیکھا اور من ہی من اس کی حرکت کی داد دی لیکن عفاف کا قہر اس کی سمجھ سے بالاتر تھا۔

”بہت شکریہ۔“ عین نے اپنا ہاتھ پیچھے کرتے ہوئے بتا دیا لہجے میں کہا۔

”لالا! کیا بات ہے، آج آپ کا قہر بڑا بلند ہے۔“ عروش نے سگرا کر عین کو دیکھا۔

”کھانا کب تک تیار ہے؟“ عین نے اس کے سوال اور عفاف کے تاثرات کو مکمل نظر انداز کر کے پوچھا۔

”بس لالہ کچھ دیر تک، دادو نے کہا کھانا تیار ہے۔ عفاف اتم رہ گئیں جو باؤ پھر ساتھ ہی کھانا کھا لیں گے۔“ عروش نے عین کو بتاتے ہوئے عفاف سے کہا تو اس نے انہات میں سر ہلا دیا۔

”دیسے میرے سوٹ پر کوئی گھٹ نہیں دیا۔“ عین نے کن انہوں سے عفاف کو دیکھ کر عروش سے مخاطب ہوا۔

”لالا! آپ تو بھرہ ہیں اور اسٹیلی بلیک شلوار سوٹ میں تو۔۔۔“

”پتیلے کا لے کو سے لگتے ہیں۔“ عفاف کے لب لہجے اور آواز نہانے کیسے بلند ہو گئی۔ دوسرے پل اس نے لب کاٹ لیے جبکہ ان دونوں عین بھائی نے بھونچکا کر ایک دوسرے کو دیکھا اور پھر دونوں کا قہر ایک ساتھ گونجا جو عفاف کو شرمندگیوں میں دھکیل گیا۔ اب وہ خود کو غلامت کرنے کی جی جی کر خود بخود ہی جل بھن کے لب ہلا دیے۔

☆☆☆☆

”ہا ہا جان! آج کل آپ کا موہاں بھر بہت ناموش ہے، کھر غائب ہے آپ کی جھارانی۔“

اعتماد ہو رہے تھے۔ "میرا موبائل خاموش ہے؟" احسن ندیم نے حیرت سے اسے دیکھا۔
 "نہیں یار! تم دو دنوں میں بیٹا ڈسٹرپ نہ ہو، اس لیے میرا موبائل ابس کرگیا خاموش ہے۔" احسن ندیم نے خیرے لہجے میں ذرا نفرت تو فکرتی کہ وہ دیکھ کر عدی سے قاطب ہوئے تھے۔
 "نام ذرا آخر کہیے گا، موبائل سارنگٹ پر رہنے لگا ہے۔" عدی نے آگے بڑھ کر کمر کو دھرا دیا تو احسن ندیم نے اسے سکھوا دیا۔
 "نہیں بیٹی کی آڑ میں کوئی گوری نیم نہ چھپی ہو۔" عدی پر احسن ندیم کے غور کے کان کوئی اثر نہ ہوا تھا مزید شرم لہجہ اپنا کر بولا۔
 "عدی کرتے ہو یا راپا کیا اس عمر میں اور بالوں کی اس سفیدی کے ساتھ میں گوری نیم سے مراسم بڑھاؤں گا؟" احسن ندیم نے اپنے سفید بالوں کی طرف اشارہ کر کے بولے تو عدی ہنسنے لگا۔
 "اور تم رنگ میں بیگ نہ ملاؤ۔ ہماری محبت کی جتنی پس دینا دیتی ہے۔" احسن ندیم نے عدی کو شکستیں فطرتوں سے دیکھا جبکہ میں مسلسل مسکراتے ہوئے دو دنوں پاپ بیٹے کی نوک جھوک کر بوجائے کر رہی تھی۔
 "واقعی بہت دن ہو گئے عطا کی کال نہیں آئی، آپ سے رابطہ ہوا اس کا؟" حُسن نے احسن ندیم سے پوچھا۔
 "ہاں اس سے تو مکمل رابطہ ہے، آج اپنی دوست کے گھر کھانے پر مدعو ہو وہاں گئی ہوئی ہے۔" احسن ندیم نے مسکراتے ہوئے انہیں بتایا۔
 "دوست کے گھر؟ وہی دوست جس کی آواز بہت پیاری ہے؟ کیا نام تھا اس کا؟" اس سے پہلے کہ حُسن جگہ لگی عدی چپکا تھا اور بے سوچے انداز میں عطا کی دوست کا نام یاد کرنے لگا۔ حُسن اور احسن

چہرے کی طرف دیکھا۔
 "عروسی" احسن ندیم نے اس کی مشکل آسانی کی۔
 "بھلا کوئی رات عروسی ادا تھا اسے لوی نیم شہی تیز۔" عدی نے ہنسنے ہوئے کہا۔
 "خیر یہ بیانی اسے کیا معاملہ ہے؟" دوسرے بل حُسن اٹھی جس، ارادہ جن میں جانے کا تھا حُسن عدی کے جوش۔ نے ان کو حد درجہ حیرت سے دوچار کیا تھا، اس کا کان کچھتے ہوئے اس سے مخاطب ہوئی۔
 "اف مام۔" اس ہرنگ۔ "وہ کان چھڑاتے ہوئے کہنے لگا۔
 "ہوسنا ماسٹی از تاس، بی بیڑاے بوئی فل نیم اینڈ سویت واکس، اینڈ واہیٹ جھک اوز، وہ آپ کی مٹی کی دوست ہے۔ مطلب اس کا بیٹ ہونے کی گارنٹی ہے تو اسے زیادہ ویٹ کے ساتھ جب کوئی معاملہ ہو جائے، آئی میں "ول والا، اما" تو کیا پر اہم ہے؟" عدی مکمل حُسن کے ساتھ ہوا احسن ندیم اور حُسن کو بے انتہا حیران کر گیا تھا۔
 "ہاں ہاں کیوں نہیں، احسن صاحب مبارک ہو بیٹا صلاح ناگہ رہا ہے۔" اب کے حُسن بھی شوخی سے مسکرائی تھیں۔
 "دو بار خود دار! دیکھیں تو حُسن بیگم! چھوٹا سا تھا جب ان ہی ہاتھوں میں اٹھا کر اس کو ہسپتال سے مگر لائے تھے اور آج دیکھو تو کیسے ہمارے ہی ساتھ چلائی کر کے دل کے معائنے سنبھار رہا ہے۔" احسن ندیم نے حُسن کی شوخی میں ان کا ہجر پرور ساتھ دیتے ہوئے عدی کو چھیڑا تھا۔
 "میکو گز شوٹی پر اوڈ۔" وہ بھی ان ہی کا بیٹا تھا مان سے وقار دم آگے۔
 "بھیس تو خیر ہے، بس اللہ تعالیٰ رحم کرے۔" حُسن باہر کی جانب بڑھتے ہوئے مسکرا کر بولیں۔
 "کیوں شہزادے! کیا معاملہ ہے؟" دونوں

انہیں بتایا کرتے تھے۔ عدی باہر کی جانب بڑھنے لگا احسن ندیم نے اس سے پوچھا۔
 "ابھی تو کوئی معاملہ نہیں ہوا جان! ایسے ہی آپ ہاتھوں کو احساس دلانا چاہو راقا آپ کی عراب اس قابل ہوئی ہے کہ ایک ہوئے آئیں۔" عدی نے شرم لہجے میں کہا تو احسن ندیم کا قاطب ہوئے۔
 "ابھی نہیں ہے، مطلب کوئی معاملہ ہو سکتا ہے؟" احسن ندیم اس کی چالاکی سے محفوظ ہوتے ہوئے بٹاش لہجے میں بولے۔
 "طبیعی۔" عدی کندھے اچکا کر مسکراتے ہوئے ہاتھ پر کلر گیا اور اگلے دن وہ موبائل پر ایک بیٹج ٹاپ کر رہا تھا اور مسلسل ایک مسکراہٹ نے اس کے چہرے کا معاملہ کر رکھا تھا۔
 "پیاری آئی جان! سامنے چھی کلکتی آواز میں لڑکی کوئی بھانجی کی نظر سے دیکھ کر بتاؤ کہ کیسی ہے اور اگر ایک ابھی نہ بننے کے لیے آپ اس دل بوجوہوں کو اب اس کے ساتھ ایک سسلی بیٹج کر سہل کر۔" عطا نے بیک کر اٹھ کر اب اس کے ساتھ ایک سسلی بیٹج کر سہل کر۔
 "عطا نے بیک سے موبائل نکالا تو عدی نے حُسن نے اس کو چوکا دیا، بے اختیار اس کی نظر کچھ قاطب پر بیٹھی مسکرائی عروسی کی جانب تھیں۔
 "عدی کے بیٹے، تم سدھر جاؤ۔" دوسرے دن اس نے ڈھیر ساری غصے والے اےکھوجہ کے ساتھ اس کو جواب دیا تھا۔
 "بیٹا! پیاری آئی پلیر، یہ آواز بہت بھائی ہے۔" دوسرے دن عدی بل ایک منت مجرا نکست عطا کو حیران کر گیا تھا۔
 "اوکے، آئی دل کا ٹوبو لیٹر۔" عطا نے جواب دیا۔ کچھ ہی دنوں میں عدی کا رچا نے نہ آیا تو اس نے موبائل واپس بیک میں ڈال دیا اور عروسی کی طرف متوجہ ہو گئی۔
 ☆☆☆
 احسن ندیم انہیں میں یو کے آئے تھے، یہاں تو

کے اس درجہ عطا کو دیکھ کر یہاں ہی بولے پڑا۔ حُسن ان کی لڑائی میں، جن کے ساتھ دل کے چار نہایت مغربی سے جڑے تھے۔ تعلیم سے فارغ ہوتے ہی وہ پاکستان گئے اور اردو لکھی شے سے شنگ ہو کر چند ہی بیٹوں میں حُسن کو بھی اپنے پاس بلایا تھا۔ یوں عرصہ دراز سے آسکھوڑ میں رہائش پزیر تھے۔ عطا اور عدی ان کی اولاد میں جن کو انہوں نے بے حد لاد پیار اور دوستانہ ماحول میں پر وان چڑھایا تھا۔
 عدی ابھی تک اپنی تعلیم میں مصروف تھا جبکہ عطا دو، دو ماہی سال پہلے تعلیم سے فارغ ہو چکی تھی اور ایک انٹر میڈیٹ آرگنائزیشن میں سوشل ورکر کے طور پر کام کرنے لگی تھی لیکن پچھلے دو سال سے وہ اسی آرگنائزیشن کی پاکستان میں برانچ کو پنڈل کر رہی تھی۔ احسن ندیم اور حُسن کے لیے عطا کو ہوا اگلے پاکستان بھیجنا ایک نہایت مشکل فیصلہ تھا، لیکن عطا کو جانے کا جتنوں سوار تھا کہ وہ پاکستان کی برانچ میں کام کرے گی۔ احسن ندیم کو اس کی خند کے سامنے ہتھیار ڈالنے ہی پڑے تھے۔ یوں عطا پاکستان میں رہائش پزیر ہو گئی، احسن ندیم، حُسن اور عدی یو کے میں رہتے تھے۔ عطا سے ہر لمحے کا رابطہ ہونے کے باوجود وہ اس کی طرف سے فکر مند تھے لیکن عطا نے اپنی زندگی کو انتہائی مصروف بنا رکھا تھا۔ بے سہارا لڑکیوں کے ساتھ کام کرنا، ان کے معاملات کو سمجھنا، ان کی دیکھ بھال، ان کے دکھ درد کو بٹانا۔ عطا میں سب میں اس قدر جھوکی کر اس کو واپس جانے کا کسی خیال ہی نہ آیا تھا وہ وہاں یو کے جاتا بھی جاتی تھی۔
 "ن سوچوں میں تم ہو میڈم!" عطا غیر ارادی طور پر عروسی پر نظر میں جھانپتی تھی کہ اس کی آواز چونک گئی۔ چلیں جھپکا میں اور دھیرے سے مسکرائی حُسن میں سر ہلایا۔ عروسی اس کو بہت عزیز تھی نہ صرف گھنٹی اور بے حد محض لڑکی، بلکہ ہاں اس

ایسا ہو جائے تو کوئی برتن نہیں۔۔۔ عفاف نے دل ہی دل میں اعتراض کیا تھا اور اب یقیناً نیاز کی روک تھام کرنے کا مرحلہ پایا تھا۔ عروش نے پوچھا تو جانی بھائی اگر عفاف اس کو اپنے بھائی کی پسند کی خاطر سے دیتے تو۔۔۔

”میں نے تمہیں یہاں اس لیے لایا ہے کہ تم لالہ سے میری سفارش کرو کی کہ وہ مجھے بے گناہ جانے کی اجازت دے دیں اور تم ہو کہ یہاں آ کر اپنے یں خیلوں میں کھو گئی ہو۔“ عروش نے تجویزیاں چڑھا کر اس کو اٹھایا تھا۔

”خیالوں میں نہیں کھوئی ہوں، ان بھانجے دوڑتے ہیں جو پورے گود کی بھری ہوں جو بھوک سے اب غر حال ہوئے جا رہے ہیں۔“ عفاف نے بے حد بے چارگی سے اس کی طرف دیکھا تھا۔

”یار میں لالہ کے قمار گاہ کو لے کر انکار کر رہی تھی اور تمہارے بھی فریض ہونے کا۔“ عروش نے عفاف کو دیکھا تھا۔

”میں تو فریض ہوں یا ر کہاں بڑی ہیں مسٹر؟“ عفاف نے سرسری لہجے میں یقین نیازی کی معصوفیت کا پوچھا تھا۔

”مجھے کب ایک ضروری کال کرنی ہے لیکن پورے پچاس منٹ گزرے ابھی تک ان کی ضروری کال نہیں ہوئی۔“ عروش اب غصیلے لہجے میں بولی۔

”پتا تو کرو یہ ضروری کال کس کو ہو رہی ہے؟“ عفاف قد سے شرمے لہجے میں اس کی طرف دیکھ کر کہنے لگی۔

”میرے لالہ ایسے نہیں ہیں۔“ عروش نے اس کے منہ پر چڑھایا تھا۔

”میں نے کب کہا کہ“ ایسے ویسے“ ہیں۔“ عفاف نے کندھے سے چپکا کر کہا تھا۔

”میں تو صرف یہ کہہ رہی ہوں کہ ضروری کالیں جب اتنی طویل ہونے لگیں تو تمہاری ہی چھان بین کرنا چاہیے۔“ عفاف مکرہات، باکر بولی۔

”عروش! تمہاری بہت تعریف کرتی ہے۔“ عروش اسے ڈانٹتے ہوئے عفاف کے پاس چھوڑ کر خود یقین کی تلاش میں اس کے کمرے کی جانب بڑھ گئی تھی تو سفینہ عفاف سے مخاطب ہوئی تو عفاف نے مسکرا کر ان کی طرف دیکھا تھا۔

”دادو! عروش خود بہت اچھی ہے اور جن کے دل صاف ہوں ان کی نظر بہت خوب صورت ہوتی ہے۔“ عفاف نے مخصوص لہجے میں بولی۔

”تمہارے ساتھ کی وجہ سے مجھے اور یقین کو عروش کی طرف سے تسلی راتی ہے۔“ سفینہ ہر گویا ہوئی تو عفاف نے چپک کر انہیں دیکھا۔

”میری وجہ سے تسلی کیسے؟“ عفاف کی حیرت بھاری کیوں کہ سفینہ سے وہ ہنسنے دو، تین دفعہ پہلے تسلی ہو چکی تھی اور اب اتنی سرسری طاقت تھی۔

”چنانچہ اچھے دوست ہماری پچان ہوتے ہیں اور جس طرح تم نے عروش کو اس کے باپ کی موت پر مستحکم کیا تھا۔ وہ کتنی عقیدتیں ہے۔ عروش نے ہزار بار تمہارے غلوں کی تعریف کی ہے اور یقین نے بھی

”دادو! اب میں کیا کہوں؟“ عفاف اپنی تعریف پر بے چارگی تھی۔

”مجھے بھی نہ کہو چنا! اللہ تم دونوں کے فیصلے اچھے کرے۔“ سفینہ نے ساختہ مکرہات کر دیکھے نہ کہیں اس کے ہاتھ کو پکڑ کر پیار کرتے ہوئے بولیں تو عفاف دل ہی دل میں آئین ہوئے بنانے لگی۔

”دادو! عروش کی کہیں بات تو نہیں بولتی ہوں ابھی؟“ ایک لذت ہی عفاف کا حصان مدی کی خواہش کی طرف کیا تھا۔

”یقیناً بیٹا ادا کر دو کی تمہاری شہل جائے۔“ یقین بھی کہہ رہا تھا کہ اب عروش کی بات نے گھر کے کچھ وقت سے لیکن عروش میڈم ہے کہ مزید کسی کورس کے سلسلے میں باہر جانا چاہتی ہے۔ یقین مان نہیں رہا اور وہ ابھی تک بلند ہے۔“ سفینہ متشکرانہ انداز میں عفاف کو بتا رہی تھی۔

”آپ کیوں نہیں مان رہی ہیں؟ عروش کورس کے لیے تو یہ تسلی ٹیوٹ کے لیے بھی بہت کارآمد ہوگا اور عروش کو بھی تسلی ٹیوٹ ملے گا۔“ عفاف ان کو قائل کرنے کی کوشش کرنے لگی۔

”چنا! جہاں لڑکی کو اتنے دور کیسے بھیج دیں؟“ سفینہ نے کہا۔

”دادو! پہلے مجھے تو کئی چھیان باب کیا مسئلہ ہے؟“

”یقیناً یقیناً وہاں تو ظفر بھی، اب یقین کے پاس بھی تا م نہیں ہے۔ وہاں سے چھان پچان بھی نہیں ہے پھر بائیں کا انتظام کرنا، بائیں معاملات دیکھنا آسان نہیں ہوتا لیکن عروش ہے کہ مجھے ہی نہیں ہے، تم سمجھاؤ اسے۔“ سفینہ نے عفاف کی طرف دیکھ کر قدرے راز دارانہ انداز میں اس کی مدد دینی چاہی تو عفاف ہنسنے لگی۔

”دادو! دراصل میری آن کی آمد آپ لوگوں کو سمجھانا ہے کہ عروش کو بچے کی جانے کی اجازت دے دیں۔“ عفاف نے ہنسنے بولے انہیں بتایا۔

آگے بڑھتے گھر میں جی اور مجھ سے بھی کھانے پکانے کے لیے بار بار پوچھ رہی تھی۔“ سفینہ نے پر سوچ انداز میں کہا تو عفاف نے اثبات میں سر ہلایا اور شروع انداز میں ہنسنے لگی۔

”چلو، یقین سے بات کرنا پھر جو بھی اس کا فیصلہ ہو۔ تم جیٹو چنا! اس کھانا گرم کرتی ہوں تب تک یقین اور عروش میں آ جا جائیں گے۔“ سفینہ نے کہا تو عفاف نے انہیں دیکھا۔

”دادو! آپ یقین میں کر دیتی ہوں۔“ اگلے لمحے عفاف اٹھ کھڑی ہوئی۔

”اسے یقین نہیں، تم بھمان ہو۔ مہمانوں سے کام کرنا یقین یقین کی روایت میں شامل نہیں ہے۔“ سفینہ نے اپنے مخصوص لہجے میں کہا۔

”مجھ روایت وقت کے ساتھ ساتھ بدل جاتی ہیں اور جو روایت بجاوت کے زمرے میں نہ آئے وہ بدل جاتے تو کوئی مضائقہ نہیں۔“ عفاف کا بھی اپنا ہی ایک نظریہ تھا۔ سفینہ کو وہاں پتھر پر بٹھا کر وہ تیار شدہ کھانا بائیں گود میں رکھنے لگی تھی اور سفینہ پکا پکا اس کو دیکھنے لگی تھیں۔

”تھوڑا سا کام ہے، آپ ریٹ کر لیں جب تک۔“ عفاف نے مسکرا کر سفینہ کو کہا تھا۔

لالہ کے ہمراہ جب عروش ڈانٹتے ہوئے داخل ہوئی اور عفاف کو کھانا گرم کرتے دیکھا تو بلیں جھپکا جھپکا کر اسے دیکھا۔ یقین کے قدم ڈانٹتے ہوئے عروش نے پڑے اور پھر بائیں ہاتھ میں سان کا ڈوگل پکڑ کر عفاف پر بڑی قوت سے قدم دوڑیں ہم گئے۔ ظفریں بٹھا بھول گئیں جبکہ عفاف خواہ مخواہ ہی زور ہونے لگی تھی۔

☆☆☆

”تم پیئر سیٹ پر جاؤ۔“ اس کی طرف کا دروازہ کھول کر مائی حکم پھرے انداز میں اس سے کہہ رہا تھا۔

”کیوں؟ میں نیکٹا چاہتی ہوں۔“

نی کے کھانا کھا کر رہی تھی۔
 ”تم پر کھانا دوسری سیٹ پر جاؤ۔“ مانی کے
 لہجے میں تنبیہ کی کاغذ ڈال نہ ہوا تھا، اسی انداز میں
 اس کی ہولناکت کا کھڑا انداز کر کے پھر گیا ہوا۔
 ”اگلے... لیکن کیوں؟“ دل آویز دونوں
 باتوں سے اسٹیرنگ ڈیکل کو پکڑے ڈرائیونگ سیٹ
 پر جھکی تھی۔
 ”جیسے کہا ہے کرو۔“ اب کے مانی قدرے
 رعب سے بولا تو طوطا کر پل آویز کو اس کی بات
 مانی پڑی۔

”سلی کرل۔“ مانی ایک طرف ہوا تھا کرل
 آویز باہر نکلے کی جین دو بجائے باہر نکلے کے
 ڈرائیونگ سیٹ کے درمیان گیز باکس پر سے جب
 لگا کر پھر سیٹ پر آجینی تو اس کی اس حرکت پر مانی
 لب لہجے کرخو کر دیکھنے سے روک لگا۔

”میں نے انٹرکٹ نہیں جیتنے کرنا ہے، میں
 کوشش کر رہی ہوں جلدی سیکھ جاؤں۔“ مانی کے
 ڈرائیونگ سیٹ سنبھالتے ہی دل آویز انتہائی منت
 بھرے انداز میں اس سے مخاطب ہوئی، مانی نے
 ایک نظر اٹھ دیکھا اور گاڑی اشارت کر دی۔
 مانی مسلسل خاموش تھا تو دل آویز پھر بولی۔

”مانی ڈرائیونگ اسکول“ نام ہی ایسا بارعب
 ہے کہ صرف میر انجین بہت سے لوگوں کا خواب ہے
 کہ وہ آپ سے ڈرائیونگ سیکھیں۔“ دل آویز نے
 دم خم ساختہ شانہ انداز اپنایا تو مانی نے انداز
 آن کر کے گاڑی کو روک دیا۔
 اسے دیکھا اور دھکے سے سکر گیا۔

”صرف خواب دیکھنے سے وہ پورے نہیں
 ہوتے، ان کو پورا اترنے کے لیے، پائے کیل تک
 پہنچانے کے لیے کوشش اور محنت کرنی پڑتی ہے۔ میں
 نے خواب دیکھا تھا کوشش کی، محنت کی اور درخت
 تھمارے سامنے ہے۔“ مانی نہایت آرام سے
 ڈرائیونگ کرتے ہوئے اپنے مخصوص بارعب مگر انجیز

آویز کو اس کی کسی بات کا قصہ نہیں آتا تھا، اس کی
 ڈانٹ، اس کے دل پر عجیب انداز سے اثر انداز ہوتی
 تھی۔ نرم چھوڑ کر مانی اس کو توتاڑ کر دیکھتی تھی، اس
 کے لہجے میں ایسا چاشنی محسوس ہوتی تھی کہ دل آویز کا
 رواں دواں محاسن سے بھر جاتا تھا۔
 ”تم خواب تو پڑے پڑے دیکھتی ہو مگر جانتی
 ہو کہ وہیں پورے ہو جائیں، جنہیں کوئی محنت نہ کرنی
 پڑے۔“ مانی کے انداز میں اس کے الفاظ میں دل
 آویز کی نااطیلی پر ایک کڑی ضرب محسوس کی گئی دل آویز
 کے احساسات کی بھی محسوس کر رہی تھی۔
 قاصر تھے۔

”میں اپنی سی کوشش تو کر رہی ہوں ناں۔“ وہ
 دم خم آواز میں بولی۔
 ”نہیں تم کوشش نہیں کرتی ہو، تم صرف اور
 صرف وقت ضائع کرتی ہو اور پیر۔“ مانی نے اس کے
 اطمینان پر مانی رو پاکی انداز میں بولا۔

”تو آپ پیسے نہ لیا کرتی ہیں؟“ دل آویز محسوس
 طور پر غیر عجیبہ تھی، قدرے شوخ انداز میں بولی۔
 ”مانی آئی ایم سوری۔“ وہ کچھ نہ بولا تو دل
 آویز نے اس کے عجیبہ ڈانٹ کو دیکھ کر کہا تو مانی
 نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

”میں ڈرائیونگ سیکھنا جانتی ہوں، آپ سے
 ہی۔ ٹوٹی ہونٹ میں کوشش کے باوجود بھی اپنا مائٹ
 ڈرائیونگ کی طرف نہیں کر پاتی ہوں لیکن میں سیکھنا
 جانتی ہوں۔“ دل آویز مسلسل ”میں سیکھنا جانتی
 ہوں“ کی تکرار کر رہی تھی مانی نے اسے دیکھا۔

”مانی کاش میں آپ کو بتا سکتی، اقرار کر سکتی
 کہ آپ کی شخصیت کا محر مجھے حواس باختہ کر دیتا
 ہے۔ میں کوشش کے باوجود آپ کی اس فنونِ خیر
 شخصیت، اس انداز میں سلی پشٹ کر کے صرف
 ڈرائیونگ پر توجہ نہیں دے سکتی۔ میں کیسے بتاؤں
 آپ کو کہ میرے دماغ کو جکڑنے والی چیز کیا ہے؟
 کیسے بتاؤں آپ کو کہ مجھے آپ سے محبت ہے، کیسے

”میں نے اس سے سنا تھا کہ مانی ڈرائیونگ
 اسکول میں ہے؟“ وہ نہ جانے کہاں کہاں جھگ
 رہی تھی کہ مانی کی آواز نے اسے چونکا دیا۔ ایک دم
 ہی اس نے حواس کو بحال کیا۔
 ”کیا مطلب؟“ وہ اس نے اپنی نفس بھیجی تھی۔

”مطلب جنہیں کس نے بتایا تھا کہ مانی
 ڈرائیونگ اسکول کو جوائن کر رہی؟“ مانی سبک رفتاری
 سے ڈرائیونگ کرتے ہوئے اپنا سوال دوبارہ پوچھا۔
 ”کنگ... کبھی نے بھی تو نہیں۔“ اس کی
 بدحواسی نہایت نمایاں تھی۔
 ”تو پھر کیسے پتا چلا؟“ مانی نے حنفیہ نظروں

سے اسے دیکھا۔
 ”وہ میری ایک فریڈ ہے ناں، اس نے آپ
 سے ڈرائیونگ سیکھی تھی۔ اس نے بتایا تھا۔“ دل آویز
 نہایت غائب دماغی سے بولی، مانی نے اسے دیکھا۔

”اگلے لمحے مانی کو اس کی دماغی حالت پر لگا سا شبہ ہوا۔
 ”اس کا نام کی فریڈ؟ کیا نام تھا؟“
 ”اچھا تو مجھے نہیں معلوم۔“ اس لمحے دل آویز کو
 اپنی بے ربط حالت کا شاید اندازہ نہ تھا۔
 ”تم جھوٹ بول رہی ہو ناں۔“ مانی کی

نظریں اب روڈ پر تھیں لیکن دھیان عمل ساتھ نہیں
 اس کی لڑکی کی طرف تھا جس کی اس لمبی کی بے ربط
 گفتگو اس کی سمجھ سے بالاتر تھی۔
 ”میں تھوڑا سا۔“ چلتی سے اقرار کیا گیا، مانی

نے سر گھما کر اسے دیکھا تھا۔ عام سے چلتے میں لمبوس
 ڈاڑھی اٹھانے کیوں بعد نہ رہی ہوئی تھی۔
 ”تمہارا گھر آئے میں دس منٹس باقی ہیں، تم

دیکھو میں کیسے ڈرائیونگ کر رہا ہوں۔ ہم آج کے
 لیسن کا جو ہم پتہ ہے وہ اگلے لیسن میں کوہ کر لیں
 گے۔ تم مجھے ڈرائیونگ کرتے دیکھو لیکن اپنا مائٹس کو
 فالو کرنا۔“ مانی نے کہا تو دل آویز خاموشی سے
 اثبات میں سر ہلگائی۔ ڈرائیونگ کے دوران مانی دنا
 فوٹ کی کن انجینوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

”تم نے دیکھا ناں میں نے کیسے ڈرائیونگ
 کی؟“ ٹریک لائن کو کیسے اپروچ کیا، کیسے اسپیڈ پر
 دھیان دیا۔ تمہاری ہل کی ایسے ہی کرنا، اوکے؟“ مانی
 بات تھا کہ وہ عمل غائب دماغی کے ساتھ اس کے
 ہمراہ بیٹھی تھی۔

”نہیں تو۔۔۔ آئی مین۔ آئی ام میری مانی!
 میں تو یہ سوچ رہی تھی کہ میں کل ڈرائیونگ کر سکوں گی
 یا نہیں۔“ وہ نظریں جھکائے آہستہ سے بولی تو مانی
 نے ایک قہر آلود نظریں پڑوائی۔

”تمہارے ساتھ پتا ہے، کیا مسئلہ ہے؟“ مانی
 کے ترش لہجے پر دل آویز نے حیرت سے اسے دیکھا۔
 ”کنگ... کیا؟“ دل آویز کا دل زور سے

دھڑکا تھا۔
 ”تم ایک چیز کو وہیں چھوڑ کر دوسری کی طرف
 لپک پڑتی ہو اور بیٹھ ایک قدم آگے چلتا جاتی ہو،
 ایسا کیوں؟“ نظریں دھڑا کر مانی نے
 اس سے سوال کیا تھا۔

”واٹ ڈو یو مین؟“ دل آویز نے انتہائی
 حیرت سے اسے دیکھا تھا۔

”تم “آج“ کے بارے میں نہیں “کل“ کے
 بارے میں سوچتی ہو۔ آج کچھ کرنے کا حوصلہ نہیں
 لیکن کل کو شام دار دیکھنا جانتی ہو لیکن تم شاید جانتی
 نہیں کہ اگر تمہارا آج اچھا نہیں ہوگا تو کل کیسے
 بہتر ہو سکتا ہے۔“

”اگلے لیسن کے لیے اے جیم بک کرنا ہے
 ناں؟“ چہل چل دو اس کے ہنگامے پر سوچ چڑھے پر
 نظریں بجائے اس کے جواب کا منتظر رہا لیکن دل
 آویز مسلسل گہری سوچوں میں گم تھی تو پتا چرمانی کو
 کل کے لیسن کا جیم مقرر کرنا پڑا۔ اس نے نظریں
 اٹھا کر اس کی طرف دیکھا اور اثبات میں سر ہلایا۔
 اس کی پانی پانی ہوتی آنگھوں نے مانی کو کوشہ حیرت
 کے ساتھ ساتھ ایک احساس جرم میں بھی جھکا کر دیا

دوڑ کے پھیل سہارے



”مجھے نہیں جانا واپس۔“ بچکیوں سے روتی ہوئی ہائی کی آواز لاؤنچ سے نکل کے پورے گھر میں گونج رہی تھی اسی کون کے میرے بڑے بوائے نے قدم اڑا کر خودی ست ہو گئے۔

”آپ نے مجھے اتنی دور بھیجا ہی کیوں سوتلی ہوں کیا۔“ ہنگلی لیتے ہوئے مزید کہا۔ ”گراچی میں ہی رہ لینا تھا نا۔“

ہائی کی اعلیٰ بات سن کے میں گہری سانس بھر کے روئی اور اپنے دونوں ہاتھوں میں بھرے ہوئے برائے ڈچرے پہ ایک نظر ڈالی جو ہائی کل ہی خریف کے لائی تھیں۔

”میں اکیلے اتنی دور کسے راتی ہوں آپ سوچ بھی نہیں سکتیں ای۔ بالکل اکیلے ہوں وہاں۔“

ہائی کی بلند آواز میں جتنی ہوتی تھکیاں سن کے میرا منہ بن گیا۔ میں بھول گئی تھی اب کل تک یعنی جب تک ہائی واپس ان پورٹ نہیں جاتی تھیں جانتی یہ روئے کا پروگرام جاری رہے گا۔

ہماری ہائی صاحب، شادی کے بعد بیاہ کے لندن گئی تھیں، بہت خوش حال گھر آتا تھا لیکن بس دور تھا۔ پیسے کی کوئی کمی نہیں تھی، اولاد ابھی وہ دونوں سیان یودی چاہتے تھیں تھے ہائی کی دوست کا ادھر ہم تھا انہوں نے وہ جوائن کر لیا تھا۔ تین سال کی شادی شدہ لائف میں وہ ہرچہ باہر بعد ایک ماہ کے لیے گراچی یعنی اپنے میکے آتی تھیں اور

اپنے دونوں ہاتھوں کو ہوا میں بندھ کر کے وہ ہم سب قماشانی جوان کے چھوٹے بہن بھائی تھے اور ابھی بھی اس میں شامل تھیں، ان کے سامنے لہرا لہرائیں اور میں دل ہی دل میں ان کے کبے ہوئے تھنڈے پرانے گئی۔

”ان ہاتھوں سے میں نے بھی شادی سے پہلے

PakiBooks

فل کرنے لگے تھے۔

”اسی لیے آپ کو معلوم ہے ای، ملی کے پاکستانی ہیں۔ مجال سے ان کی سوئی ہوئی غیرت جاگے اور وہ اپنا کام خود کر لیں بلکہ انہیں ان کی گاڑی کا راستہ بھی بتانا پڑتا ہے ورنہ ان کا موڈ خراب ہو جاتا ہے کہ اتنا سا کام نہیں کر سکتی تھ۔“

”ہائے اللہ، کیسا نکلا ملی! اس سے یہ امید تو نہیں تھی۔“ ای کی بھی بگنی ہی بگنی شامل ہو چکی تھی

برتن تک نہیں دھوئے کر اسکن خراب ہو جاتے اور اب ”بگنی لیتے ہوئے یو لیس۔“ نہار منہ سی بچلے لے کے اشرف سسڑی کی طرح کٹ کے سامنے برف پڑتی ہوں، پھر شاگردا نو کی طرح گاڑی کے اوپر، دائیں بائیں کپڑا ہلاتی ہوں تاکہ برف گر جائے اور تو اور گاڑی کے نیچے گھس گھس کے برف بھی ہٹاتی ہوں اور پرے چلی۔ ”اور ادھر اے کے صورت حال ذرا ناگوار ہو جاتی تھی کیونکہ اب ای کی آنکھوں میں بھی آنسو مل

وہیں آہل بیت سے بات ہے، اسی کا بھی بھائی کو متعلق کوئی بھی بات سننے کے بعد ہی جملہ ہوتا تھا۔ ”ہائے اللہ! کیا اعلیٰ کا اسی سے یہ امید تو نہیں تھی جبکہ اہل ملی بھائی کی کسی خالہ بھی ہیں اور ہم سب ان کی عادت جانتے ہیں ان کو اگر ایک بار چھینیں لگ جائیں تو مشکل سے بند ہوتی ہیں اور برف کے چھوٹے چھوٹے ذرات سے ان کو ہمیشہ ہی مسئلہ ہوتا ہے۔

ای کی ہمدردی پاتے ہی باہنی کے جوش میں اضافہ ہو گیا۔ ”ای جی، میں روز برف ہٹا دوں لیکن وہ شکر یہ بولنے کے بجائے پتے سے کیا بولتے ہیں۔“

باہنی نے آنکھیں گھما کے سمجھنا پیدا کرنا چاہا، لیکن میں اور اشارب موقع ملنے ہی اپنے اپنے موبائل پر لگ چکے تھے، یہ دو گھڑی کا وقت ہماری کمر کے لیے ایک ٹاک تھا کیونکہ ابھی باہنی کی بیٹنگ باقی تھی اور ان کے بھاری بھاری بیک اٹھانا کسی جوئے شیر سے کم نہیں۔ باہنی نے ایک قہقہہ گھبراہٹ سے ہم دونوں پر ڈالی، جوان کی دکھ بھری کہانی سننے کی جگہ موبائل میں لگے ہوئے، لیکن اسی کو پوری توجہ اور دل جمعی کے ساتھ ہزار ہا کی خود ساختہ کہانی میں دھکیلی لیتے تھے کہ انہوں نے اپنا رخ روشن پوری طرح ان کی سمت کر لیا۔

”علی جی ہیں تو کیا ہوا، اپنے لیے بھی تو کرتی ہو مجازی خدا کو خوش رکھنا اللہ خوش ہوگا۔“ اب کوئی ان سے پوچھے، میاں کی بیوی کو ناخوش رکھنے سے کیا شیطان خوش ہوتا ہے۔

”اب باہنی نے اپنی دن بھر کی روٹین بتائی ہے۔“ میرے موبائل میں تین ٹون بھی، سامنے ہی اشارب کا کچا چمک رہا تھا۔ بے ساختہ مسکراہٹ چھپانے کے لیے مجھے منہ پیچ کر کرنا پڑا۔

”چمچ پانچ بجے اپنے لیے ناشتا بناؤ اور نکل جاؤ کام دھند سے پہلے ادھر اسے لے رہے ہوتے

دو دھندے تھے ہیں ہم تک۔“ چمچے نظر اُٹھ کر آئے کاٹھوس جہم۔ دن بھر موٹی موٹی انگریزوں کو مشینوں کی معلومات دو اور ان کا تھل تھل کر جسم دیکھتے رہو۔ کچا بتاری ہوں امی، یہ اگر یہ عورتیں اور مرد اسی لیے تو کمر کرتے ہیں کہ بخت جیتنا نہیں چھوڑتے، ہر حال میں خوش رہتے ہیں پچاس پچاس ساٹھ سال کے۔ وجم آتے ہیں اپنی کرل فریڈ اور ہوائے فریڈ کے ساتھ۔“

”اللہ تعالیٰ تو ہے۔“ امی نے فوراً ہی اپنے کچلے پیٹے۔ ”علی سے بولو واپس آجائے اس بے حیا معاشرے کو چھوڑ دے۔“

”ادو، انہیں چھوڑیں نا۔ وہ جائیں ان کا کام جائیں۔“

باہنی ملی بھائی کو یہ خوف ناک مشورہ کبھی دے ہی نہیں سکتی تھیں ان کی ملٹی ٹینسل آفس میں بہترین جاب تھی، مستقبل بہت روشن تھا اور یہ بات ہم سب بہت اچھی طرح جانتے تھے۔

”اور امی، جب میں پانچ بجے جہم سے ملتی ہوں تو معلوم ہے سات بج جاتے ہیں اکثر گھر آتے آتے علی نے بھی دو پرانے میں گھر لے رکھا ہے۔“

”تو اسے بولو نا کسی دوسری جگہ گھر لے لے۔“ امی نے اپنی طرف سے تھکس ہو کے مشورہ دیا، جسے باہنی نے سن ان کی کر دیا۔

”باہنی پیدل بھی چلی جائیں گی لیکن وہ ارباب نہیں چھوڑ سکیں، جہاں تین بیڑہ دم کا ڈبل منزلہ گھر ملا ہوا ہے، ساتھ ساتھ عالی شان گارڈن ہے۔“ میں نے فوراً ہی اشارب کو بتایا جو سر ہار ہا تھا کیونکہ یہ بات بھی ہم جانتے تھے۔

”ایک اتوار کا دن ہوتا ہے مصیبت سے بھرا ہوا دن۔“ پھر ہنگلی لیتے ہوئے بولیں۔ ”لٹا ملانا، گارڈن صاف رکھنا، درنہ کوئی انگریز خبیث

کے لپڑے بھی دھو۔“ کھانا کاؤڈ ہائے امی۔ کیوں نہ میری شادی، میرا مطلب تھا ہار جیوں کی۔“ باہنی فوراً ہی گڑبڑا کے اپنا بیان درست کر گئیں۔

”تم کوئی نوکر کیوں نہیں رکھتیں۔“ امی نے مشورہ دیا۔

”ادو بتایا تو تھا، ادھر اسے منگے ملازم ہوتے ہیں۔“ باہنی نے لاروائی سے جواب دیا۔

”ویسے ادھر کا موسم ایسا ہے کوئی اتنا خاص گندہ نہیں ہوتا گھر۔“ باہنی رواں میں سچائی کا تگمیں لیکن روٹا نہیں بھولیں۔

”پتاؤ علیہ الامین کے لیے اچھی سی جائے بنا کے لاؤ۔“ دیکھو جسے غڑ حال ہو گئی ہے میری ہنسی۔

”ای نے ہاؤز خوشوارہ لینے کی کوشش کی۔“

”کسب بھی کئی لینا دار و درو کے بھوک لگ گئی ہے۔“

”باہنی نے فوراً ہی نشو و نہا کے ساتھ اپنے آٹھ صاف کیے اور دوسری نشست لگانے کے لیے اڑا کے کابھا تھا۔ میں نے بھی فوراً ہی لاؤنج کے دروازے سے نکلی ہوئی ماسی کو گھوڑی لگا دئی تاکہ وہ خود چلن میں چلی جائے جیسے اسے پکارنا نہیں پڑے۔

”درنا امی ابھی شروع ہو جاتی میری کال کی کولے کے، سیکٹ کے جاتے ہی میں ایک بار پھر باہنی کی کئی کئی شاہنگ دھنسنے لگی، پانچواں اس میں کچھ مجھے دے کے جائیں گی یا نہیں۔ ایک لاہنی سی سوچ میرے اندر بڑ پکڑنے لگی۔ باہنی کی پسند ہمیشہ سے ہی اعلا رہی ہے، جو سب سے کچھ لینا ویسے ہی پسند نہیں کرتیں، ہر براہی کی پہلی دیکھیں ان کی وارڈروپ میں نا ہوا ایسا سوچ کے بھی باہنی کو اشتیاق قلب ہوئے لگتا تھا۔ جب سے وہ خود کمانے لگیں تھیں ان کی نواری الگ ہو گئی تھی۔

”اسے ساتھ کر لیں میرے۔“

”باہنی نے ہاتھ سے جھپکے کی طرف اشارہ کیا۔

”ادو۔“ یہی بات باہنی نے کی تھی میں نے فوراً ہی چمک کے اشارب کی سمت دیکھا جو مجھے ہی دیکھ رہا تھا۔ ہم دونوں بھائی بہن چورے مبینہ باہنی کی ہوئی شاہنگ کو گھر بھر کے کونے سے ڈھونڈ ڈھونڈ کے لاؤنج میں ایک جگہ جمع کر رہے تھے، باہنی جب آئی تھیں، میں دن میں سے بھیکوں دن بازاروں کے چکر، کچلے ہاتھوں سے شاہنگ باہر کھانا چٹا، لٹا ملانا، کیونکہ ڈالر جیسے جیسے اوپر جا رہا تھا، ہمارے لوگوں کے حوالے سے ہی بڑھ رہے تھے، ان ہی میں ہماری پیاری باہنی بھی شامل ہوتی تھیں، لیکن بس یہ تو جاتے جاتے آخری دن کا یہ روٹا دھوتا ہوتا تھا اس سے میں اور اشارب چڑنے لگتے تھے۔

”چائے میں چینی کچھ کم ہے۔“ باہنی نے چائے کا کپ لیا اور تہہ نکال دیا۔ اب گھوڑی دیر تک یہ روٹا موقوف ہو چکا تھا جب تک وہ کھانی نالیں۔

”باہنی ناگہری ہیں، بس اور کچھ نہیں۔“ بھاری بیک کو کھینچتے ہوئے اشارب نے مجھے دیکھا میں پہلے ہی چائے سے ہاتھ پاز ڈھانپا ہوئی تھی۔ اتنا چیرہ ہے اور بھردور دیکھو زور۔ میں نے دل ہی دل میں اشارب کی بات کی تائید کی اور کئی انہیوں سے باہنی کو دیکھا، جواب اپنے چیلے آئی فون پر چل کی فلائٹ کے اوقات معلوم کرنی ہوئی کسب چائے سے انا ہم غلط کر رہی تھی۔

”ادو علی معصوم بے گئی کے فلائٹ۔“ باہنی نے گلو کر کے میرے ایک بار پھر مائی کی طرف دیکھ کے اپنی آنکھوں میں آنسو بھرے۔ ”ہائے امی۔ میں جاری ہوں۔“ روک لیں مجھے

سورج



انہیں دیکھا اسی وقت اشارہ سے باہنی کا ہماری بیک چمٹا اور سیدھا میرے پاؤں پہ جا کر۔

”ہائے۔ ای۔۔۔“ اب باہنی کے ساتھ میرا بھی ہائے دیا شروع ہوا۔

☆☆☆

صبح کا قب ہوئے ہی، امی کی سوں سوں گھر میں پھیل رہی تھی، بیٹی سات سمندر پار جانے کے لیے تیار ہو رہی تھی، ساتھ روئے بھی جاری تھی۔

”اب کب آؤ گی۔“ امی نے باہنی کو گلے لگاتے ہوئے اپنے آنسو صاف کیے۔ ”اپنا خیال رکھنا اچھا۔“

”کیسے رکھوں اپنا خیال امی! مشہور براڈ کا سوٹ پہنے، باہنی ہاتھ میں اعلا لیور پنڈ بیک لٹکائے اور سر پہ دینی ایئر پورٹ سے لپا کپاس گاسز لٹکائے، باہنی، امی کے گلے لگی ہوئی رو تا شروع کر چکی تھیں۔

”میں وہاں اتنا کام کرتی ہوں، آفسنگر ملانا ملا ناٹائنگ پیرچر دیکھنی پڑتی ہے اور آپ کی بیٹی کو دیکھنے والا کوئی نہیں ہوتا۔ اسے کاش یہ ہوئی میرے ساتھ تو۔“ باہنی نے گنگلیوں میں ایک بار بھر رات والی بات دہرائی اور میں خوش ہونے لگی شاید باہنی مجھے ساتھ لے جانے کے لیے راستہ ہموار کر رہی ہیں۔

”اچھا اچھا جانا جاتے جاتے تو نہیں رو۔“ امی کا بھی دل خراب ہونے لگا۔ ”پلوٹکھواب دیر ہو رہی ہے۔“

”امی۔۔۔“ باہنی نے چٹکاتے ہوئے کچھ بولتے بولتے بات ادھوری چھوڑی اور میرا دل بیویوں اچھلنے لگا۔ تصور میں ہی خود کو چھڑا کی سیٹ پہ بیٹھنے ہوئے ہاڈلوں کا نظارہ کرتے دیکھنے لگی۔

”کوئی بات نہیں برف ہی صاف کرنی ہوگی تاکروں گی۔ کراچی کی کری سے تو جان پہننے گی۔“

کمزور آدم اور سرزمینوں تو ابھی ہوں گی۔ کپڑے دھونا بھی مسئلہ نہیں ہے، آٹو بیک مشین میں کیا معلوم ہوگا، پانی کھلا ہو تو دو چار کپڑے دھونا کوئی مشکل ہے بھلا۔ ہن۔۔۔“

”کھانا بھی کچا کیا مصیبت ہے بھلا، اور تو گرمی بھی لگتی ہوگی پکن میں کڑے ہو گے۔“ میں نے سردی کے حوسے محسوس کرنے کی کوشش کی۔

گرمی لگنے لگنے کی تو میں کل سے ہی پریش کر رہی تھی، ادر اسنے مال اور مارٹ کل چیکے ہیں۔ بس اس مہینے سے امی کے ساتھ گھر کی لٹ بھی بنا شروع کر دیں گی۔

میں اپنی ہی منصوبہ بندی میں مصروف خود پہ باہنی کی حسرت بھری نگاہیں بھی ہوئی دیکھ رہی تھی، لیکن رفتہ رفتہ مجھے محسوس ہوا، وہ میرے پیچھے نہیں نظر میں رہتا ہے بولے ہیں۔ ایک دیر بھی لگی ہوئی پائیس اور تیزی سے میری طرف بڑھتے ہیں۔ میں فوراً ہی الٹ ہوئی لیکن ایسا نہ ہو جاتا میں اس کے خود بھی کرشم اور مجھے بھی لے کر شیش توٹوری ہو کے لندن جانے کا کیا حرا آتا۔ لیکن یہ کیا۔ باہنی تیز رفتار سے میرے پاس سے گزرتی، پیچھے کھڑی ہوئی سیکنے کے ہاتھ تھامے رکے بغیر باہنی جاری تھیں۔

”ہائے۔۔۔ سیکنا تم مجھے اٹنی یاد آتی ہو جسم سے۔ کاش۔۔۔ میں تمہیں اپنے ساتھ لے جاتی۔ کاش۔۔۔“

ایک طرف باہنی مسلسل روتے ہوئے مای سیکنا کا ہاتھ تھامے ہوئے تھیں تو دوسری طرف میں اپنے دکھ کو بیٹھے سے لگاتے ان کا پانچواں بیک کار پورچ میں رکھ رہی تھی۔

☆☆☆

افسانہ "قرآنی" والا لطیف اور دوسری ضرورت پر اپنی ضرورت کو قرآن دیتا ہے۔ یہ تو میں آپ کی یادداشت کو ذرا فریض کر رہی ہوں۔ اس وفد میں نے ایک ایسا کام کیا ہے کہ بڑے سے بڑا بہادر بھی شاید گھسکتے تو آئیے پھر کہانی شروع کرتے ہیں۔

☆☆☆
خورشید قلات عرف شیدی رات کو پکائے جانے والے چاول چھانٹ میں چھت رہی تھی۔ معاش کے موہاں کی مٹنی جتنے کی۔ شیدی نے چاول کا چھانٹ ایک طرف رکھا اور موہاں کی طرف دوڑی۔ موہاں اسٹریٹ پر ابھرنے والا عام پتیلی کی طرح شیدی کے لبوں پر مسکراتا چل گیا۔ اس نے بھاگ کر چاول کا چھانٹ اٹھایا اور بڑی بھانجی کے سامنے رکھ دیا

"پانی (بھانجی) میری پتیلی کا فون آ رہا ہے۔ تمی ذرا سے چاول چھت دو۔" وہ ان کے جواب تک انتظار کیے بغیر موہاں ہاتھ میں پکڑے چھت تک جانے والے پانی پڑھیاں چڑھ گئی۔ مٹی ہاں پکی پڑھیاں۔ اس کے چار بھائی تو اپنی توڑی بہت زمین پر گزارا کرتے تھے۔ جب سے اس کے انچیریں بھائی موٹی جٹ کا نقش معروف سیای پڑی کے فٹو گرہ سے چڑھا تھا تب سے ان کے حالات جیسے گرہ سے چڑھا تھا تب سے ان کے فرحت سے گئی دی تک سب پکڑا اور توڑا اس نے اپنے گھر کے پر بندے کو موہاں کی سہولت سے بھی ٹیٹس یاب کیا تھا۔ کیونکہ وہ درود دینے بعد موہاں بدلتا اور پرانا موہاں گھر کے کسی فرد کو دے دیتا۔ پتیلی دھواں سے موہاں بدلتا تو پتا چلا موہاں اپنی سب سے بہن خورشید قلات کو کھانا کھانا "خبر سے ہر دینے اس کی کسی پتیلی کا فون آ جاتا ہے۔" پانی نے منہ کر چھانٹ اپنے سامنے

اور ان کے پاس سے بڑے لاڈ سے ہاتھ پکڑا۔ "ہائے سو! فون جتنے میں اتنی دیر نہ کیا کرو۔ میرے دل کی تڑکن (دھڑکن) رک جاتی ہے۔" موہاں میں سے پتیلی کے بجائے اس "سپیل" کی آواز ابھری جس سے پتیلی دوہینے سے شیدی کی پتیلی فون نہیں بلکہ موہاں فون دکاتی تھی۔

"میدے جی تھی قومز اداٹ (دیت) بھی کر یا کرو۔ بندہ کھنے مصروف بھی ہو سکتا ہے۔" شیدی کا گھر گاؤں کی چند مل پاس ٹریکس میں ہوتا تھا۔ سو اسے "معلم پانچ" ہونے کا احساس اس کو ہواؤں میں اڑا دے رکھا۔ اس لیے وہ گھر پر ہی القاطی کی ٹائیس بازو ذکر انہیں اپنی گفتگو کا حصہ بناتی تھی۔ آخر کو دوسروں پر دھب بھی تو ڈالنا ہوتا تھا۔

"ہائے میں سرگیا خورشید قلات۔" شیدی کے لہک کر کہے گئے الفاظ دوسری طرف عید عرف میدے کو دل پر فہار کر کے اور میدے کے منہ سے خورشید قلات کی گھر سے نکلی۔

"ہائے۔۔۔ آپ کے منہ سے خورشید قلات سن کر مینوں اتنا اچھا لگے کہ میں آپ کو دس نہیں سکتی۔" شیدی کو اتنا کام خورشید قلات بہت پسند تھا۔ ہا کے ایک دور پار کے کزن جو کسی اسکول میں ہیڈ ماسٹر تھے شیدی کی پیدائش کے وقت اپنی زمینیں فروخت کرنے آئے ہوئے تھے اور ان ہی کے گھر میں رہائش پزیر تھے۔ انہوں نے خوب صورت اور گاڑی گاڑی نرم پیر کو دیکھا تو اسے خورشید قلات کا نام دیا۔ شیدی کو بہت شوق تھا کہ اس کے اسی نام سے پکارا جائے مگر بھلا۔ گاؤں کے معصوم اور سیدھے سادے لوگوں کا خورشید قلات جن کی زبانوں پر چڑھ کر نہ دیا اور وہ "خورشید قلات" سے "شیدی" ہو گئی۔ جتنی کہ اسکول میں استانیات بھی اسے شیدی ہی کہتیں۔ شیدی میرا دودھ دوٹوں موہاں فون کے

ہر روز دن میں گھنٹہ گھنٹہ بھر بائیں کر کے اس کو لپک پڑی اور پھر چارے تھے۔ ابھی ایک دوٹوں الی بہت کی چٹنگ "پاؤں کے دھکوں" سے تیز (نے میں مصروف ہو گئے۔

☆☆☆
طیغی فیکٹری سے پھٹی ہونے کے بعد سانگیل گھر واپس آ رہا تھا۔ جیسے کی بارہواں دکان پر رک کر اس نے پانچ روپے کی ٹافیاں اس کی اور انہیں اپنی ایک بی بی زائل کر دو پارہ سانگیل پر سوار ہو گیا۔ جو بی بی زائل کی کاغذ سڑاؤ چاہے اللہ دے کے دوپٹے اور ایک بی بی جو چھ سے دو سال کے درمیان تھے "بابر" کی منی کڑے تھے۔ طے کو یہ بیٹے بڑے پیارے تھے۔ چاہے اللہ دے کہ خاندان سے ان کی برہن پر اپنی ہمسایہ داری تھی۔ چاہے کا خاندان بھی طے کے خاندان کی طرح دھازی اور مزہ دھکا۔ ان کے دوٹوں بیٹے بھی مختلف فیکٹریوں میں مہاڑی کا سرگرتے تھے چاہے خود اپنی تک چھوٹے مونے

کام کیا تھا۔ پتیلی بیٹے ان کے بڑے بیٹے کی ادا دے۔ طے جی بھار ان بچوں کے لیے پانچ روپے کی چڑ لٹا اور ان میں برابر بانٹ دیتا۔ ان کے پاس کے ایک کسٹل سانگیل سے اترا "آ جادہ! شاہین! اسے تو میں آج گھر سے لے بیٹا فافا لایا ہوں۔" بیکڑ اور گھر کے اندر جا کر کھانا۔ انیس ویلے باہر کی منی کڑے نہ ہوا کہ۔ "طے نے تینوں کو ایک ایک پانی دے کر صحت کی دیکھی طے کی بات پوری نہیں ہوئی تھی کہ بچوں کی ماں گندو نے دانگی روزانے کا میلا سا ہوا دھار کر منی چھانٹا

"سلام پانچ۔" اس نے دو چار پر درست کر کے طے کو پکڑ لیا۔ "وہیک سلام گندو! میں کی مالی چال ہے؟" "اللہ دھار ہے پانچ۔" طے کی سی ایسے نہ کیا کہ۔ یہ سیدھے تو کسی اٹھاری نہیں کرتے۔" گندو

گھورتے ہوئے طے کی طرف دیکھنے کی کوشش کی تھی۔ "کوئی کل نہیں۔۔۔ ماموں کہتے ہیں جیسے یہ تینوں۔۔۔ اب اتنا تو ان کا حق بنتا ہے۔" طے نے گندو کی چھوٹی پچی کے سر پر ہاتھ پھیرا اور سانگیل قائم کرنا طے گھر کی طرف بڑھ گیا۔

"چھوٹے اندر آؤ اب۔" گندو نے بچوں کو گھر کے اندر کے دروازے کو گندو کی گائی۔

☆☆☆
شیدی، میدے کے ساتھ ایک گھنٹہ بائیں کر کے جب طے اتری تو ماں کی جوتی اس کے پچھت پر فہار کر کے گئی اور اس کے قدموں میں لینڈ کر گئی۔ ماں نے نشانہ تو اس کے سر کا لیا تھا مگر نشانے بازی کا تجربہ نہ ہونے کی بنا پر ان کا نشانہ خطا گیا تھا۔ شیدی نے جوتی کو کچھ کر برساتا بنا یا مگر جوتی ہی اس کی نظر اس کے فیتے سے دیکھتے چرے پر پڑی اس کے چہرے کے زاویے فوراً سیدھے ہو گئے۔

"دھن کی سرحدوں پر غارنگ کی طرح اماں کی جھنجر قازنگ بھی جب چاہے شروع ہو جاتی ہے۔" شیدی نے دل ہی دل میں کہا۔

"تمی کھنے مرنے جاتی ہو جا کر۔" مینوں نے دس تیری پتیلی دوتن مینوں سے تیری یہ کون سی پتیلی پیدا ہو گئی ہے جو تو ہر ویلے فون سے چوڑی رہتی ہے۔" جوتی کا نشانہ خطا ہو جانے پر اماں نے الفاظ کے گولے برساتے شروع کر دیے۔

"اماں تو وی تا حد کرتی ہے بھلاتن مینے پہلے پیدا ہونے والی پانی بات کر سکتی ہے۔" شیدی نے اماں کے الفاظ پر ایک ہی منتقلی اٹھائی تو اماں نے چار پانی سے جھک کر دوسری جوتی اٹھا کر اس کی طرف دیکھی۔ ممکن تھا کہ جوتی کا دھنچک نشانے پر گئی۔ مگر جوتی ان کی اڑتے ہوئے آدھے سے اڑتے تک ہی پتیلی کی شیدی کے ہاتھ سے گھر کے مین جوتی کے نشانے پر آ گئے اور جوتی اپنے نشانے

تھا۔ اسے پہلے ہر ویلے ڈنڈے سے جتیاں
 ہی چلائی رہا کر۔ نہ چاہتے پاس کھٹکے نہ آگے اولاد
 کو دی۔" لپا کمرے میں بیٹھے شیدی اور اماں کی
 ساری گفتگو صاف فرما چکے تھے۔
 "تکڑے تو دیے ہر ویلے موٹیل کے ساتھ نہ
 چڑی رہا کر۔ چل جا کے کسی کام کے کھٹے لگ۔"
 اماں کے بعد اماں نے شیدی کو ڈانٹ کر وہاں سے
 بھاگایا اور خود وہاں کھٹکا کھرے باہر چلا گیا۔
 دینے بھی وہ آج کل اپنے چتر سوئی جٹ کی
 حرکتوں سے کافی پریشان تھے۔ میں چڑھ چکے کھٹے
 اپنی زمینوں کو سنہال رہے تھے۔ چوتھا خیر میں
 سرکاری نوکری کر رہا تھا۔ بیوی بچوں سمیت وہیں
 سرکاری گھر میں رہتا تھا۔ یہ پانچواں پانچویں کسی پر
 چلا گیا تھا۔ سوئی جٹ خروٹے سے بھی تازہ پر دراور
 لڑا تھا۔ بیشہ وہ اپنے باپ رسول خٹک کے لیے
 پریشانی کا سبب بن چکا تھا۔ اب جب سے اس کا قلعہ
 "فٹوہ کروٹ" سے جڑا تھا۔ ان کی راتوں کی
 نیندیں اڑ گئی تھیں۔ وہ بات ہے بات چرنے لگے
 تھے

☆☆☆
 طیفانے سائیکل گھنٹا کھرے دروازے تک پہنچا
 تو اماں دروازے کا میلا سا پردہ اٹھا کر کھلی میں
 جھانک رہی تھی۔ وہ یقیناً "ٹیفے کوٹ لیاں" ہائے تک
 چکی تھی۔ اسی لیے چہرے پر ہٹے کے ہاتھ چھامے
 ہوئے تھے۔ وہ پردہ چھوڑ کر واپس چلت گئی۔ طیفانے
 نے سائیکل دروازے کے اندر کر کے حسب معمول
 اپنے چھوٹے سے صحن کی مٹری دیوار کے ساتھ کھڑی
 کر دی۔
 "مگر آتا ہے تو سوتاں....." اماں نے طیفے کو
 پانی کا گلاس پکڑا کر فوراً راجب چلی گئی۔
 "اماں! میں دی گئی کر۔ پانچ روپے دیے
 چیز لے کر دے دیتا ہوں تو کیا فرق پڑتا ہے۔" طیفے

روپیہ چھوٹے ہوتا ہے تو کسی کی قلوب دی اولاد ہے
 اسے پیسے ایسے اڑا دیتا ہے۔" اماں نے مبالغے پر
 حد کر دی۔
 "رہنے دی دے اماں! میں کون سا ان کو رو کر
 چھ لاکر دیتا ہوں۔ ہر پٹے جب دیوڑھی ملتی ہے تو
 میں ان کے واسطے پانچ دس روپے کی چیز لے آتا
 ہوں تو کیا کھانا پڑ جاتا ہے۔ وہ بیٹے کی گندے کھٹے
 کھتی ہے۔ مٹکی طرح وہ بھی میری بیٹی ہی ہے۔
 ٹیفے کو اماں کی بات پر تھوڑا فضا آچکا۔
 "ہاں..... کل گوسا دے ٹیفے کی لڑکیاں آچے
 کبہ دی کی اور تو چل پڑیں ان کے بچوں کا سامن
 بنے۔ بھرا دی دیاں (دماغ) پاگل ہے جو روپے
 پوٹی رتی ہوں۔ کرنا تو تم جو چرنے اپنی ہی ہوتی
 ہے۔ اپنی ضرورتیں پوری نہیں ہوئیں اور دوسروں پر
 لٹنا نہ کو ہر ویلے تیار۔" اماں گاسی اٹھا کر پیچھے
 بے ہوش پڑی خانے میں جا بیٹھی۔ وہ مسلسل بوڑھے
 چارہ کی
 "اب اے کے آئے کھانا اماں نے اپنے ہی
 بوسے جاتا ہے۔" طیفانے صاف سر کے نیچے رکھ کر
 وہیں چارپائی پر لیٹ گیا۔
 ☆☆☆
 سوئی جٹ "فٹوہ کروٹ" کے ڈیرے سے
 واپس آ رہا تھا جب راستے میں اس کا گھڑا جڑے
 موٹی کی دھج رہو ہے ہو گیا۔ پورے چڑ کی خوب
 صورت ترین لڑی تھی۔ ٹیک شریف ماں باپ کی
 شریف اولاد کی۔ اس پر سوئی جٹ کا دل آ گیا تھا۔
 اب چاہتا تو سیدھا حارثہ سچ کر اس کو لپکا لیتا۔
 مگر وہ کیا ہے کہ بھلا جٹ اور سوئی جٹ کا کبھی کوئی جڑ
 تھا۔ سو وہ اس کے حسن سے بغیر کسی ہٹے کے کیش
 یاب ہو چکا تھا۔ مگر دوسری طرف بھی رجحان جو
 جڑت کھونے سے موت کو لگے لگنا آسان سمجھتی
 تھی۔ سوئی جٹ کا آتے جاتے راستے میں جب

کھڑی دھج رہو ہے ہو گیا۔ پورے چڑ کی خوب
 صورت ترین لڑی تھی۔ ٹیک شریف ماں باپ کی
 شریف اولاد کی۔ اس پر سوئی جٹ کا دل آ گیا تھا۔
 اب چاہتا تو سیدھا حارثہ سچ کر اس کو لپکا لیتا۔
 مگر وہ کیا ہے کہ بھلا جٹ اور سوئی جٹ کا کبھی کوئی جڑ
 تھا۔ سو وہ اس کے حسن سے بغیر کسی ہٹے کے کیش
 یاب ہو چکا تھا۔ مگر دوسری طرف بھی رجحان جو
 جڑت کھونے سے موت کو لگے لگنا آسان سمجھتی
 تھی۔ سوئی جٹ کا آتے جاتے راستے میں جب
 "سوئی جٹ" کھر جا رہے ہو۔ کدھی ساڑے
 ال او کوئی بات جٹ کر لیا کرو۔" سوئی جٹ نے
 کھانا روک کر شہادت سے کہا۔ پر رجو کی سے
 گلی اڑی تھی۔
 "میں دفعہ کبھا اپنی بیڑی کھل لے کر میرے
 سامنے نہ آیا کر۔ دھج ہو یہاں سے۔" دروازہ کی
 دھج تاج سے اے کے پاس جاؤں گی۔" رجو نے
 لڑا۔ تیروں سے کہا
 "ہاں..... شوق سے جا اے کے پاس اور ذرا
 دل چھجے کر وہ ہے چارامیر کیا کیا کر لگا۔"
 "تھے شرم نہیں آئی" تیرے اپنے گھر میں بھی
 بہن نے تو کسی کی دھج بہن کی عزت نہیں کرے گا تو
 کہو اسے کوئی بری نظروں سے تازہ لگا۔"
 "اب جانا۔" کسی کی بہت سے میری بہن
 کی طرف ہنسی نظر سے دیکھنے کی۔ وہ سوئی جٹ
 کی بہن ہے۔" کسی بہن کی دھج نہیں۔" سوئی جٹ
 "پر میری اک کھج ہا کر تو" میں بے شک اک
 "موتی کی دی دھج ہوں۔ میرا بیو کو کوئی جٹ جوتاں
 ہے۔ چھج اپنی طرف ہٹ نظروں سے دیکھنے والے
 کے سر پر جوتاں توڑنا آتی ہیں۔" رجو تن کرتی
 ایک طرف سے ہو کر آتے ہو چکی۔
 "ہائے دیکھتے ہیں تو بک بک سوئی جٹ سے
 لگتی ہے نا۔" سوئی جٹ نے کھڑے کھڑے
 آدھا سر کر جاتی رجو کی پشت کو ٹک کر آہ بھری اور
 ہاتھ ترنگ میں آگے قدم بڑھا لے کر ابھی وہ قدم
 ہی چاہا تھا کہ اس کا تیسرا قدم کھلی سے کچھ دھج پڑے
 گویہ پر جانا اور وہ وہاں پر پشت کے کھل زمین پر
 ہل جا کر گاسی کا تھیں اوپر اٹھ گئیں۔ سوئی جٹ
 ایک دم کھڑا ہو کر وادھر دیکھنے کا کرسی نے دیکھا تو
 کھل کر اس کے پتروں پر لگا کر برسا دی داستان سنا
 رہا تھا۔ وہ جلدی سے کھڑو کر اپنے کمر کی طرف چلا

”چل دوغ ہو گھر جا۔۔۔ میں رجو کو اس کے گھر چھوڑ کر فریج پر چپے چپے ہوں۔“ پھر وہ رجو کی طرف مڑا۔

”اے کو بھی ابھی آنا تھا۔۔۔ رنگ میں بیگ ڈالے۔“ سوئی جٹ فیسے سے تھلا تا ہوا گھر کی طرف چل دی۔ ”کچھ بھی تھا ابے کا کچھ توڑا بہت دعبان بھائیوں پر ابھی تک تھا۔

رجو کو چھوڑ کر اب گھر آئے تو فیسے کی بجلی میں جل رہے تھے۔ سوئی جٹ آرام سے اماں کے پاس بیٹھ کر بیٹیاں کھا رہا تھا۔ لالہ سیدھا دوسرے آئے اور سوئی جٹ کو بے بھادگی سنا بھی۔ اماں منہ کھڑے اپنے شوہر کا وہ جلال دیکھتی رہی جو سال میں بھی ایک دو بار ہی ظاہر ہوتا تھا۔

”اللہ جانے یہ سوئی کر آیا ہے جو اس کا اماں اتنے فیسے میں ہے۔“ اماں دل ہی دل میں بول گئی۔ ”ایسے کی ساری ڈانٹ ڈپٹ سن کر بھی اماں کو اصل معاملہ سمجھ نہ آیا تو ابے کو کوڑکے دیا۔

”کیا ہو گیا کی۔۔۔ کچھ دسو۔“ ایویں غصہ کری جا رہے ہو۔“

”میں کیا دساں۔۔۔ ایسے اپنے لالے پت سے پوچھ چوگا جس کی عزتوں سے کھینچے لگا ہے۔“

”ہائے دے سوئی کیا ہو گیا“ جلدی دس میزوں۔۔۔ نئی سے میں نوں لپک ہاٹ (ہارٹ ایک) آ جاتا ہے۔“ اماں نے سوئی کے بازو کو ہلا یا۔

”کچھ نہیں اماں اور میں سے رجو کی گئی تو ذرا دل لگی کر رہا تھا۔“ سوئی جٹ پر اب کی ڈانٹ کا ذرا براہ راست نہیں ہوا تھا۔ اس نے بڑے فخر سے اماں کو اپنا کارنامہ بتایا تو اماں نے اپنا سر پیٹ لیا۔

”نسی دینی نا چھوٹی جی کل دایا رولا (شوہر) چلا دیندے ہو۔“ میں نے سوچا اللہ جانے کیا ابھوئی ہوئی۔۔۔ بجتی سوئی جڑان جہان ہے۔ جہان

اکا غصہ کرنے والی کیا بات ہے۔“ اماں نے اپنے کے فیسے کو بے بنیاد قرار دے دیا۔

”کچھ خدا کا خوف کیا۔ پتر دی ماں نہ بن۔ انسان بن تے سوئی جی بچ حرکت ہے۔“

”اے نے اماں کو فیسے سے گھورا۔

”پلو چھوڑ دی ہوں۔“ اماں نے اپنے کی بات پوری ہی نہ ہونے دی۔

”رب تو ڈرو۔“ ساڑے آگے وی دمی ہے۔۔۔ اکا بھی یاد رکھ لینا میری جودھروں کی ماں بہن کی عزت کرتے ہیں نا ان کی اپنی ماؤں بہنوں کی عزت بھی محفوظ رہتی ہے۔ دوسروں کی عزتوں کو جڑوں میں روٹنے والوں کی اپنی عزت میں ہی دل جاتی ہیں۔“

”ایسے کدھہ کی طور میں ہو رہا تھا۔

”میں کر دے لہا“ تیری مہربانی۔ میں بڑی دیر سے برداشت کر رہا ہوں اور پتر میری بہن کو کیا دوسروں سے مل رہا ہے۔ شیدی سوئی جٹ کی بہن ہے۔ سوئی جٹ کی کسی لالہ چوکی نہیں کوئی اس کی طرف سبکی نظر سے دیکھنے کو بھی۔ میں اسے لپک جتی کے نیچے یوں نہ مسل دوں تو میرا نام سوئی جٹ نہیں۔“

”سوئی جٹ نے سید شوک کر جڑ میں پہنچی ہوئی جوتی کو یوں زمین پر زور سے رکڑا جیسے اس کے نیچے کی کو دافنی مسل رہا ہو۔ بڑا ہی کلیر نا لہو اور اعزاز تھا سوئی جٹ کا۔ اور گھر انسان کے لیے تو تھا ہی نہیں ہے۔ یہ تو بس اسی ایک ذات کے لیے جو اکیلا ہرچ کر خالق و مالک ہے اور جو زمین کے کلیروں کو منہ کے بل کر کر انہیں ان کی اوقات یاد دلاتا ہے۔

☆☆☆

مجھ طیلا جیٹری جانے کے لیے سائیکل گھر سے باہر لٹکے لگا تو باہر دو دروازے کے پاس جا کر اس نے گردن موڑ کر پیچھے دیکھا مگر اماں کا نہیں کوئی نام و نشان نہیں تھا۔ اماں نے آج اپنی بیٹی سے ملنے اس کے گاؤں جانا تھا جو اس کے قصبے

کے قصبے سے کہا تھا کہ وہ صبح اسے سائیکل پر اڑے لگ جائے۔

”اماں جلدی کر لے ہوں۔“ تجھے پتا دی ہے کہ مجھے جیٹری گھر پر پہنچنا ہے۔“ فیسے نے آواز لگائی تو اماں چلا دوڑا کہ کر کرے سے باہر آئی۔

”بس پتر آگئی۔“ اماں آگے بڑھتے بڑھتے ایک دم ابھیں مڑی۔

”طیلا کے کہا“ بکریوں کو کچھ کھانے کو ڈال دینا اور شام کو ان کا دودھ دھال لیں۔“ مجھے آتے آتے دیر لگ جاتی اسے۔“ فیسے نے سائیکل گلی میں نکال لی۔ اماں جیسے اس کے پیچھے کھل گئی۔

”دوڑوں کو کئی کے ٹھوکر پیل جانا تھا“ کیونکہ گلی قدر سے تنگ تھی اور اماں کو گلی میں سائیکل پر بیٹھنے سے ڈر لگتا تھا۔ سائیکس جانا ہوتا تو وہ جی کے ٹھوکر پر جا کر سائیکل پر بیٹھتی اور کہیں سے آتا ہوتا تو گلی کی کے ٹھوکر پر ہی اتر پاتی۔“

”اکی دوڑوں گلی کے درمیان میں ہی پتر سے اسے گڈو آئی دیکھا آئی رہی جو جڑو والی دکان سے دس سے کر گھر جا رہی تھی۔ طیلا اور اماں اس کے پاس پہنچے تو فیسے نے سائیکل روک لی۔

”کیا حال آگیا ہے“ گڈو دینا“

”چنگا پاسی سٹاؤ۔“ گڈو نے اماں اور طیلے کو ان کے پاس طلب کیا۔ اماں تو چپ چاپ رہی۔

”رب داد کر مائے۔“

”ہاں کدھہ سے جا رہے ہو؟“ اماں جی بھر کر جڑو ابھوئی۔

”ہاں شہو کے گھر جا رہی ہوں۔“ اماں نے آگائی ہوئی آواز میں کہا۔ طیلے نے اماں کے تپور دیکھے تو گڈو کو بڑا کھا کھا کر آگے بڑھ گیا۔ اماں جی پیچھے تھیں۔

”نا۔۔۔ ہوں تجھے دیر نہیں ہو رہی تھی جو گاؤں کرے گا تو باہر گیا تھا۔ میری داری تو بچ منٹ انتظار دیا تو نے۔“ اماں نے۔۔۔ طیلے چلے کھوکھو کیا۔ طیلا اماں کی بات پر بس مسکرا کر رہ گیا۔

شیدی نے سارے گھر کی صفائی کی۔۔۔ اسے میڈ سے بات کرنے کی جلدی تھی جو کئی دیر سے کالوں پر کالیں کر رہا تھا۔ مگر شیدی کا یہ عمل کر کے اطمینان سے اسے بات کرنا چاہتی تھی۔ ابھی شیدی جھانڈا رکھ رہی تھی کہ اماں نے اسے آواز دی۔ اماں اور بھابھی اپنے سامنے ڈھیروں ساگ رکھے تھے اسے کاتنے میں مصروف تھیں۔

”کی شیدی جی اچھے آگے ساڑھے تال ساگ کٹواں۔“ اماں گلے سے موٹیل نوں سے کاتے نہ چل جاتی۔ شیدی اماں کے صدم پر جی بھر کر ہڑا ہوئی۔ اماں کو انکار اس لیے نہ کیا کہ وہ دن پہلے اماں نے اسے خیردار کر دیا تھا کہ اس نے موٹیل کی وجہ سے گھر کے کسی کو کم پتا نہ ہو تو وہ اس کے موٹیل کو اپٹ (اینٹ) مار کے توڑ دے گی۔ اب موٹیل سے غروم ہونے سے بھر چکا کہ اس کا کہنا ان لیا جائے“ کیونکہ اماں اک داری جو دھمکی دے دیتی تھی ضرورت پڑنے پر اس پر عمل بھی کر سکتی تھی۔

”اماں! توئی نا بھی میزوں آ آرام سے نہ بیٹھنے دیا کر۔“ شیدی کو بڑو کرنا ساگ چٹنے دینے لگی۔ اماں روایتی سے جلدی جلدی ساگ کاٹ رہی تھی۔ جبکہ بھابھی اور شیدی ساگ چٹن چٹن کر ماں کو دیتی جا رہی تھیں۔ شیدی کا سارا دھیان میڈ سے کوکل کرنے کی طرف تھا۔ اس لیے جلدی جلدی ہاتھ چلا رہی تھی۔

”لے لے اماں اب چھوڑا سا ساگ۔ وہ کیا تو اور اپنی ہاتھ دو دیکھو۔“ چھوٹی بھابھی و چاری کب سے گلی کپڑے دھو رہی ہے۔ میں جا کے ہا دھٹے ہوئے کپڑے دیکھنے سے بیڑے میں ڈال آتی ہوں۔“ شیدی نے چھوٹی بھابھی کے لیے پھر دی دکھائی تو نہ صرف چھوٹی بھابھی کا کم کرنا بھول گئی بلکہ اماں اور بڑی بھابھی کے شیدی کی یوں دیکھا جسے اس کے سر پر بیٹک لٹک آئے ہوں۔ شیدی کے سامنے کی خامش طور پر اس کی بھابھی تڑپ تڑپ کر سر بھی رہی ہوں تو وہ اٹھ کر ان کے منہ میں پانی کا قطرہ نہ چکا۔ نہ لڑکھائی

”کی تیری طبیعت ٹھیک ہے۔“ اماں نے ساگ کانٹے کانٹے رک کر اسے دیکھا۔ شیدی منہ بنا کر اٹھ گئی۔ پیلے دو اندر کمرے میں گئی۔ موہاں کو دوپٹے کے پلوں سے اندھا اور ہاتھ لٹک کر دھلے ہوئے کپڑوں کی باقی اٹھا کر پچھلے دبیزے کی طرف چلی گئی۔

پچھلے دبیزے میں آکر شیدی نے باقی زور سے پھینک دیا اور خود وہاں پر ہی چارپائی پر بیٹھ کر میدے کو غصا کا لڑی غور زانی میدے سے کال آئی۔

”میں نے کہا خود شید تھی۔“ اب یہ دو دریاں ہور برداشت نہیں ہوئیں۔ تسی بچہ کرو۔ کدھر سے ملے دو اپر وگرام بنادو۔“ میدے نے چھوٹے ہی کہا۔

”نامی امید سے ہی آپ کو کتنی دفعہ کہا ہے کہ ملیا نہیں جاسدا۔ خند نہ کر یا کرسی۔“ شیدی نے موہاں کان سے لگائے لگائے اپنا دو چٹاؤں درست کیا جیسے میدا اس کے سامنے بیٹھا ہو۔

”چٹاؤں کوئی پھر (تقویر) ہی بھیج دو تسی۔“ میدے نے ایک اور کوشش کی۔

”تسی میرے دیر سوئی جٹ کو نہیں جانتے۔ ان کو پتا چل گیا تا میرے سے پہلے تھان دی کتنی آ جاتی ہے۔ اس لیے میں آواز سے گزرا کر دیتی۔“ میدا امیں ہی ہو گیا۔

”تسی میرے سے اٹھار نہیں کرو۔“ میدا مان سے بولا۔

اور وہاں پہنچے۔ پاس جیسے ہوئے۔ اماں نے ہاتھ میں پکڑی ہوئی اور سر پر لی ہوئی چادر تاکر صحن میں دھکی چارپائی پر رکھی اور ان کے پاس آ گئی۔

”اماں تو بیٹھ میں پانی لے کے آتا ہوں۔“ شید نے چونک آگے کی اور خود پانی لینے اٹھ گیا۔

”لے اماں پانی پی۔“ ہم تا روٹی کھانے لگے۔ ”پچھا ہوا تو آگئی۔“ اسے نے دال پکائی ہوئی تھی۔ دو ٹیال میں تندور سے لے آیا تھا۔ ”شید نے دال ٹوڑیوں میں نکالی اور ایک کٹوری لہا کی طرف بڑھائی اور دوسری اماں کی طرف۔

”اماں تو ہوں آ رام کر۔“ آج باغ سے دی میں دھولوں کا۔“ شید نے بڑھ کر سمیٹ کر کہا تو اماں اٹھ کر اندر چلی گئی۔ طیفہ برتن دھو کر آیا تو اماں چارپائی پر دوپٹے کی کھولے بیٹھی تھی جو اس کی بہن نے وہاں پر اماں کے ساتھ کی تھی۔ اماں اس میں سے میدے دھلا گز نکال کر تسی کے پیالے میں رکھ رہی تھی۔

چارپائی پر بیٹھ گیا اور طیفہ اپنی حالت سے تسی کے غم سے کب کبش پر۔

”یہ تو خود اتم لوگ پچھ لو۔ باقی میں سنبھال کے رکھ لو۔“ تسی وقت ساٹن نہ ہوئے سے چٹوڑو ٹال روٹی کھائی چائے کی۔“ اماں نے طیفے اور اس کے اسے کی طرف لڑکی ایک ایک ڈی بیڑھا۔

”اماں! وہ مجھے اک ڈھکیں ہور دے۔“ طیفے نے ڈرتے ڈرتے کہا۔ اماں نے اسے گھوری ڈالی۔

”میں نے کتنی دھاری کہا ہے کہ زمین پر نہ بیٹھا کرو۔“ دیکھ کپڑوں پر کتنی مٹی پھری ہوئی ہے۔ ”مجھے مت نہیں آ سکتی۔“ تیرے پکڑے ہوئے دھت میرے ہاتھ دکھ جاتے ہیں۔“ اماں نے اس کے کپڑوں کی طرف اشارہ کیا۔ جہاں کی جگہ مٹی کے ٹکے چکھڑٹان تھے۔

”یہ جو مٹی زمین سے آماں۔“ انسان کو اس کی اوقات نہیں پٹنے (بھولنے) دیتی ہے۔ تاہم وہ اپنے یاد رکھتی رہتی ہے کہ بعد کچھ دہی کر لے۔ کچھ دین جانے۔“ آخر اس کو اس مٹی دین ہی ملتا ہے۔“ طیفے مسکرایا تو اماں کی جان جل گئی۔

”تیری گلاں دی دکریاں ہوتی ہیں۔“ چل جانا۔“ وہ آئے آگڑو کے کھر۔“ اماں دوبارہ گڑ کی طرف متوجہ ہو گئی۔

☆☆☆

”تسی کیا چاہئے پارت سے اپنے پتر کو ہاں ہے اس گل کو۔“ آج سور سے مائی برتے آئی تھی جواب لینے۔“ اماں نے رات کو اسے کے سامنے حق تازہ کر کے رکھا۔ لہا کی گہری سوچ میں تھی۔

”ہوں۔“ لوگ تو پتے ہیں۔ تو نے اپنے بڑاں سے بات کر لی تھی۔ دو کیا کہتے ہیں۔“ اسے نے کئے کاٹش کا کر پچھا۔

”آہو۔“ وہ کہتے ہیں جیسے اب کی سر تھی۔“ ”یہ خیال ہے تیرے ہم لکھ کرے۔“ کوئی تاریخ رکھ نہیں ہیں۔“ تسی کی۔“ اسے نے بات مٹل کی۔“ تے میں سوئی جٹ گھر میں داخل ہوا۔ اسے نے اسے آواز دی۔

”کل سن منڈیا۔“ سوئی جٹ آکر سامنے گئی ہوئی چارپائی پر بیٹھ گیا۔

”تسلوں سے ہم اس پنڈ میں رہ رہے ہیں۔“

میں طلاس (شکایت) نے گرا آئے۔ ہر اک طبق (تالاق) سے آوارہ کھوں پیدا ہو گیا ساڈے خاندان وچ۔“ اسے نے اس کی کلاں لی۔ اماں منہ کھولے اس بات کا کہیں مٹھ کر کسی کوشش کرنے کی اور سوئی جٹ منہ تار دوسری طرف دیکھنے لگا۔

”پر ہو یا کی ہے تسی؟“ اماں نے پچھا۔

”آج مجھے رجو کے باپ نے راستے میں روک کر اس سوئی کی کلیت کے لیے کہے کہ اس کی پٹی کو تنگ کرتا ہے۔“ اسے کو بیڑا ملاں تھا۔

”جانے۔“ وہ دوبارہ اور کر دیتی کیا سکتا ہے۔“ سوئی جٹ نے جبر سے موچی کی بے بسی کا پیسہ حرا لیا تھا۔

”پر میں نے اک فیصلہ کر لیا ہے۔ شیدی کی مٹھی والے دن میں نے تیری مٹھی دی رجو کے ساتھ کر دیتی ہے۔“ اسے نے سوئی ارا اماں کے سر پر مٹھ پھوڑا۔

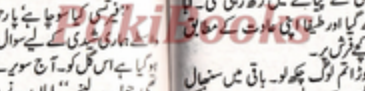
”کیوں لہا۔“ کہاں ہم جٹ۔“ کہاں وہ موچی۔ میرے لیے وہی روٹی ہے۔ میں تو میں جٹی سے دیا ہوں کہ جاتی ہے۔“ سوئی جٹ نے پھول کر کہا۔ لہا کے ہوتوں پر بڑی طریہ مسکراہٹ ابھری۔

”پچھا تو فیرے جٹ آتے جاتے اس موچن کی راہ دیوں دور کتا ہے۔“ اسے کا لہجہ اڑا تھا۔

”وہ تو جس ایس دی دل گئی کر ہا تھا زارا۔“ تیری دل گئی کی اس کی تھی۔ خبر اور جواب دو بار وہ اس پٹی کو تنگ کیا تو وہ نہ یاد میں جس دی تیرا باپ ہوں۔“ تیرا نکاح نہ رجو چل کر آیا تو میرا نام بدل دیو یں۔“ اسے کا بس نہیں چل ر ہا تھا کہ پچھر پکڑ کے سوئی جٹ کی کمال اوچیر دے جو اپنے کیے پر ذرا برابر رشتہ دہن تھا۔

”نہ تسی کسی ایک گھ دو۔“ تسی سوئی کے باپ ہو یا اس بیٹری رجو کے۔“ اماں کو ابے کا یہ انداز ہر برداشت نہ ہوا۔

137 جولائی 2018



لڑی میری دی تھی کسی ہے۔ اس لیے میرے قوسی رعایت دی امید نہ رکھنا۔" ابے نے صاف صاف لفظوں میں اپنا فیصلہ سنایا۔ سوئی جٹ نے ابے کا ارادہ کچھ کر دل میں فیصلہ کر لیا تھا کہ آئندہ وہ جو کچھ کہیں گے گا مگر بظاہر وہ خاموش ہی تھا۔ اماں اور سوئی دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر نظروں میں نظروں میں ابے کی طرف اشارہ کر رہے تھے۔

☆☆☆

شیدی کی مچھی ہوگئی۔ مچھی والا پورا دن اس نے موبائل آف کر کے صندوق میں رکھ دیا تھا۔ دوسرے دن وہ اپنی مچھی میں آیا ہوا سامان گاؤں کی کڑیوں کو دکھاتا رہی۔ سارا دن اسی کام میں گزار گیا۔ شیدی کو موبائل آن کرنے کا وقت ہی نہ ملا اور دوسری طرف میدے کی جیسے دنیا بھر ہوگئی۔ وہ بند ہی رہا۔ آج تیسرے دن جوڑا دیا بشپا مگر بند بھر معمول پر آیا تو قارقار ہو کر شیدی نے جیسے سو بادل آن کیا۔ میدے کی کال آگئی۔ شیدی نے آج اس کے ساتھ دو ٹوک بات کرنے کا فیصلہ کیا اور موبائل اٹھا کر کھیلنے ویڈیو سے میں چلی گئی اور موبائل کان سے لگایا۔ ابھی اس نے ویڈیو بھی نہیں کیا تھا کہ دوسرے طرف میدا شروع ہو گیا

"خود شید قاتی۔۔۔ مجھ سے کیا لفظی ہوگئی تو تمی میرا فون ہی نہیں سنتے ہو۔" شیدی نے ناک پھلا اور آکھیں چڑھا کر اس کی بات سنی۔ اب اسے کیا ضرورت کی وہ دو دو گئے کہ لڑکوں کی منہ کی۔ اب تو خبر سے وہ خود ایک حد تک فکیر والی بن گئی۔ اب وہ اپنے منکبتر سے بات کرے گی کہ اس ٹانے سے۔ ویڈیو بھی اس کی تھنا ہے بھائی کی فرمائش پر مگر والوں نے چوری چھپ کر کانبرے لگی تھی۔ "کسی بولے کیوں نہیں جی۔" میدے کی جان پھیل پھیل رہی تھی۔

"دیکھو۔۔۔ میرے پاؤں چل رہا ہے کہ

دن تک میرا موٹیل بند تھا۔ آج بڑی مشکل سے موٹیل چھری کیا ہے تاکہ مجھے اطلاع دے دوں کہ آئندہ وہ فون نہ کرے۔" سنی سے میرے ساتھ جو ہوئی ہے زندہ تھے نہ بھی نہیں رہتا۔" شیدی نے دو ٹوک بات کر کے میدے کو ڈرایا۔

"میں تو جی آپ کے لیے جان بھی قربان کر سکتا ہوں۔" میدا کہہ لایا۔

"او۔۔۔ مجھے نہیں چاہیے تیری جان۔ بس تو میری جان بچھو۔" شیدی ٹھٹھا ہوئی۔ "دو دن تیرے ساتھ دل لگی کر لی تو تو چڑھ ہی گیا ہے۔ بس آئندہ وہ فون نہ کرے۔" دوسرے نے نہ جانے کیا کہا کہ شیدی ساری احتیاط بالائے طاق رکھ کر چھٹی گئی۔ فون بند کر کے شیدی جوں ہی مڑی اس کی روح فنا ہوئی۔ چارپائی پر پاؤں لٹکائے سوئی اسے سرخ سرخ آنکھوں سے گھور رہا تھا۔ وہ جو جھوڑی دیر پہلے سونے کی نیت سے ادھر آیا تھا۔ شیدی کی ساری بات سن اور کچھ بکا تھا۔ شیدی نے داپہاں جانا چاہا تو سوئی نے اٹھ کر اس کے ہاتھ سے موبائل پھینکا اور چراس کے بال پڑا۔ "اے غیبت کھر جاری ہے تو۔۔۔ یہ کون بار تھا تیرا؟" شیدی نے اپنے بال پھرانے کی کوشش کی مگر نہ کام رہی۔

"میلدی پول۔" سوئی نے ہالوں کو ایک جھٹکا دیا تو شیدی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ "میں باورہ کوئی راگ نہیں تھا۔ اس لیے ڈانٹ رہی تھی۔" شیدی نے جھجھٹ سے بات بنانا چاہی۔ "تو مجھے لگا ہوا تھا مجھے ہے۔ جلدی بتا نہیں تو ابھی جا کے اماں لہا کو بتانا ہو تیرے تو کہتے۔"

شیدی لڑتی لڑتی اگر بات پھیل جاتی تو اس کی فونلی مچھی خطرے میں پڑ سکتی تھی۔ سوس نے سب کچھ بچ بچا بنا دیا۔ سوئی جٹ سب کی طرح مل کھاتا رہا۔ ساری معلومات لینے کے بعد اس نے سمجھنے سے شیدی کے بال چھوڑے تو وہ گھٹنوں کے غل جا

"مرادھر۔۔۔ مجھے تو بعد میں دیکھوں گا۔" سوئی نے تو دیکھے بھی یہاں سے دُخ ہو جاتا ہے۔ اصل حزا تو میں اس کو پھلکاؤں گا جس نے سوئی جٹ کی عزت سے کھینے کی کوشش کی ہے۔" سوئی جٹ ایک شعلہ پار نظر اس پر ڈال کر مڑا تو شیدی اس کا اعزاز دیکھ کر تھری طرح اڑتی ہوئی اس کے سامنے کھڑی ہو کر اس کا راستہ روک گئی۔

"اٹھ گا واسطہ ہے یا۔۔۔ کھل کو زیادہ نہ بڑھاؤ۔ میں اور میدا صرف گھاں کرتے تھے۔ کوئی لے نہیں نہ لکدی کوئی اور غلط کام کیا ہے۔ معاف کر دو پانی۔" شیدی نے ہاتھ جوڑ دیے اس کے نزدیک کی غیر مردے باتیں کرنا کوئی کنا نہیں تھا۔ اسے اعزاز نہیں تھا کہ ایک راگ کال سے شروع ہونے والی یہ دل کی ایسی گھٹنیں صورت حال اختیار کر گئی۔

"میں دُخ ہو رہے۔ اس کو تو میں ایسا سبق لاساؤں گا کہ اس کی سب گھٹنیں یاد رہیں گی۔" سوئی نے اسے پرے دھکیل کر آگے بڑھا تو شیدی اس کے بھروسے پر لپٹ گئی۔ "پا۔۔۔ کوئی ایسا علم نہ کرے کہ فیر پچھتاہ پڑے۔ معاف کر دو اس کو کبھی۔" شیدی اس کے بھروسے پر چلی گئی اور یہی کہی۔ وہ سوئی کی انتقام لینے والی فطرت کو جانتی تھی۔ اسے تو تھا کہ کہیں میدے کو جان ہی سے نہ مار دے۔

"کوئی بڑی بھروسہ ہو رہے تھے اس کہنے بد ذات سے۔ بدلات تو میں اس سے لے کر رہوں گا۔" سوئی جٹ نے اپنے ڈک بھرتا چلا کیا اور شیدی گھٹنوں کے غل کر رہی رہی۔

☆☆☆

سوئی جٹ میدا شیدی سے ذلی کے ڈیرے پر آیا مگر وہ پارٹی کے کچا بچے میں شریک کے لیے شہر کیا ہوا تھا۔ ڈیرے پر بی المال کوئی نہیں تھا۔ وہ درختوں کے نیچے چھی چھپی پارٹی پر بیٹھ گیا اور

"کیا کروں میں اس کا۔۔۔ جانے مار دو تو کام ختم۔" پر نہیں۔ مجھے ایسا ارادہ لگا ہے جسے وہ ساری حیاتی جٹ جٹ کے رہتا ہے ارادہ دہم لکدی نہ بھرے۔" سوئی جٹ مل مل کر سوچتا رہا اور پھر جیسے اس کے دماغ میں ایک خیال کوندے کی طرح اڑا اور وہ دم کوندے کے سے انداز میں چارپائی پر بیٹھا اور سکرانے لگا۔

"اے کھل ہوئی نا۔ اب اس کو جٹ گئے کہ سوئی جٹ کی عزت پر جھوٹا لائے کیا نتیجہ نکلتا ہے؟" اس وقت وہ یہ بات بھول گیا کہ اس نے زبردستی اس کی 'عزت' پر جھوٹیں ڈالنا۔ بلکہ اس کی 'عزت' بھی اپنی پوری رخصتا میدے سے اس کے ساتھ شامل تھی۔

"اے میرے اسراحت والے پنڈ میں میدے نام کا ایک منڈا اڑتا ہے۔ اس کے بارے میں ساری معلومات لے کر آ۔" کون ہے۔ کیا کرتا ہے۔ کتنے بہن بھائی ہیں۔" سوئی جٹ نے انگلی دے کر فیرے کتھے سے پانچ سو کاؤٹ دکھ کر دوڑ لایا۔ "میدے کی پنڈ میں پرچان کی دکان ہے۔ اما مرچکا ہے۔ بڑھی ہاں ہے۔ بہن بھائی ہیں۔ بہن اک ہی ہے جو قبیلے میں دہائی ہوئی ہے۔" شام کو فیرا پوری معلومات کے ساتھ حاضر تھا۔

"ہوں۔۔۔ اس کی بہن کس قبیلے میں رہتی ہے؟" سوئی جٹ نے سوچوں کو تادڑ کے کپڑے چھما۔ "شہر کے پاس واسلے دے قبیلے ج پور میں۔"

"چل ٹھیک ہے، تو جا۔" سوئی جٹ نے فیرے کو جانے کا اشارہ کیا اور خود گہری سوچ میں ڈوب گیا۔

☆☆☆

ایک ہفتہ ہو گیا تھا سوئی کو شیدی سے موبائل لے ہوئے اور شیدی جیسے کم کم ہی ہوگئی تھی۔ موبائل جانے کے کم میں نہیں بلکہ اسے یہ نظر کھانے چاری تھی کہ کہیں سوئی میدے کو کوئی نقصان نہ پہنچا دے۔

کی نظر لگ گئی ہے۔ ہر ویلے ڈری بھی سی بھی رہتی ہے۔" اس نے سب کی توجہ شیدی کی حالت کی طرف دلائی۔ مہاسیاں دہلی دہلی سی ہستی رہیں۔ البتہ پریشان ہو گیا۔

"آہوں۔ میں آج اس کو موبی (مولوی) صاحب سے دم کروانے لے جاؤں گا۔" اسے نے حقہ گڑگڑاتے ہوئے کہا۔ رات کو مویشی پاکر شیدی سوئی جٹ کے آگے ہاتھ جوڑ کر کھڑی ہو گئی۔

"ایک اداکاری صاف کرو۔" پھل دین ہو گیا اپنی اس جڑی (بری) فصل لے کر میرے سامنے نہ آیا کرو۔ دور رہا کر میری غلوں سے۔ کہیں میں تجھے اوپر نہ پہنچا دوں۔" سوئی جٹ کا بس چل تو وہ شیدی کا ٹھکانا ٹھونک دیتا۔ مگر کیا کیا تا کاس کی اکوں اک بہن گی۔ یہی سبب وہ جس سے وہ بہت پیار کرتا تھا۔ اسے لے جاتے ہوئے بھی اسے کوئی روکنا پڑتا مشکل تھا۔ اسے لے سوئی نے اس کے جیسے کی سزا بھی میدے کو دینے کا فیصلہ کیا تھا۔ شیدی گری تو وہ جاتے جاتے پٹتا۔

"چل کیا یاد کرے گی" صاف کہتے تھے بھی اور اس بے غیرت میدے کو بھی۔ "سوئی کی بات سن کر شیدی کی آنکھیں جھرت سے کھلنے لگیں۔ "پٹا پٹا۔" چنچنوں بعد اس نے گلوں سے ٹکھا۔ ضرور دل کا ایسی مہاسہ جو ساری حیاتی یاد کرے گا۔ "سوئی خفا سے سر ہلا کر شیدی نے الجھ کر اسے دیکھا اور اس کی بات کا مطلب سمجھنے کی کوشش کرنے لگی۔

☆☆☆

سر شام عجیب لالہ آندی سی چمکی تھی جو دیکھتے ہی دیکھتے زور پکڑتی۔ زوردار ہوا درختوں کو اپنے رخ پر بول بھگتی رہی جیسے جڑ سے اکھاڑ کر ساتھ لے جائے گی۔ کئی پرندوں کے آشیانے ٹھہر گئے۔ گندو نے اپنے بچوں کو گھر کے اندر کیا اور

سراپا کر کہا۔ "اسی سان اس کے سوہنے کے ساتھ تھے۔ گندو نے بچوں کو اپنے سے پاس بٹھایا جو برآمدے میں کچی چار پائی پر بیٹھے ہوئے تھے اور خود پیچھے تھے بڑے پار پٹی ٹانے میں آگئی۔ ہوا کا ایک زوردار جھکڑ آیا اور مٹی زمین سے اٹھ کر آسمانوں کو چڑھنے لگی۔ گندو نے تیار ہانڈی پکڑے سے پکڑ کر پیچھے سے اتاری اور اندر کمرے میں رکھ آئی۔ وہیں رہتی تو رات تک کھانے کے قابل نہ رہتی۔ گندو بڑا آدمی تھا۔ اسے کچی دوسری چار پائی پر بیٹھتی تھی۔ بچے اس کے پاس آگئے تو اس نے انہیں اپنے دائیں بائیں بٹھالیا۔

"ایسا! رب خیر کرے بڑی زور کی مینری (آغوشی) ہے۔" گندو کا دل عجیب بے سکونی کا شکار ہو کر کچلنے لگا ہاتھ تھا۔ "رب بادشاہ خیر کرے سب دی۔" اس کے سر سے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی۔ ابھی وہاں ہی کمرے سے پٹتی آندی تھی۔ گندو نے اسے دیکھا اور پھر چنچتہ بعد یوں رک گئی جیسے کسی نے ہوا کے تار پر ہاتھ رکھا اس کا دم ٹھونک دیا۔ ہر طرف سکوت سا چھا گیا۔ اسے میں ان کا دروازہ زور سے دھڑ دھڑایا جیسے آئے ولا دروازہ دوڑ کر اندر آئے کا ارادہ رکھتا ہو۔ گندو نے دہلی کر بچوں کو اپنے ساتھ پکچلا کر۔

"او۔ کون اے۔" پٹا۔ "گندو کا سر اٹھ کر دروازے تک گیا۔ "دروازہ کھلو۔" کرسٹ ہی ٹاشا سا آواز آئی تو گندو کے سر سے دروازے کی زنجیر گرا دی۔ آئے والے دو قہاب پڑی تھے۔ دونوں کے ہاتھوں میں پتوں تھے۔ انہوں نے گندو کے سر کو دکھا دے کر پرے کر لیا اور خود ٹھہر گئے۔ "کون ہو گی؟" گندو نے پکچائی آواز میں پوچھا۔ وہ دونوں اب برآمدے میں کھڑے تھے۔

سر زمین سے ہاتھ کھڑا اور وہیں سے گندو کو زوردار کہا۔ مردو دوں اس طرح گندو کے سر پر کھڑے تھے کراب بھاگتا تو کیا کھڑے کر کھڑے ہوتا بھی مشکل تھا۔ "او۔ تے تو گندو اے۔" ایک قہاب پڑی نے گندو کو پار سے نیچے تک دیکھ کر جس انداز میں کہا گندو کی روح تک پکچا پٹھی۔ "ک۔ ک۔ ک۔ ک۔ ک۔ ک۔ ک۔ ک۔ ک۔ ک۔ گندو کے پیلے پڑتے چہرے پر خوف کے سائے لہرائے گئے۔ "ابھی دس ہی گئے کہ تم کون ہیں۔" چل اٹھ۔ "ایک قہاب پڑی نے گندو کو بازو سے پکڑ کر اٹھا کر دیا۔ گندو کے سینے کیم کر رونے لگے۔ گندو کا بڑھاسا ہر ہاگ کر آگے آیا۔

"لوئے جھڈ دے اس کو۔" دوسرے قہاب پڑی نے اسے دکھا دے کر پرے کیا اور مینا قہاب پڑی گندو کو کھینچتے ہوئے صحن میں لے گیا۔ گندو خود کو پھڑانے کے لیے اپنا پاراز اور نگاری کی۔ اسی کھینچا جانی قہاب ایک قہاب پڑی کا قہاب اتر گیا۔ سامنے سوئی جٹ کھڑا تھا۔ کمر گندو تو اسے جانتی تھی نہیں جانتی پہچانتی کیسے۔ وہ گندو کو کھینچتے ہوئے گھر سے باہر لے جا رہا تھا۔ جب گندو کی ساری حواس میں سے کار ہونے لگیں تو اس نے حلق کے بل چلا تا شروع کر دیا۔ بچے الگ ہی رہے تھے۔ اس کا سر اٹھ کر ان کے پیچھے لپکا مگر جب سوئی جٹ گندو کو گھر کی چوکھٹ سے باہر لے جا چکا تھا۔ گندو کی چادر گھر کے صحن میں گری۔ ایک چٹیل برآمدے میں دوسری صحن میں اتر گئی۔ وہ نیچے سر کھینچے جٹ کے ساتھ کھینچتی چلی جا رہی تھی۔ ان کی ٹانگیں سن کر اٹھل مٹھل باہر بھاگے مگر باہر کی صورت حال ان کے سامن و مکان میں بھی گھڑی تھی۔ آج ان کے پیچھے میں کسی کے پاس معمولی چوڑی تک نہیں ہوئی تھی اور کہاں اب یوں دوڑا تو ان کے پیچھے میں کسی آئے تھے۔ بات تو خوف زدہ ہونے والی ہی تھی۔ سب کے سوچے سمجھے کی صلاحیت جیسے کم ہوئی۔ اسے میں

کون بہت کمزور تھی۔ سر سے سرکے تھے۔ تو جیسے ان کو کون کوٹھڑی آیا۔ "اوئے۔" روگو ان کو۔" سر کا کر رہے ہیں؟" دو تین مردوں نے آگے بڑھ کر گندو کو بھانپنے کی کوشش کی تو سوئی جٹ نے دو تین ہوائی قاتر کر دیے۔ قاتر کی آواز سن کر جو بھانپتا تھا وہیں جم گیا۔ اپنی جان بھلا کے پیادری نہیں ہوئی۔ گندو کی ایک آستین پھٹ کر اس کا بازو میں گر پڑی۔ "رب کا خوف کرو۔" جھڈ بیٹوں۔ "گندو نے آخری کوشش کی مگر سوئی نے اسے زمین پر پیچھ دیا۔ ☆☆☆

طیلا جھڑی سے واپس آ رہا تھا۔ اپنی گلی کے کھڑ پر دس دیکھ کر ٹھوڑا پیچھے ہی سائیکل سے اتر گیا۔ "رب خیر کرے۔" اسے کیا ہو گیا؟ "وہ دل ہی دل میں کہہ رہا تھا۔ اسے میں ان کا ایک کھلے دار بھاگتا ہوا اس کے پاس سے گزرا۔ "کی کھل سے پاسرو؟" وہ صحن بھاگتے ایک لمبے کور کا۔

"دو ڈاکو گندو مبین کو کھینچ کر لے جا رہے ہیں اور فرنگ (فانزنگ) بھی کھینچے سے ڈاکوؤں نے۔" وہ صحن اتنا ہی کچھ کر دو بارہ بھاگ گیا۔ ٹھٹھے لائی سائیکل وہیں کھینچی اور چھوڑ کر طرف دوڑا۔ "اب حیرے بھرا میدے کو پتا چلے گا کہ دوسروں کی عزتوں سے کس طرح کھینچتے ہیں۔ (دوبہ) بات بار بار بول جاتا تھا کہ اس کھیل میں اس کی عزت بھی برابر کی شریک تھی۔ (میدے کو کس ایسا زخم دوں گا آج کر ساری حیاتی دوں اس کو جانا رہے گا۔ اسی نے سوئی جٹ کی عزت کی طرف تکیا ایک سے دیکھنے کی جرات کیسے کھیتی۔ آج میں تجھے سزا دے دوں گا سب کے سامنے بے عزت کران کا اور دیکھوں گا کہ تجھے کون بچاتا ہے۔" سوئی جٹ نے فرعون کی لہجہ اختیار کیا۔ سوئی جٹ اسے تین ایک کر دڑا بے بس اور بے حضور صورت پر چلی چلا کر اور اسے اذیت دے کر اپنی مردانگی کی تحسین کر رہا تھا۔ طیلا

مختبینِ قہیم کرتی ہیں



دلی ہو گئیں کہ سدا کی پیمیں والوں کو معلوم ہو گیا ہے کہ میں رقت بٹ کا بندہ ہوں۔ دلی ہو سزا ہے اب جیل میں۔" شید سے ملی نے منہ سے دل ہی دل میں کہا اور فون اپنی جیب میں ڈال کر باہر نکل گیا تاکہ باقی سب کو بھی سمجھا دے کہ کوئی فون آئے تو سوئی کو بچانے سے صاف کر جائیں۔ قہانے داروڈے ملک کا رشتہ دار تھا اور دے بے ایمان داراؤ دی تھا۔ اس نے فون بند کر کے سوئی جٹ کو گھوڑا۔

"کیا کہتے ہو اب؟" سوئی کوئی جواب دے بغیر چپ چاپ بیٹھا رہا۔ وڈے ملک کی سپورٹ کی وجہ سے سوئی جٹ کے خلاف پکا پوچھ کر گیا۔

☆☆☆
سارا محلہ گڈو کے گھر جمع تھا۔ سب انہیں تسلی دلا سے رہے تھے مگر گڈو کا سکتہ فون ہی نہ تھا۔ اس کا سر بھی ایک طرف بیٹھا سر پر بازو رکھے سک رہا تھا۔ غریب کے پاس عزت کے سوا ہوتا ہی کیا ہے۔ اگر وہ بھی بچ چلا رہا ہے پر تار تار ہونے لگے تو کھڑا بندہ امر جاتا ہے۔ قہانے سے فارغ ہو کر طحطا اور وڈے ملک سپرے گڈو کے گھر آئے۔

"چاپا" گھر آیا نہ۔ میں پکا بندہ دست کر کے آیا ہوں ان کا۔" وڈے ملک نے گڈو کے سر کو ملی دی۔ ٹھوڑی دیر میں گڈو کھلے گئے۔ طحطا بھی گھر جانے کے لیے اٹھا تو پہلے آگے بڑھ کر گڈو کے سر پر ہاتھ رکھا اور مردہ گڈو کے تن میں پیسے جان پڑ گئی۔ اس کے آنسو گرنے لگے۔

"پسے اب تو نہ آتا تو۔" گڈو اپنی بات مکمل نہ کر سکی۔

"چل چلیے۔" چپ کر باورائے کا شکر اس نے کسی وڈے نقصان تو پہنچایا۔ طحطا نے اسے چپ کر لایا۔

☆☆☆
"میں تو یہ سوچ رہا تھا کہ میں یہ سب کراں چا تو کسی کو کس دن چرچیں گے ہوئی۔ پنڈ میں سب کو پتا چلے گا تو کسی سے عزتی ہوئی۔ اور یہ بات بھی جیل کی

اور اپنے خاندان کی رسوائی کا سامان کر چکا تھا۔ طحطا گھر میں داخل ہوا تو اسے پوری امید تھی کہ آج انہیں ملے گا۔ اس نے اس کے سر میں جوتاں مارتی ہے۔ وہ ڈرتے ڈرتے گھر میں داخل ہوا تو انہیں اور لایا چار پائی پر بیٹھے ہوئے تھے۔ اسے دیکھ کر وہوں اٹھے۔

"او۔" پانچاں۔ ان کے جھٹ میں پستول تھا۔ تینوں کوئی مار دیتے تو۔ اکواک ہترے ہمارا آتے کچھ ہو جاتا تو ہی دونوں بڑھا بڑھی کیا کرتے۔ آج اماں کی بھانے اپنے نے طحطا کوڑا اٹھا۔

"ابا اس وقت میری جان کو کون بھادہ گڈو؟" بہن کی عزت زیادہ جتنی ہی۔ طحطا نے انہیں چنگی کر کے جواب دیا۔ وہ اماں لایا کی کیفیت بگھڑا تھا۔

اماں کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ آج اپنے کی بھانے اماں نے اسے گلے لگا کر اس کا ہاتھ بھاندا تھا اور دھنہ پر چنگی دیتی تھی۔ طحطا نے اماں کو جیت سے دیکھا۔

"ہاں ہتر۔" تو نے اب گڈو کو بچا کر یہ سب ثابت کر دیتی ہے کہ سو مارا دے دیتا ہے جو عورت کی چاہے او کوئی دی ہوئے نہ صرف عزت کرنے بلکہ

اماں کی عزت کی حفاظت دی کرے۔ شاپاش ہتر شاپاش۔" اماں نے بان سے طحطا کو دیکھا اور لایا اور طحطا منہ کھولے اماں کو دیکھنے لگے۔

☆☆☆

☆☆☆
جو یہ لڑکی گھر کے طور پر چلے سیکھ پائی ہو۔“
سب کے سامنے ہوئی اپنی عزت افزائی دیکھ کر
وہ پائی پائی ہوئی۔ سامنے بیٹھاراض گھڑی دل چسپی
سے ٹپکی ڈنکن اسکرین پر بانگد بکھر رہا ہے۔
”مگر سامنے جانے والوں کو کچھ کچھ بحث باورچی
خانے میں کسی ہے اور بحث چلتے چلتے اور بجٹ
پلیٹ میں کچھ سامنے جھڑپ ہو جاتی ہے۔ اب بھلے
آگے سامنے والی ہو تقریر ہی ہو، کبھی کبھی کے بپے کبھی خالہ
ذکیہ ہو یا پھر بچوں کی شکایت لے کر آئے والی گھڑی
کٹھوم۔“
ماں کی بات سن کر اس کی بڑی نند نے ایک
قتبہ لگا کر اس کی طرف دیکھا اور اس نے چوتھروں
سے اسکرین پر نظریں جمائے راض گھڑی۔ اسکرین
پر باکسر نے اپنے مخالف کو جیز سے رزور کا شہ مارا اور
وہ اپنے دل پر ہاتھ رکھے سوچ رہی تھی۔
”سب افسانائی بیچ سے زیادہ دلی ہوئی ہے۔“
”مٹلے سے آئی صورت کو صرف جانے کا سرسری
سایہ چمٹا ہے۔ رشتہ داروں کو صرف خالی جانے کی
پیالی تھمتی ہے۔ نندوں کے سرسایوں کو دیکھتے ہی
کھانے کا انتظام کرتا ہے۔ مردوں کے آئے مہمانوں
کی فرسے پورے لوازمات سے پر ہو۔ جبکہ بیٹھائیوں
کے سینکڑوں صرف جانے پانی کا پچھا جائے۔“
نشتے کے حساب کتاب کے بعد اس نے دل
پر جبر کرتے ہوئے مہمانوں کو بھٹکانے کا سرسالی
طرز تہنیتی ابراز کیا۔
☆☆☆
”نیاز گھر کے پانچ بچوں کے دل لہو باجھائی ختم کو
ہے، جن، فیاض گھر کے سات بچوں کے چودہ لہو
ہماچی آسید کو راض گھڑی کے پانچ لہو اپنے کرے کی
لماری میں رکھتے ہیں جبکہ نندوں کے بچوں کے

پورے سے بچے ہوا بعد کھتے خانوں کی جڑ سے اس کے گھر آئی گی اور ساتھ لائی سوفائیں دیکھ کر اس کے سر ایوں کے تو حقیقتاً ہاتھ چڑھ چکے۔ سرسری سا سلام کر کے سب ہی چڑھ کر سنبھلے گاں لگ بھگ گئے۔ وہ کھل کے کئی بھگ کر ماں کو دیکھ کر نہیں پائی گی کہ بچن میں بڑے دیسی گی کے لٹوؤں پر درجن بھر بچوں کا حملہ کیا کرے گی ان کی جگہ ساس نے اسے دیکھی گی کے لٹوؤں کی تکیہ کر کے پر دیا۔ وہ چھوڑ کر تھینا بار لٹوؤں کا کھتی کر بھیگی مگر ہر بار ڈار انک دم میں بھیگی ماں کی۔
 ”جویرہ کو بلا دو، بہن تھیں شام سے پہلے جانا بھی ہے۔“ بات سن کر بھیگی چھوڑ پائی۔
 ”دیسی گی کے کتھر افغا کر میرے کمرے میں تو رکھو نا۔“ لٹوؤں کے حساب سے یہ مشکل جان چھوڑ گی کہ ماں کے لیے پانی کا گلاس لے جاتی جویرہ کو کوار جی مانے کے دو اترے پر ساس نے بھر سے دھرایا۔ گلاس میں دو رکھو دو لٹوؤں کے پائوں کی ان کو نہ لگی۔
 ”خالصو دیسی گی ہے جسے پانی خالص رکھو اور نہ جس دن مگر میں نے اسے ہوا ہے تیری سوئی بیٹھنا تھا تو سنبھڑی تو رہی میں بھی دیسی گی انڈیل رہی گی۔“
 انہوں نے چنگ کے نیچے اسے گھسا کر کتھر بچا ہے۔
 ”تم کو کس کے فائدے کے لیے بچا ہے اور نہ تھوڑا کواں قسم ہوتا ہے اور پھر آسے کے دن بھی تو یہ بچ جیسا دور نہ ہے شہر والے تو در ہزار میں ملاوٹ والا بھی دیسی گی کا چنگ لکڑی کا کھانچا لاتے ہیں۔“
 انہوں نے چنگ کی چادر تقریباً فرش پر گراتے گئے گواہت جوت نکھڑا لے۔
 بنگ کے نیچے سے نکلنے کی اس نے جلدی سے باہر رخ دوڑ لگی مابا انہیں کوئی اور کام پادتا جائے مگر کسی قسمت کا اندازہ رہے باض تھہ سے نگرانی۔
 ”اچھا ہوا تو آگیا جلی سڑال سے آئی کندم

دو جہاں بیٹے کو باقیں کرتے دیکھ کر منظر سے کھٹکے کا سوچ نہ رہی گی۔ اپنا نام کن کرنا چاہیٹ لیا۔
 ”دو کھٹے تو کہیں نہیں گئے۔“ وہ بیڑیا لائی ہوئی شوہر کے پیچھے چل پڑی۔
 ”بس تو چلی دی سے یہ قارم پر کردے مجھے۔
 تیری سبیلی بتا رہی تھی کہ راولے شروع ہو گئے ہیں تو میں نے جی تیرا قارم بھگوالیا۔“
 نعمت خاتون نے کمرے میں داخل ہوتے ہی پلاسٹک کے ٹھیلے میں سے ایک فائل اور قارم نکال کر اس کے سامنے رکھا۔
 ”تیری ماس بتا رہی تھی کہ ابھی تم پر سوائے ناشتے کے کوئی اور ذمہ داری نہیں ہے تو تم قارم وقت میں ریاض محمد سے پڑھ لیا کہ تیری کتاب بھی لائی ہوں۔“
 کدہ کر ٹھیلے سے ریاضی کی کتاب نکال کر میز پر رکھی۔

”اور ریاض محمد کی کیا“
 نوکری میں ریاض محمد کے انڈوں میں سے ایک اڑا اچھدی رہ گئے کے چکر میں بیچ گیا اور اس کی بات سن کر ہانڈی بھینتی آسہ بھائی۔
 ”اور ریاض محمد کی کیا“
 سن کر بیسی سے لوٹ پوٹ ہو گئی اور وہ کھائی ہو کر دروازے کی طرف دوڑی۔ آج کی تاریخ میں تو اس کے پاس پینٹے کا بھی وقت نہیں تھا۔ اس سے مل کر ابھی اسے گاؤں سے آئے چلوں کے بھی حصے کرنے تھے۔

☆ ☆ ☆
 ”واپسی پر بچے وہر ہو جانے کی اس لیے تو بچہ دے کر خود ہی اپنے بچے چلی جانا میں کچھ لینے آ جاؤں گا۔“
 اٹھی تھوکت سے گلیا کر کے ہزار کے نوٹوں سے بچے سو سو کے تین نوٹ ہونے سے نکال کر جوہر سے کی طرف پڑھا تے ہوئے ریاض محمد نے کہا اور یہ جاوہا۔
 ریاض محمد خالص کاروباری آدمی تھا۔ پہلے دن ہی جوہر یہ کو دیکھ کر جیسے اس سے بچے کے نوٹ

کمرہ امتحان میں داخل ہوئی وہ بہت گھبرائی ہوئی تھی۔
 یہ بات گئے تک پڑھنے کا نتیجہ تھا یا پھر سرالیوں نے اسے حساب کتاب میں اضافی دی کر دیا تھا کہ وہم جماعت کا ریاضی کا پرچہ پڑھ کر وہ اپنے اعتبار میں پڑی۔
 ”اتنا آسان۔۔۔۔۔“ کدہ کر مل گئی۔
 ”ششہ عش۔۔۔۔۔“ پرچہ مل گئی جوہر یہ نے آواز کی سمت بھاٹکا۔
 ”سن سوال نمبر چھ کا جواب تو تارے۔“
 ساتھ بیٹھی لڑکی نے اسے نکارا۔
 ”نمبر دو اپنی ماس سے پرچہ کر تاتی ہوں کہ۔۔۔“
 زبان کو بے اختیار دانتوں تلے دبا کر باقی کا ماندہ نصف کدہ خیر کے ساتھ بیٹھی لڑکی نے اس کے

ادھورے فقرے کو چرا لیا۔ ستلے جوہر یہ پائی حالت زار پر فیس نہیں کر رہی ہو گئی۔ اگر کتنی اسے ناگوشی تو شاید وہ سن کھٹے تک ہی رہتی۔
 اس کے اندر کی محنت دھواں بن کر باہر نکلنے لگی۔
 ”چھ سو اس سوالوں کے جواب۔“
 ”دیکھو میری بہن نہیں ہے۔“ کے جواب میں اس نے لڑکی کے ہاتھ پر سارا ہاتھ رکھ دیا۔
 ”بھیا پیو تو میں ناچتا۔“ بچے جاٹ کی پلٹ بکڑے، بروگہ کے بچے کے بچے جاتی جوہر یہ نے پلٹ کر بوڑھی عورت کو دیکھا۔
 ”تو سارے بکھ لائی۔“
 سدا کی دیا لڑکی کی کی مادی محنت ناچ لگی۔
 ”دعا کرنا سائیں میں زندگی کے امتحان میں کامیاب ہو جاؤں۔“
 اسکول کے گیٹ کے پاس لنگڑے فقیر کی جھولی میں دو درود پڑھنے والی کدہ کر کھیل چل پڑی۔
 ”شادی شدہ لڑکی اس پورے کی مانند ہوتی ہے جس کو ایک ذہن سے دوسری ذہن متعلق کر دیا جائے۔ جی مٹی، آب و ہوا، روشنی اور مانی راس آتے

لے لاکھ پچیسے پڑیں مگر اسل سڑا ہے۔ یہ لاپنی زمین کے ساتھ منجھٹی ہے جڑے رہیں اور پھر ایک وقت آتا ہے جب زمین راس بھی آ جاتی ہے۔ قدم مضبوط ہو جاتا ہے ہیں اور چل بھی لگ جاتا ہے۔“
 آگن میں مریچوں کے پورے لگتی نعمت خاتون جوہر یہ کو اکیلا آتے دیکھ کر ”میں کوئی بات نہیں۔“
 کدہ کر ایک خوب صورت بات اس کے دو بچے کے پلے سے باندھ دی۔
 ☆ ☆ ☆

پورے ذہن سال بعد ماسز نور دین نے جوہر یہ کے سر اسل قدم رکھا تو کن کن کر بچے سے بھائی جوہر یہ کے ہاتھ سے بیڑا کر کر زبوں میں ہو گیا۔
 ”پورے ستر فیصد نمبر لیے ہیں ریاضی میں۔“
 نعمت خاتون نے جوڑی سے بتایا۔ ڈرائنگ روم میں بیٹھے افرادی ساری توجہ نمبروں نے زیادہ پڑھ دھرے نوکر دہ رہی۔
 ریاضی کے جدید سوالوں کو ایک سال میں حل کر لیا۔ مگر سرسریلیوں کے ذہنوں میں بیچ کے ہندسے کو کھنچ کر حکیم کا ہندسہ فٹ کرنے کے لیے اسے کئی سال دکھار تھے۔ چائے دم کرتے ہوئے اس نے دیکھا۔ اس کی سیاس نے گاؤں سے آئی باجرے کی یوریں کو چھان سمل سے دھانپ کر چھپا رکھا تھا۔ وہاں ایک لنگڑی چڑیا اور پھر چکر کا مٹی تھی۔ دو آگے پڑی اور پھر پوری کی پوری کا منہ کھول کر کھٹی میں باجوہ بھر کر سامنے آگن میں بکھیر دیا۔ لنگڑی چڑیا سمیت کئی پرندے دانے بچھے بچھے اتر آئے۔

بیچ کی کھلی چڑیا ایک نایک دم ختم ہو جاتی ہیں مگر کھسکی کی کھسکی نہیں ہوتیں۔
 بیچ کی کھلی چڑیا اپنی ہی روشنی میں ختم کھسکی کھسکی دو گنا ہو کر واپس آ جاتی ہیں، دیاؤں کی صورت میں۔
 ☆ ☆ ☆

”چھ ماہ میں اسے اپنے کمرے میں آئی لڑکی کو پڑھنے کی فرصت نہیں تھی کپال سے پڑھانا۔“
 اب وہ اماں کو کیا بتائی وہ اوپر سے نعمت خاتون کا کسک ہی نہیں قسمت بھی دینی ہی گھسوا کر لائی تھی۔
 رات کے ابتدائی پہر ہاتھ میں کتاب بکڑے چنگ پر نیم درواز ماسز نور دین اور اداس میں سمت کروٹ کے مل لیتی سرور کو گھوٹتی نعمت خاتون اور دکان کے کھاتے والا بیڑا سبز کھولے ریاض محمد اور عوار کو گھوٹتی جوہر یہ ایک جیسی تنہائی کا شکار تھیں۔ دوسرے چمکا کر قارم پر کرنی رہی۔
 ”ساتھ محمد کے پانچ بچوں کے اور یہ فیاض محمد کے سناٹ بچوں کے اور یہ سلیم بھائی اور اماں کا۔“
 نعمت خاتون نے دروازے پر جا کر ”اٹھ خائف

Pakistani

پالنا - سی اور اسے بے لگا کر خود سی روٹی پی۔

انسان آتا ہے چلا جاتا ہے اور اسے پہنچتی نہیں پہنچا دیتا ہے۔ چھپے گا کچھ چھو گیا ہے اور کچھ کیا تو ہوتا ہے جو وہ لوگوں میں غصہ اور جانتا ہے کہ وہ بددعویٰ نہیں اپنے ابو کی باتیں کرتی رہیں۔ ماحول اداس اور بوجھل ہو گیا تھا۔ مجرمہ کلازومات کے کئی خاندان ہو چکی تھیں، اب خیریت جو چٹک کر ہوئی۔

”اگرے مجھے تو خیال ہی نہیں رہا۔ بہتر تھا کہ فرار کرے مگر۔“ خالد میری آہیں ہی اس اور امی کے مجرمہ خالد ہیں۔“

حمیدہ بیگم نے باجی کی نظروں سے مجرمہ خالد کو دیکھا پھر بیٹھے کہ کیا تو وہ خیریت جو کچھ کہہ کر اشارے سے کھانے وغیرہ کا ہو گئیں۔

”ہاں ہاں مجھ کو ہمارے لیے کھانا مت بھانا ہم زیادہ دیر نہیں رکھیں گے۔“ خزینہ پلیٹ میں سموسہ اور دوسری چیزیں رکھ کر بھی جب ہی متوجہ نہیں ہوئی اور نہ ضرور ٹوکتی۔

”آپ کی بس یہ دو بنائیاں ہیں؟“ مجھ خالہ نے پیٹنے ہی پوچھا۔
”نہیں ایک خزیں سے بڑی سوند ہے۔ دو بھی بادشاہ اللہ اپنے گھر کی ہے۔ بس اب ایک یہ چھوٹی رو گئی“

”اللہ اس کے نصیب اچھے کرے۔ خیرینہ تو ماشاء اللہ بہت نصیبوں والی ہے۔ اللہ نظر بد سے بچائے۔“

”میں چائے لے کر آتی ہوں۔“ نجمہ خالہ اٹھ کر گئیں تو خزینہ شرارت سے شہرینہ کو دیکھ کر بولی۔
 ”اے آ! شہرینہ کی بات نہ سمجھ کر کہو۔“

”جی ٹی ٹی“ شہر بے ہوا چھل کر پڑی۔ ”میں کوئی شادی وادائی نہیں کروں گی۔“
”چھوڑ کر دو گی؟“ فخر نے کاٹھکھوڑا انداز تھا۔

”کچھ نہیں، میرا مطلب ہے حزیہ تعلیم جاری رکھوں گی اور ہمیشہ اسی کے ساتھ رہوں گی۔“ شہرینہ اچانک جذباتی ہو گئی۔

”کندہ اچھا خیال ہے۔ میں کل یہ سوچ کر پریشان ہو رہی تھی کہ تمہاری شادی کے بعد تو می بائکل اسیکی ہو جائیگی۔“ عزیز نے تائیدی انداز میں سر ہلاتے ہوئے بول رہی تھی۔

”میں امی کو اکیلا نہیں چھوڑ سکتی۔ میں نے سوچا کیا ہے۔“ شہرینہ کو غائبانہ خود پتا نہیں تھا کہ دو کیا کہہ رہی ہے۔ اس جذبات میں بولے جا رہی تھی۔

مقیمہء جمہور عاموں سے دلوں کو طہری میں یوں پھونکے کہ شاید ان کا ذہن بھی اسی کج پر سوچنے لگے گا۔

☆☆☆

☆☆☆

ریکا کا آؤد کر کے مزدو کہنے کی جو انتہائی لاپرواہی سے ابھرا اور دیکھ رہا تھا اور اس کا سبکی انداز پر کا کو
کھانا تھا کہ وہ جب بھیجی کے ساتھ کرنا یا اپنی خود کو بھی انھان بن جاتا تھا۔ ابھی بھی وہ حملاتی ضرور لیکن
بند کرتے ہوئے اسے فوکانا اپنی ہی کر اما ایک دوا سے دیکھ کر کہنے لگا۔

549

—

1

1

U

۱۵۲

۱۱۱

-1

•

10

82

2-3

20

فرد کا

15

-5-

-4-

”یہ بات سن کر یہاں تک کہ معلوم ہو۔“
 ”سب جانتی ہے۔ وہ اب بتاؤ اس کا کیا علاج ہے۔ اس نے تو حنزو کو بھی پریشان کر رکھا ہے۔ اس کی وجہ سے اس نے جاب چھوڑ دی تھی۔ جس نے اسے نہیں دکھایا تھا۔“ حسان صاحب دھیرن سے بول رہے تھے کہ شرہ پک کر پوچھنے لگیں۔
 ”جاب چھوڑ دی تھی تو پھر وہاں کیوں آیا؟“
 ”دو نہیں آیا۔ مجبوراً مجھے جلا نڈا کیونکہ بیکاس کے گھر پہنچ گئی تھی۔ اور یہ بات مجھے گوارا نہیں تھی کہ وہ پار ہار اس کے گھر جائے۔ بہر حال مجھے امید ہے ضرور اسے کھالے گا۔“ ان کی آخری بات پر شرہ جیسے چکر اٹکی گئیں۔
 ”آپ۔۔۔ آپ اس لڑکے پر مجبور کر رہے ہیں۔“
 ”ٹاؤنڈیک شروا میں نے چھوڑ دیا کہ اس لڑکے پر مجبور ہو سکیا ہے اور اگر کہیں مجھے ڈرا ساجھی شہ ہو گیا کہ وہ میرے گھر سے گناہ جانتا تو گناہ ماننے کی سوچ رہا ہے تو جس اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔“
 حسان صاحب ذبح ضرور ہوئے تھے لیکن ان کے لپٹے کی سلاکی نے شرہ کو خاموش کر دیا تھا۔ کوکان کے اندر مزید کتنے سوال چل رہے تھے لیکن اس اور وقت پر حال کرو کر سے نکل آئی گئیں۔

☆☆☆

دو فریقوں کو کر کے نکل کر آئی تو نجمہ خالہ اس کے لیے ناشا لگا دیا۔ جینر پہنچ کر بیٹھے ہوئے اس نے وال کاک پر نظر ڈالی تو سچ رہے تھے۔ رات طبیعت میں بے چینی کے باعث وہ ٹھیک سے سو نہیں پائی تھی جب ہی اٹھنے میں دیر ہوئی اور زود بہت جلدی اٹھ جائی تھی۔
 ”آج رات تک سو میں ا۔۔۔ نجمہ خالہ نے اس کے سامنے چائے کا کپ رکھتے ہوئے کہا۔
 ”وہیں نہ، رات شاید میں نے کچھ یاد رکھا تھا۔ طبیعت میں بے چینی رہی۔“
 ”تو جتنا مجھے اٹھا دیتیں۔ میرے پاس ہائے کی گولی ہے۔ کھانے کے بعد میں ضرور لیتی ہوں۔ جہیں بھی دے سکتی ہیں۔ لیکن تم لوگ دوپہر چیتے ہو ڈھنڈی ہو جی۔ نجمہ خالہ کو بولنے کا موقع مل گیا تھا۔
 ”ابھی مجھے خیال ہی نہیں آیا تھا کہ اس کی سوجھی۔“ اس نے کچھ ڈرا سا سانس کھلا تھا کہ بڑی زور کی اچانک آتی سلاکی ہاتھ سے گر گیا اور وہ اٹھ کر اس پر دوڑ بھاگی۔ نجمہ خالہ اس کے پیچھے چلی آئیں اور اس کی پیٹہ سہلانے لگیں۔ خالی پیٹ اٹنی کرتے ہوئے وہ طحال ہو گئی تھی۔ جب سیدھی ہوئی تو اس کی آنکھوں سے بے تحاشا پانی بہہ رہا تھا۔ نجمہ خالہ نے دوش کھینک کر کھول دیا۔ اس نے منہ پر چھپا کے مارے بھر لیے لیے سانس لینے لگی۔
 ”آؤ بیٹا۔۔۔ لیٹ جاؤ۔۔۔“ میں ناشا نہیں لے آئی ہوں۔“ نجمہ خالہ اس کے سر سے مل لے آئیں۔
 ”نہیں خالہ۔ ابھی میں کچھ نہیں کھاؤں گی۔“
 ”چھال لیٹ جاؤ۔“
 ”نہی آپ پر دے برابر کر دے اور واہ بند کر دیں۔“ اس نے لیٹنے پر سخت اٹھا کر اسے ہی آن کر دیا۔
 ”جوس نکالو؟“ نجمہ خالہ نے پر دے برابر کر کے پوچھا تو وہ قدرے بڑ کر بولی تھی۔
 ”نہیں خالہ۔ ابھی کچھ نہیں، جب دل چاہے گا کہ دوں لی آپ سے ابھی بس آپ مجھے سونے دیں۔“
 نجمہ خالہ خاموش ہو کر چلی گئیں۔ تو اس نے آنکھوں پر بازو رکھ لیا۔ اور کچھ دیر میں سو گئی تھی۔ بے خبری کی نیند تھی۔ وہ پہ میں تھوڑے آ کر اسے اٹھا۔ نجمہ خالہ نے اس کی طبیعت کے بارے میں بتا دیا تھا۔

”میں چاہتا ہوں کہ شادی شادی کے بعد تانی جان بھی ہمارے ساتھ رہیں اور انہیں اس بات پر آمادہ کرنے میں مجھ کو مدد ملے گی۔ میں ضرور سے کہوں گا وہ بھی انہیں سمجھائے گی اور میرا خیال مجھے یقین ہے کہ تانی جان مان جائیگی۔ لیکن آپ ابھی۔۔۔ ایسی کوئی بات مت کہیں کہ۔۔۔ کھدھی ہیں ناں۔“ آخر میں اس نے زور دے کر کہا تو شرہ ہنسنا ہنسا اور سوجھنا سوجھنا میں ان بات میں سر ہلانے لگی گئیں۔
 ”پہلیں آپ جلا کھانا نہیں بہر وقت پڑی سوئی رہتی ہے۔ اس سے کہیں ابھی سی چائے بنائے۔“ وہ انہیں بھیج کر کھڑک گیا تھا۔

☆☆☆

شرہ بے حد تعملاتی ہوئی تھیں اور کیونکہ حسان صاحب نے انہیں سختی سے منع کیا تھا کہ وہ بیکار حنزو کے معاملے میں کچھ نہیں بولیں گی تو وہ بیکار سے تو کچھ نہیں کہیں لیکن شام میں جیسے ہی حسان صاحب آئے وہ ان کے سامنے بٹ پڑی۔
 ”پانی پینا کی جرأت نہ کیسی حسان آج وہ اس دوں کے لڑکے کو کھلے آئی تھی۔ میں پوچھتی ہوں حسان آخر آپ نے اسے اتنی ڈھیل کیوں دے رکھی ہے۔ پانی کا ڈراما ابھی نہیں چل رہا تھا میں اس لڑکے کو ملازموں سے دیکھنے کے رکھواؤں اور آپ کی بیٹی دیوانہ دار اس کے پیچھے بھاگی گئی۔“
 حسان صاحب خاموش ضرور تھے لیکن ان کی چہ نظائی پر ٹیکروں کا اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ جس سے ظاہر تھا کہ وہ غصہ جھپک کر رہے تھے۔
 ”میں نہیں جانتی حسان! آپ نے کیا سوچ رکھا ہے لیکن میں مزید برداشت نہیں کر سکتی۔ اور مسز شیروانی نے مجھے فون کر کے باہر کر رکھا ہے کیا جواب دوں میں انہیں؟“ وہ دوا لہ نشان بن گئیں۔
 ”کہہ دو مسز شیروانی سے کہ تم ابھی دیکھا کی شادی نہیں کرتا چاہے۔ انہیں اگر جلدی ہے تو کوئی اور لڑکی دیکھیں۔“ حسان صاحب کو مضطرب سے بولتے تھے لیکن آواز سے غصہ چھلک رہا تھا۔
 ”حسان۔۔۔ یہ آپ کیا کر رہے ہیں اس کا مطلب ہے آپ ابھی اس لڑکے سے۔“
 ”نہیں۔۔۔ وہ زور سے چلائے تھے۔“ وہ لڑکا حنزو ہاں کا کوئی غصہ نہیں۔ سارا ضرور بیکار کا ہے جو اس کے لیے پاکی ہو رہی ہے اسے نہ سمجھا سکتی ہو نہ میں۔“
 ”صاف کیوں نہیں کہتے کہ بیٹی کی ضد اور پاگل پن سے مجبور ہو کر آپ نے حنزو کو ایکسپٹ کر لیا ہے۔“ شرہ نے سنگ کر طرے کیا تو وہ بھی ہل کر بولے تھے۔
 ”جسب بیکار نے ایکسپٹ کر لیا ہے تو بہر کیا کر سکتے ہیں۔“
 ”نہیں۔۔۔“ شرہ نے پکڑ کر بیٹھ گئی تو قدرے دیک کر حسان صاحب کہنے لگے۔
 ”دیکھو جہیں میں نے پہلی کبھی کہا تھا جب پھر کہہ رہا ہوں کہ انہیں نہیں لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ بیکار کی ضد اور پاگل پن کوئی اہمیت نہیں۔ کہیں کہہ کر حنزو جانکے جڑے ہو اور جلد ہی وہ شادی کرنے والا ہے۔“ شرہ نے

”کچھ نہیں، میں رات کے طبیعت پر مہمل ہو رہی تھی۔ صبح دو میٹنگ کے بعد بہتر محسوس کر رہی ہوں۔“ وہ ابھی بس لگ رہی تھی۔

”تم مجھے کال کرتی۔ میں اسی وقت آ جاتا۔ خالہ تھاری چیخ نے کچھ کھایا بھی نہیں ہے۔ چلو اٹھو، کچھ کھا لو پھر ڈاکٹر کے ہاں پہنچے ہیں۔“ تیمور غزنی کی پریشانی کی نہیں ہو رہی تھی۔

”اے نہیں غزنی! اب تو میں ٹھیک ہوں۔ ڈاکٹر کے جانے کی ضرورت نہیں ہے۔“ اس نے اٹھتے ہوئے کہا۔

”بالکل ضرورت ہے۔“ تیمور غزنی نے اس کی ایک نہیں سی اور اسی وقت اسے ایک گانا کولو جسٹ کے پاس لے گیا جہاں اسے خوش خبری سننے کوئی کر دیا ہوا بنے والا ہے۔

”اوہ غزنی!“ گھر آتے ہی اس نے خزیہ کو ہاتھوں میں بھر لیا۔

”کچھ باتوں میں شادی کرتے ہی بیٹے کے خواب دیکھنے لگا تھا تم چلیز اپنا بہت خیال رکھنا۔ مجھے بہت آرزو ہے ہمارا گھر مکمل ہو جائے۔“

پھر کئی روز وہ جبرہ خالہ کو اس کے بارے میں دہلیات دیتا رہا۔ اس کا کھانا چٹا۔ اٹھنا بیٹھنا۔ سونا جانا ایک ایک بات سمجھاتا رہا۔ اس کے بعد میڈیکل ایک طرف میز پر اس کی میڈیسن رکھ کر اسے تاکید کرنے لگا کہ وقت پر میڈیسن لینا ہے۔

خریہ اسے اپنے لیے اتنا متحرک دیکھ کر مسکراتی رہی۔ وہ کبھی ادھر جا رہا تھا کبھی ادھر۔ شاید اس سے خوشی سنہائی نہیں جا رہی تھی۔ اس دن وہ رات تک اس کے پاس رہا۔ اپنے ساتھ سے اسے کھانا کھلایا پھر میڈیسن دی۔ اس دوران بار بار اس کا تیل فون بجاتا رہا اور وہ کال ریسپونڈ کرتے ہی کہتا ”ابھی مصروف ہوں کچھ دیر میں آتا ہوں۔“ اور تقریباً گیارہ بجے وہ اسے سلام کر گیا تھا۔

”اگلے دن وہ ابھی اٹھی تھی کہ اس کا فون آ گیا۔

”کبھی ہو غزنی! رات کو آرام سے سوئی تھیں۔ ابھی پہلے جیسو لوں پھر بات کرنا اس کے بعد میڈیسن اور دیکھو کوئی پر اہم ہو تو فوراً مجھے کال کرنا۔“

پھر دھن دھن سے وہ فون کر رہا تھا۔ گیارہ بجے اس پر فینڈ سوار ہوئی تو اس کا فون آنے پر بھنپا لگتی۔

”کیا ہو گیا ہے غزنی کیوں بار بار فون کر رہے ہیں۔“

”تمہاری خیریت پوچھنے کے لیے۔“ اس نے کہا تو وہ پڑی۔

”کوئی ضرورت نہیں میری خیریت پوچھنے کے لیے۔“ اس نے کہہ کر اپنا تیل پاور آف کر دیا تاکہ آرام سے سو سکے۔ لیکن کچھ دیر میں ہی غزنی نے فون پر آکر دیا تاکہ آرام سے سو سکے۔

”تم ٹھیک تو ہو خزیہ!“ وہ اس کی پریشانی نہیں سمجھ سکتی تھی جب ہی رات ہو گئی۔

”بالکل میں بالکل ٹھیک ہوں غزنی۔ آپ کیوں اتنی فکر رہے ہیں۔“

”میں فکر نہیں کروں گا تو کون کرے گا۔ تم نے ناخوش تھا ڈاکٹر کہہ رہی تھیں خوش رہنا چاہیے۔“ وہ اس کے قریب بیٹھ گیا۔

”میں خوش کیوں نہیں ہوں کی غزنی۔ آپ کی بھینوں نے تو مجھے پریشان کر دیا ہے۔“

وہ اس کا ہاتھ اچھے کال پر رکھتے ہوئے کہنے لگی۔ ”مجھے اپنے آپ پر شک آتا ہے۔ آپ میری اتنی فکر

”وہ خاموشی سے اسے دیکھتے گیا تو قدرے دک کر کہنے لگی۔

”میں ابھی ایسا ہے کہ مجھے خیریت نہ رہی ہے۔ حالانکہ رات بھی میں سکون سے سوئی تھی۔“

”اور میں بے سکون رہا۔“ وہ سبنا بھارتیو لڑا تھا۔

”کیوں؟“

”کیونکہ وہ صبحان تمہاری طرف تھا کہ پتا نہیں تم ٹھیک سے سو سکتی کہ نہیں، کبھی تمہاری طبیعت خراب نہ ہو جائے۔ بس اپنی امانتوں میں بے سکون رہا۔“ وہ بے سکونی کی وجہ بتا کر کہنے لگا۔ ”کیا ابھی نہیں ہو سکتا غزنی کہ کچھ عرصہ کے لیے تمہاری ای اور شہرینہ یہاں آ کر رہیں تمہارے پاس۔ تم گھبراہٹ میں سے۔“

”کیونکہ تو دوں لیکن مجھے پتا ہے ابھی نہیں مائیں گی۔ اٹنا مجھ سے کہیں کی تم آ جاؤ اور وہ بھی کہیں ہے۔“

”ہاں لیکن۔“ وہ سوچ میں پڑ گیا۔

”کیا لیکن؟“ خزیہ نے ٹوکا کہ تو وہ اسے دیکھ کر پوچھنے لگا تھا۔

”تم کیا چاہتی ہو؟“

”فی الحال تو میں کچھ نہیں چاہتی۔ میرا مطلب ہے مجھے کوئی مسئلہ نہیں ہے کیونکہ تجربہ خالہ بہت خیال رکھتی ہیں۔ ہاں آگے چل کر اگر ضرورت محسوس ہوئی تو چلی جاؤں گی۔ آپ چلیز ابھی سے اتنی ٹینشن نہ لیں اور نہ مجھے ٹینشن دیں۔“ اس کی آخری بات پر وہ اچھل پڑا۔

”میں تمہیں کیا ٹینشن دے رہا ہوں۔“

”مجب سے پڑی ٹینشن، آپ مجھے سونے نہیں دیتے۔ صبح سے کتنی کالز کر رہے ہیں ڈراما گن کے ہاتھیں۔“

”بہن! میں کون کا ابھی تو۔“ وہ شرارت پر آمادہ ہوا تو وہ بے ساختہ چلائی پھر اس کی بولکھا ہٹ پر اتنی چلی گئی تھی۔

☆☆☆

وقت سرعت سے گزر رہا تھا۔ خزیہ کے پاس کیونکہ کرنے کو کچھ نہیں تھا اس لیے اکثر اب وہ پور ہو جاتی تھی۔ طبیعت میں بے زاری کے باعث خیریت، کچھ فزنی کئی دن تک آن نہیں کر سکی تھی۔ اس وقت وہ میسر پر کڑی کیا کھانڈ میں کھینچے بچوں کو کچھ دیر ہی کھا گیا کھا کھا احساس ہوا۔ اس نے اپنے آنے والے بیٹے کے لیے کچھ لایا یہ نہیں۔ بس دل چل گیا۔ فوراً تیار ہوئی اور شہرینہ کو ساتھ لے جانے کا سوچ کر بیٹے اسی کے گھر آئی تو سوسیدہ پہلے سے سو جوڑی۔ کیونکہ بہت دنوں بعد ملاقات ہو رہی تھی تو وہ خوش ہو کر ملی اور خوشی کا اظہار تو سوسیدہ نے بھی کیا لیکن ایشاز میں ہی کھونچ گئی۔

”اکیلی آئی ہو۔“

”جی آئی۔“

”کیسے؟“

”کیسے مطلب؟“ وہ بھی نہیں جبکہ شہرینہ کچھ کر بول پڑی۔

”اے آئی آپ کو نہیں پتا غزنی اپنی گاڑی اب خود ڈرائیور کرنے لگی ہے۔“

”اچھا۔“ سوسیدہ نے تعجب کا تاثر دیا پھر کہنے لگی۔ ”مجھے تو یہی خیال ہی نے ابھی بتایا ہے کہ تمہارے ہاں نیا مہمان آنے والا ہے۔“

”ہاں تو تم آئی کب ہو۔“ سوسیدہ نے سیدہ کو کھو۔

ماننے کا موقع چاہیے ہوتا تھا۔
 ”ارے چھوڑیں ناں آپ! یہ بتائیں آپ نے کیا میرے گھر ڈانے کی قسم کھا رکھی ہے۔ ایک بار بھی نہیں آئیں۔“ خنزیر نے مداخلت کرتے ہوئے کہا۔
 ”نہیں سوچتی تو ہوں آنے کا لیکن ڈرتی ہوں کہ کہیں جھیں ہماری کوئی بات بری ننگل جائے۔ خیر چھوڑو یہ بتاؤ سرال میں تمہاری جگہ کئی کہیں؟“ اظہار سید حاسدا انداز تھا لیکن خنزیر جانتی تھی کہ وہ اپنی کھوجی فطرت سے مجبور ہیں۔
 ”خیر نہ اپنے دل میں اتنی جگہ دے دی ہے آپ کہ مجھے مزید کہیں جگہ بنانے کی ضرورت نہیں ہے۔“ وہ ہنس کر بولی تھی۔
 ”خیر آپ کدو کی ہوتو زودت گزرنے دو بھر پتا چلے گا۔ کیوں ای؟“ سونہ نے حیدوہ بیگم سے تائید چاہی تو وہ سنبھل کر کہنے لگیں۔
 ”ہاں لیکن کوئی مشکل نہیں ہے۔ خنزیر ماشاء اللہ ماں بننے والی ہے۔ اور مجھے یقین ہے جب حیور کے ماں باپ کو کیے کا پتا چلے گا تو وہ بھی خوش ہو جائیں گے۔“
 ”جی ای؟“ خنزیر ایک دم خوش ہو گئی۔
 ”تو اور کیا۔“ حیدوہ بیگم نے ابھی اسی قدر کہا تھا کہ سونہ بول پڑی۔
 ”بس تم اپنے سچاں کو کھابو میں رکھنا اور گاہے بگاہے اس پر ڈاؤن اتاری ہو کہ وہ جھیں اپنے ماں باپ کے پاس لے جائے دینے دو کہتا کیا ہے؟“
 ”مجھ نہیں آپا میرا مطلب ہے دو اپنے گھر والوں کا ذکر نہیں کرتے میں کبھی پوچھ لیتی ہوں یا ماما کسی سے تو مختصر جواب دے کر بات بدل جاتے ہیں۔ اس لیے میں پھر کوئی اور بات پوچھتی ہوں۔“ حیدوہ ساری سے تھری تھی۔
 ”جی تو تم بے وقوفی کرتی ہو۔ جھیں اپنے سرال کا پتا ہونا چاہیے۔ گھر میں کون کون ہے۔ اور کون کس حزان کا ہے تا کہ انے والے وقت میں تم ای صاحب سے تیار ہو۔ ورنہ سب تمہیں چلا جائیں گے۔ کیوں ای میں غلط کدو کی ہوں کیا؟“ سونہ بڑی بھڑکاری کا مظاہرہ کر رہی تھی۔
 ”نہیں کہو تمھیں دسی ہو۔“ حیدوہ بیگم نے کہا تو سونہ مزید شیر ہو گئی۔
 ”یہ بتائیں آپ بھی اسی سمجھایا کریں ای تو کھر گاڈی سے خوش ہو گئی ہے۔ اصل خوشی اپنا آپ متوانے میں ہوتی ہے۔“
 ”جائے جیئے۔“ شہرینہ نے ایک دم آکر چلنے کی ٹرے در میان میں رکھ دی۔
 ”صرف جائے!“ حیدوہ بیگم نے حیرت کم لگی سے شہرینہ کو دیکھا۔
 ”تو کیا ہوا ای ہم یی لوگ تو ہیں۔ ہاں اگر وہ لہا بھائی لوگ ہوتے تو اور بھی بہت کچھ لے آتی۔“ شہرینہ کی بات سن کر خنزیر ہنسنے ہنسنے ہوئی۔
 ”بس تمھیک ہے ای۔ میں صرف چائے ہی پیوں گی۔“ پھر شہرینہ کو دیکھ کر پوچھنے لگی۔
 ”تم نے کھانا بنایا۔“
 ”ہاں سب تیار ہے کھاؤ ای؟“

”لہا۔“ جس نے اس سے پوچھا تھا کہ وہ کدو کی ہوتو زودت گزرنے دو بھر پتا چلے گا۔ کیوں ای؟“ سونہ نے حیدوہ بیگم سے تائید چاہی تو وہ سنبھل کر کہنے لگیں۔
 ”ہاں لیکن کوئی مشکل نہیں ہے۔ خنزیر ماشاء اللہ ماں بننے والی ہے۔ اور مجھے یقین ہے جب حیور کے ماں باپ کو کیے کا پتا چلے گا تو وہ بھی خوش ہو جائیں گے۔“
 ”جی ای؟“ خنزیر ایک دم خوش ہو گئی۔
 ”تو اور کیا۔“ حیدوہ بیگم نے ابھی اسی قدر کہا تھا کہ سونہ بول پڑی۔
 ”بس تم اپنے سچاں کو کھابو میں رکھنا اور گاہے بگاہے اس پر ڈاؤن اتاری ہو کہ وہ جھیں اپنے ماں باپ کے پاس لے جائے دینے دو کہتا کیا ہے؟“
 ”مجھ نہیں آپا میرا مطلب ہے دو اپنے گھر والوں کا ذکر نہیں کرتے میں کبھی پوچھ لیتی ہوں یا ماما کسی سے تو مختصر جواب دے کر بات بدل جاتے ہیں۔ اس لیے میں پھر کوئی اور بات پوچھتی ہوں۔“ حیدوہ ساری سے تھری تھی۔
 ”جی تو تم بے وقوفی کرتی ہو۔ جھیں اپنے سرال کا پتا ہونا چاہیے۔ گھر میں کون کون ہے۔ اور کون کس حزان کا ہے تا کہ انے والے وقت میں تم ای صاحب سے تیار ہو۔ ورنہ سب تمہیں چلا جائیں گے۔ کیوں ای میں غلط کدو کی ہوں کیا؟“ سونہ بڑی بھڑکاری کا مظاہرہ کر رہی تھی۔
 ”نہیں کہو تمھیں دسی ہو۔“ حیدوہ بیگم نے کہا تو سونہ مزید شیر ہو گئی۔
 ”یہ بتائیں آپ بھی اسی سمجھایا کریں ای تو کھر گاڈی سے خوش ہو گئی ہے۔ اصل خوشی اپنا آپ متوانے میں ہوتی ہے۔“
 ”جائے جیئے۔“ شہرینہ نے ایک دم آکر چلنے کی ٹرے در میان میں رکھ دی۔
 ”صرف جائے!“ حیدوہ بیگم نے حیرت کم لگی سے شہرینہ کو دیکھا۔
 ”تو کیا ہوا ای ہم یی لوگ تو ہیں۔ ہاں اگر وہ لہا بھائی لوگ ہوتے تو اور بھی بہت کچھ لے آتی۔“ شہرینہ کی بات سن کر خنزیر ہنسنے ہنسنے ہوئی۔
 ”بس تمھیک ہے ای۔ میں صرف چائے ہی پیوں گی۔“ پھر شہرینہ کو دیکھ کر پوچھنے لگی۔
 ”تم نے کھانا بنایا۔“
 ”ہاں سب تیار ہے کھاؤ ای؟“

☆ ☆ ☆
 ”لو ہو۔ آج پھر میں جی صبح۔“ حیدوہ خنزیر نے لاؤنج میں قدم رکھا ہی تھا کہ اسے دیکھ کر سونیا کلکسلائی۔
 ”کی۔“ وہ کچھ لیس کیسا وقت آگیا ہے بہن سے ملنے کے لیے ابھی راز داری سے آتا ہے۔“ وہ ایک ہی جست لڑائی کے قریب صوفے پر دم سے بیٹھا تھا۔
 ”قیامت کی نشانی ہے بھائی۔“
 ”ہاں۔“ حیدوہ خنزیر کا قہقہہ سے سنا تھا۔
 ”کیسے ہے بڑے سوڈ میں ہو۔ بلکہ ظہر دس بتاتی ہوں۔“ سونیا نے رک کا چہرہ دیکھا پھر اٹھ کر بولی تھی۔
 ”مجھ کی لڈنڈ ہے۔ ہے ناں۔“
 ”ہم۔“ وہ کھٹکھٹ کر اسٹ کے ساتھ اثبات میں سر ہلاتا تھا۔
 ”وری گڈ۔ لیکن دیکھو اب بہت احتیاط ہونی چاہیے اور اس کی جھیں خنزیر کا خیال کرنا ہے۔ آئی میں اسے کیا کام چھوڑ دو۔“ سونیا نے بھجائے گئی تو وہ سراسر کچھ کر کے نکلا۔
 ”میں کوکشل کرتا ہوں آئی کرے زیادہ تا تم دے سکوں لیکن آپ جانتی ہیں۔ بڑی بھر سارہ جس کے سامنے میں روز بے بھائی نہیں کر سکتا کہ آفس میں کا زیادہ ہے جب ہی لٹ ہو رہا ہوں اور پوچھیں آپنی تو مجھے مارے کا زیادہ خیال رہتا ہے اور سب میں اس کے لیے تو کر رہا ہوں۔“
 ”وہ تو تمھیک ہے لیکن۔ خیر چھوڑو۔ یہ بتاؤ تم نے آگے کا کیا سوچا ہے۔ خنزیر کو کیسے آباد کرو گے کہ وہ یہ تو آپ مجھے بتائیں گی۔“ وہ سونیا کی بات پوری ہونے سے پہلے بول پڑا۔
 ”میں۔“ سونیا پر سوچ انداز میں اسے دیکھنے لگی۔
 ”تمھیک ہے۔ آپ سوچیں میں پھر آگے گا۔“ وہ اٹھ کھڑا ہوا تو سونیا چونک کر پوچھنے لگی۔
 ”ارے یا بھائی تم کیسا یاد آگیا تمہیں۔“
 ”آفس۔“ وہ اسی قدر کہہ کر ہاتھ ہلاتے ہوئے وہاں سے نکل آیا اور گو کہ اس وقت آفس کا بہانہ بتا رہی تھی لیکن سونیا نے اسی بات چھیڑ دی تھی کہ وہ خاصا مزے ہو گیا تھا۔ جب ہی آفس جانے کے بجائے خنزیر کے

اور اس کے لئے جس کی سوچ رہی تھی کہ آج آپ کا فون نہیں آیا۔“ خزینہ نے اسے دیکھتے ہی کہا تو وہ مسکرا ہوا۔

”میں خود آ گیا۔“
 ”اچھا کیا۔ آئے میں آپ کا ایک چیز دکھاؤں۔“ خزینہ اس کا بازو حاتم کر بیڈروم میں لے آئی تو وہ بیڈروم اتنا چمکا اور دلچسپ کر کر گیا۔

”آپ نہیں سنیں تو۔“ خزینہ اس کا بازو چھوڑ کر بیڈروم چلی اور اس کے بیڈروم کی جگہ بتاتے ہوئے بولی۔
 ”یہ ہمارے آنے والے نئے مہمان کی چیزیں ہیں۔“

پھر بہت شوق سے ایک ایک پیکٹ کھول کر دکھانے لگی۔ ساتھ ساتھ بولتی بھی جاری تھی۔ خوشی اس کی آواز کے کچھ اس کے ایک ایک انگ سے پھوٹ رہی تھی۔ تیور فزنی کی نظریں بار بار اس کے چمکتے چہرے پر جم جاتیں لیکن بہت کوشش کے باوجود وہ اس کی طرح خوشی کا اظہار نہیں کر سکتی۔
 ”کل تو میں ایسے ہی چلی گئی تھی۔“ اب وہ سب سمجھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ ”جب ہی کچھ مجھ میں نہیں آیا کیا لوں، کیا نہ لوں۔ اب سلیسٹ بناؤں گی۔ ٹھیک ہے ہاں۔“

”ہم۔“ تیور فزنی کے ذہن میں بیٹھتا کچھ اور چل رہا تھا۔ بیڈروم سے اندر کمرے پر جا بیٹھا۔
 خزینہ نے سب پیکٹ ڈرنگ روم میں لے جا کر الماری میں رکھے پھر اس کے پاس آئی۔ تیور فزنی نے اس کے کندھے پر ہانڈ چمکایا۔ تو وہ اس کے ہاتھ کی انگلیاں قلم کر گئی۔

”چاہے فزنی رات میں کیا سوچتی رہی۔“ وہ ڈروم کی گردن موڑ کر اسے دیکھنے لگا۔ کچھ نہیں اور وہ جانتا کہ وہ من میں بھی اس کی خاموشی محسوس ہی نہیں کر رہی تھی۔ اپنا بولے لگی۔
 ”میں نے سوچا جب آپ کے ماما بابا کو ہمارے بیٹے کا پتا چلے گا تو یقیناً وہ ساری ناراضی بھول کر خوش ہو جائیں گے۔ اور پھر وہ ہمیں اپنے ساتھ لے جائیں گے۔ ہے ہاں۔“

”ہوسکتا ہے۔“ تیور فزنی نے مسکراتے مسکاتے کے بہانے جانتے جانتے کہا کچھ سوچ ڈھاکا پھر طویل سس لینے کے بعد کہنے لگا۔ ”اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ بابا صرف بیٹے کو لے جانے کی بات کریں۔“
 ”کیا۔۔۔“ وہ جو اس کے ساتھ گف کر رہی تھی، جھٹکتے سے پرے ہٹتی گئی۔

”ہاں فزنی! میرے بابا ایسے ہی ہیں۔ میری کن مانی کی تھی مجھے ایسی ہی سزا دینے کا سوچیں گے۔“ اس نے کہا تو فوراً بولی۔

”پھر تو انہیں ہمارے بیٹے کا بھی پتا چلنا چاہیے۔ آپ انہیں نہیں بتائیں گے۔ وعدہ کریں فزنی آپ بیٹے کا کسی کو نہیں بتائیں گے۔“ تم آن پار۔“ پہلے بچے آئے۔ دو۔ اور تم کیا سمجھتی ہو۔ میں بابا کو بچے لے جانے والی گاؤں۔۔۔ وہ اب اسے لگا دے رہا تھا۔

☆☆☆

کتنے دن بلکہ مہینے گزرنے کے باوجود بھی خزانہ کو بیٹا کی ماں کا حقیرا آمیز انداز نہیں بھولتا تھا۔ مسئلہ اس کے اندر آگ سی لگتا ہے رکھتا تھا اور اس کا دل چاہتا تھا کہ وہ اس عورت کے من پر ایسا طعنہ چلا دے کہ پھر وہ سارا زندگی بھر بھولے اور اس کے لیے وہ جانے کیا کیا سوچتا رہتا تھا۔ اور آخر ایک سوچ پر گرفت کر کے ہی وہ رہ گیا۔

”سنو! اب ہمیں شادی کر لینی چاہیے۔“
 ”کیا۔۔۔“ وہ ایک لحظہ ہو کر پوچھنے لگی۔ ”تو اس کے لیے کیا بلان کیا ہے تم نے آئی میں شادی کے لیے؟“
 ”کوئی بلان نہیں۔“ بس قرعہ میزینوں کی موجودگی میں نکاح ہو گا اس کے بعد میں تمہارا ہاتھ حاتم کر سکیں اپنے گھر لے جاؤں گا۔“ وہ کیونکہ پہلے سے سوچ چکا تھا اس لیے بہت آرام سے بولا تھا جبکہ وہ بیٹا کا چمک چلا۔
 ”واٹ! تم مجھے اس گھر میں لے جاؤ گے؟“

”خانا ہے ابھی تو وہی ایک گھر ہے میرے پاس۔“ اس نے یوں کندھے پر اچکائے جیسے مجبوری ہے۔ وہ بیٹا کی میں رہنا نہ لگی۔

”پھر۔۔۔“ وہ حوالہ نشان بن گیا۔
 ”پھر یہ کڑی بیٹی مجھے سب کچھ دیں گے۔ جس میں سرفہرست وہیل فرینڈ بنگلا اور ہمشادی ہو کر ہیں جائیں گے۔“ وہ بیٹا کے انداز میں اس کی ماں جیسا طنز چھٹکانے لگا کہ اسے خود پر قابو رکھنا مشکل ہو گیا۔ بخشتی سے بولا تھا۔
 ”پھر کتنیں۔“ میں اپنی اماں اور بہنیں سے لگ نہیں ہوسکتا۔“
 ”لگ کیوں دو جی ہمارے ساتھ رہیں گی۔“

”جی۔۔۔“ ایک ذرا سے لفظ نہیں میں کیا کچھ نہیں تھا۔ حزمہ کے اندر ہر بھر گیا۔
 نہیں رہیگا۔ یہ ممکن نہیں ہے۔ میری اماں بھی اپنا گھر نہیں چھوڑنے کی اور نہ میں ایسا چاہوں گا۔ ہماری شادی ہوئی تو اس گھر میں دور نہ۔“ وہ ہونٹ چمکاتا تھا۔ وہ بیٹا کی دیر سے دیکھتی رہی پھر کہنے لگی۔

”کیا تم بھول گئے حزمہ تم نے کہا تھا کہ خزانہ میری سے ٹھیکہ دان کرے گی اور وہاں جو میں چاہوں گی۔ پھر تم بھی آجائیں گے۔“ وہ بیٹا کی بات سن کر تم نے چاہتے ہو کہ میں کل چھوڑ کر جمو پیڑی میں جا رہوں۔“
 ”نہیں دیکھتی تو پھر اپنے ہی جیسے نکلوں میں اپنا راجا تلاش کر دو۔“ اس کے جتنی انداز پر وہ جلی پڑی۔
 ”شٹ اپ حزمہ۔“

☆☆

باقی آنکھ وہاں شاداب

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لئے خوبصورت ناول

☆ فصل غم کا گوشوارہ رشید جمیل قیمت: 300/- روپے
 ☆ زرد موسم راحت جمیل قیمت: 1000/- روپے
 ☆ حساب دل رہنے دو نبیلہ عزیز قیمت: 400/- روپے

مکتبہ کاہنہ: مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 37، اردو بازار، کراچی۔ فون: 32216361

سحر

”اے عافیہ تم کیا کہہ رہی ہو؟ کس ردا کی بات تو یہی نہیں کر دی۔“ کبوترچوں سے سونیا بھابی کی بولکائی اور حیران میں ڈوبی آواز ابھری تھی جسے محسوس کرتے ہوئے اس کے اندر کٹختی اور سکون کی لہر دوڑ گئی تھی۔

”نہیں۔ نہیں بھابی، ایسی تو کوئی بات نہیں، ابھی تو ان لوگوں نے صرف رشتے کی بات کی ہے۔“ اس نے اپنی خوشی پر قابو پاتے بظاہر سرسری لہجے میں کہا۔

”چلو گھٹک ہے، بس اب اس سے آگے بات بڑھنی بھی نہیں چاہیے، ہم سب کو تمہاری ردا بہت پسند ہے، ایک طرف خالد بھابی کے کوئی گک کا بیٹا ہے تو دوسری طرف تمہارے بھائی کا بیٹا، مجھے امید ہے تم لوگ میرے بیٹے کو یہی فقیہت دو گے۔“ ان کے لہجے میں مان تھا۔

”کیوں نہیں بھابی، ہمیں ڈوبیب سے بڑھ کر کوئی بھی نہیں، لیکن پھر بھی اس کے لیے آپ کو باقاعدہ رشتہ تو لانا ہوگا تاکہ خالد کے سامنے بھی بات ہو جائے۔“ اس نے مسکراتے لہجے سے مناسب گفتگو میں اپنی بات ان تک پہنچائی۔

”ہاں ہاں بالکل، ہم جلد ہی آئیں گے۔ آج کل زچہ بھی آئی ہوئی ہے اور کل رات ہی ہم ڈوبیب کی شادی کی بات کر رہی تھیں۔“

”اچھا ازبھی آئی ہوئی ہے، یہ تو اور ابھی بات ہے بس آپ اسے بھی لے کر آئیے گا اور اگر ہو

رہا کی کا کوئی اور چکر لایا جائے گا تو میں نے اس سے پہلے خالد کے اپنے کوئی گک کے بیٹے کا ذکر کیا تھا اس نے اس سے ڈوبیب کی بات کی تو جب انہوں نے کہا۔

”ہو سکتا ہے یہ تمہارا دم ہو، انہوں نے بھی کوئی اشارہ بھی دیا ہے؟“ خالد نے سوالیہ نظریں اس پر مرکوز کی تھیں۔

”میرے سامنے تو بھی اس موضوع پر بات



PakiBooks

اختیار سلام دعا کے بعد فون بند کر کے چپ دو لاؤ گھمیں آئی تو ایک غنائیت کی لہر رگ روپے میں دوڑ رہی تھی۔ اس کی تو وہی خواہش تھی کہ ردا کی شادی ڈوبیب سے ہو جائے۔ ڈوبیب اس کے تازہ زاد فاروقی بھائی کا بیٹا تھا جو بچے بھائیوں سے بھی بڑھ کر تھے اور سونیا بھابی تو اس کے لیے بڑی بیٹیوں کی طرح تھیں۔ وہ شروع سے ہی اس کو بہت پسند تھیں۔ چونکہ ایک ہی محلے میں رہتے تھے اس لیے سونیا بھابی کی فاروقی بھائی سے شادی ہوتے ہی اس کی ان سے دوستی ہو گئی تھی۔ پھر ان کی شادی کے تین سال بعد اس کی شادی دوسرے شہر میں ہو گئی تھی لیکن فون پر ہم بھی اس کا ان سے کم کسی لیکن رابطہ رہا تھا۔

رواں سال کی بھی جب خالد کا تالار لاہور میں ہی ہو گیا تھا۔ اس عرصہ میں فاروق بھائی نے ایک

اٹھ اٹھ کر رہ گئی تھی۔ وہ دیکھ کر کہہ رہی تھی کہ یہ رشتہ بہت
معتدل ہے اور لوگ بھی بیری جان پہچان کے ہیں۔
بات تو خالد کی بھی ٹھیک تھی، جب سوچتے ہیں اس
کے ہونے میں یہ خیال آیا، اس نے بھابی سے فون کر
کر دیکھا سلام کی اور باتوں باتوں میں ردا کے لیے
آئے رشتے کی بھی بات چھیڑ دی، اور آگے سے ان کا
اتنا حوصلہ افزا جواب سن کر تو اس کی خوشی دو چند ہو گئی
تھی۔

”اللہ میری بیٹی کے اچھے نصیب کرے، انہوں
میں عیسیٰ ملی جائے گی اور مجھ سے زیادہ دور بھی نہیں ہو
گی۔“ وہ چہرے پر مسرت بھری فطری محبت کا عکس لیے
ردا کے منگھل کے بارے میں سوچنے لگی۔

☆☆☆

”نانو! ماما کب آئیں گی؟“ ہر پانچ سے دس
منٹ بعد تین سالہ عزہ منہ بوسے ان سے لازمی یہ
پوچھتی تھی، اسے ہر بار ”بس ٹھوڑی دیر میں آ جاؤں گی
میں“ کی کئی دہے دے کر اور اسے بہلانے کو کبھی
کھلونے دیتیں، کبھی کچھ کھانے کو دیتیں اب سونا
قد رہے بے زار ہو گئی تھیں۔ وہ شام کی جانے ہمارے
لاؤنگ میں آئیں تو فاروقی کی دکان پر رہے تھے، پاس
ہی قالین پر بیٹھی اپنے کھلونوں سے کھیلنے لڑنے لگی تھیں
دیکھتے ہی پھر ماں کے بارے میں پوچھا۔

”آپ اپنے کھلونوں سے کھیلو ماما بس آتی
ہیں۔“ انہوں نے پھر وہی جواب دے کر اسے بہلایا
اور ہاتھ میں پکڑا موبائل اس کے پاس پڑی میز پر رکھ
دیا۔

”اس ذہنی کا بھی کوئی حال نہیں، ابھی شادی اور
بچوں کے بعد کہاں کی دوستیاں؟ بیٹی بے چاری
پریشان ہو رہی ہے اور وہ ہے کہ جو کچھ سے ملنے لگی
ابھی تک واپس نہیں آئی، ذہیب بھی ابھی تک نہیں
آئی اور نہ اسے کہہ دیتی کہ جا کر اسے لے آئے۔“
فاروقی کو چائے کا کپ پکڑتے انہوں نے بیٹی کی
شکایت کی۔

انہی مصروف ہوتی ہے ہماری طرف بھی کھنکھم آتی
ہے، ابھی بھی دل چاہتا ہے پرانے دوستوں سے ملنے
کو، آجائے گی ابھی۔“ انہوں نے صحت سے بیٹی کی
طرف داری کی۔

”جیسے مجھے آپ تو بیٹی کا ہی ساتھ دیں گے۔“
وہ اپنی چائے کے کراں کے پاس بیٹھتے ہوئے مسکرا کر
بولیں۔ جو ابا وہ بھی مسکرا دیے۔

”اچھا چھوڑیں اس بات کو، مجھے آپ سے
ضروری بات کرنی ہے۔“ اچانک انہیں یاد آیا تو
بولیں۔

”آج عافیہ کا فون آیا تھا، بتا رہی تھی خالد بھائی
کے کسی کو ٹیک نے اپنے بیٹے کے لیے ردا کا رشتہ مانگا
ہے۔“

”اچھا! اللہ بیٹی کے حق میں بہتر کرے۔“ سونیا
نے بغور انہیں دیکھا۔ ان کے الفاظ دعا تبار، چہرہ بے
تاثر اور لہجہ برکی سا تھا۔

”لیکن میں تو چاہ رہی تھی کہ ہم ذہیب کے
لیے ان سے ردا کی بات کریں کیونکہ بیٹی بھابی
ہے اور عافیہ اور خالد دونوں ہی آپ کی اپنی عزت
کرتے ہیں۔“ انہوں نے حیرت بھری نظروں سے
ان کی طرف دیکھا اور بولے۔

”لیکن اپنے بیٹے کے رشتے کے لیے میرا ان کی
طرف کوئی ارادہ نہیں، خاندان اور ملنے جملے والوں
میں اور بھی بہت بیٹیاں ہیں کہیں اور دیکھ لو صرف ردا
ہی تو نہیں رہ گئی۔“ وہ دوک انداز میں کہتے دودھ بارہنی
دہی کی طرف متوجہ ہو گئے تھے، اپنے تئیں وہ بات ختم
کر چکے تھے۔ ان کے اٹنے پہلی انداز پر لکھ بھر کے
لیے وہ خاموش سی ہو گئیں، ان کے انداز سے صاف
اندازہ ہو رہا تھا کہ انہیں اس رشتے میں سرے سے
وچپٹی ہی نہیں ہے۔ وہ تو سمجھ رہی تھیں کہ وہ سننے ہی
خوشی کا اظہار کریں گے انہیں بھابی کا امراض ہو سکا
ہے؟ لیکن یہاں تو معاملہ بالکل برعکس لگ رہا تھا۔
”لیکن میں تو اس سلسلے میں عافیہ سے کہہ بھی

PakiBooks

خلاف بات ہو جاتی تو انہیں خبر بھی بہت جلد آ جاتا تھا۔ انہوں نے بے ساختہ سونپا کو بے یقین نظروں سے دیکھا تھا۔

”مجھے سے جتنے بغیر تم نے فیصلہ بھی کر لیا، اب یہ تمہارا درد سر ہے کہ تم اسے کس طرح منع کرتی ہو میری طرف سے صاف افکار ہے۔“ اب کے قدرے سخت لہجے میں کہا گیا تھا۔ اس کا انداز سے وہ عجیب لہجے کا شکار ہو گئی تھی، یہ کیا ہو گیا تھا اپنے تئیں تو وہ بات بچی کے بھی نہیں تھی۔

”خاموشی میں تو وہی کروں گی جو آپ کی مرضی ہو گی لیکن مجھے کہیں نہیں اس کا کہ آپ کے اعتراض کی وجہ کیا ہے۔“ مجھ کے وقت کے بعد انہوں نے اچھے لہجے میں انہیں پھر چاہا۔ وہ دوسرے سوچنے والوں سے انہیں دیکھتے رہے اور گہری سانس بھر کر بولے۔

”تمہاری عافیہ کے ساتھ شروع سے دوستی ہے، میں نے کبھی نہیں منع کی تھی کیا پھر وہ بھی ہم سب سے بہت پیار سے سنی ہے عزت کرتی ہے اس لیے میں نے نہیں کہا، میں روکا، اس میں کوئی برائی نہیں ہے۔ لیکن یہ بھی جانتے ہے کہ وہ مجھے بھی کبھی بہت پسند نہیں رہی اور اس کی وجہ میں نے کبھی نہیں نہیں بتائی لیکن اب تم رشتہ ہی کرنے کا سوچنے کی توقع سے خیال میں نہیں تانا چاہے۔“ قاروق تلخ ہنسنے لے خاموش ہوئے تو وہ بہتر لگتی ہو کر ان کی طرف دیکھنے لگیں، عافیہ کے لیے ان کے ایسے خیالات سونپا کے لیے یقیناً حیرت کا باعث تھے۔

”میرے ساتھ رہتے ہوئے جہیں اتنے برسوں میں یہ تو اعزاز ہو ہی گیا ہو گا کہ میرے کچھ نظریات ہیں، کچھ خیالات ہیں جن میں کسی بھی رد و بدل نہیں کرنا اور میں نے ہڈوں سے ہمیشہ سیکھنا ہے کہ جب بچے کا رشک کر دو تو لڑکی کی ماں کو درد و رنج ہو گا بہت اڑتا ہے اور میں اس بات کو ماننا بھی

میں نے سنا ہے کہ اس کے پاس سے گزرتے ہوئے اس کو سونپا کی نو ساری حسیات ارد گرد سے بے نیاز قاروق کی بات کی طرف لگی تھی۔

”تمہیں یہ تو چاہیے کہ عافیہ کی شادی اچانک ہی ہو گئی تھی لیکن اس کی وجہ نہیں جانتی اور اس کی وجہ یہ بھی کس نے اپنے کمر و بالوں کو بے حد کھک کر رکھا تھا۔ بڑھائی کے بہانے چچی ماں کو بے خوف بناتی رہی، مگر اسے اکثر شیوش کا کہہ کر کسی لڑکے سے ملنے جانی تھی اور اس کو اس لڑکے کے ساتھ دیکھنے والا بھی میں ہی تھا، بہت حقیقت میں خاموشی سے اس کے گھر والوں کو بتا دیا تھا، حقیقت تو یہ تھی کہ لڑکا کا کسی شادی کے لیے ایسی سے ساتھ تھا کہ اس سے پہلے کسی شادی کے ساتھ کسی شادی کی پھر چل رہا تھا۔ اب کی بار جب میں نے دیکھا تو چچا جان سے اسی میں عافیت جانی کہ اس سے پہلے کہ ان کی کوئی بیوی نہ تھی انہوں نے جھٹ سے اس کی شادی کر دی۔ اب تم چاہے میری اس سوچ پر اعتراض کرو، چاہے جواب میں کوئی تاویل دینے کی کوشش کرو لیکن میرا کہنا جواب ہے، میری ساری بات ہے میں ان آٹھوں دیکھی کسی میں کس کس میں بھی بھی عافیہ کی بیٹی سے اپنے بیٹے کی شادی نہیں کروں گا، اور میں اب مزید کوئی بات نہیں، مجھے پروگرام دیکھنے دو۔“ اپنی بات ختم کرتے ہوئے انہوں نے انتقام میں مختصری اعزاز اپنا ہی انداز لیں۔ وہ بارہا وہی پرچلنے سیاحی پروگرام کی طرف مرکز کر دیں۔

”وہ جانتی تھی کہ اب وہ اس موضوع پر قطعاً بات نہیں کریں گے اس لیے خاموشی سے اٹھ گئیں۔ جب ہی نظر بکھڑے ملے پھر شیوش مزید پڑی جو ہاتھ میں ان کا موبائل لیے کھیل رہی تھی، اپنی باتوں میں ابھی وہ اسے بیکر بھول گئی تھی۔

”لوں میں بھی کوئی اپنی مزاحمتی خاموشی سے کہے تک کر بیٹھی ہے؟“ میرا موبائل جویا ہوا ہے۔“ انہوں نے موضوع بدلنے کی غرض سے ہنسنے ہوئے کہا۔

”کریب آ میں اور میں اسی وقت دوسری طرف صحت سے کال بند کر دی گئی تھی۔

”واقعی انسان کو سوچ سمجھ کر ہونا چاہیے، مجھے کیا جلدی پڑی تھی کہ میں نے قاروق سے بات کیے بغیر جھٹ سے عافیہ سے بات کر کے اسے اسید بھی دلا دی، اب کئی لفظوں میں اسے معذرت کروں گی۔“ عزہ کے ہاتھ سے موبائل لیتے ہوئے وہ اپنی ہی سوچوں میں گملاں تھیں، بغیر موبائل اسکرین کو دیکھتے انہوں نے موبائل پر ہاتھیں لایا اور چائے کے غالی کپ اٹھائے سوچتی سوچتی کچن کی طرف بڑھ گئیں اور دوسری طرف عافیہ کی حالت تو جانتے کے لیے ایسی ہو گئی جیسے کاتو بد میں نہیں تھیں، قاروق بھائی کے اپنے راز میں خیاات تھا، جان کا ایک زوردار جھکا کا تھا کہ وہ سبیل نہیں پاری تھی۔

اس کے موبائل کی اسکرین پر سونپا بھائی کا نام بکھڑا ہوا تو اس نے فوراً شیوش سے جھٹ موبائل کان سے لگا لیا تھا، دو تین دفعہ سلام کے جواب میں بھی کوئی نہیں بولا تھا تو وہ کچھ کچھ کچھ کی کس پنے نے کال ملائی ہے یا طلسمی سے لگتی ہے۔ اسے نام شروع ہونے کی وجہ سے زیادہ زور لگوں کی فون بک پر سر فہرست اس کا نام ہی ہوتا تھا اور ایسی کالز اسے اکثر آ جاتی تھیں جیسے ایسی ہی کال کی تھی، سوچ کر وہ کال بند کرنے سے ہی کچھ قاروق بھائی کی آواز اس کی سماعتوں سے غائب ہوئی اس نے سن کر وہ کواٹھی تھی۔

گتھے سال بیت گئے تھے چوٹی میں کی گئی تھی وہ اپنے تئیں بھلائے بیٹھی تھی لیکن وہ یہ بھول گئی تھی لوگ نہیں بھولتے، یہ انکشاف بھی اس پر آج ہی ہوا تھا کہ قاروق بھائی کی زندگی کے اس پہلو سے بھی واقف ہیں، ایک نعمت اور شرمندگی کے احساس نے بکھڑا تھا۔ آج برسوں پہلے ملاں کی کچی گئی ہاتھیں یاد آ رہی تھیں۔

”انسان سے ایک دفعہ کوئی طلسمی ہو جائے تو وہ پھر جیسا نہیں چھوڑتی، چاہے وہ چھوٹی سی لغزش ہی

یہ گلیاں یہ چوہارے
 فائزہ انقار
 قیمت: 400/-
 مکتبہ عمران ڈائجسٹ
 فون نمبر: 32735021
 37 سالہ کارکن

ایچی ٹیبل اور تم

دروازہ اتنی زور سے بھاپا چار ہاتھ اکرا سے لگا
ایچی زوردار تنگ کی تاب نہ لاکر ٹوٹ کر پھیلے آن
گرے گا۔ شرت کے بدن غلط بند کرتا وہ
دروازہ کھولنے آیا۔ باہر بڑی بھابی کو اس سے بھی
زیادہ جلدی تھی، جی جلت میں کٹی سے بولی میں۔
”کتے ست انسان ہوتے ہیں کب سے بولی کب کے
تیار بھی ہو گئے اور تمہیں اپنے سولہ سنگھار سے ہی
فرست نہیں مل رہی۔“

”تنگ“ کیا مطلب۔ میں تو یونی
چار ہا ہوں، بہت اسپارٹ ٹیٹ ہے میرا۔ وہ
بھلا کر بولا کہ بھابی کا جی انداز اس کے اندر
خف سے کی گئی تھا کیا تھا۔

”اے رے رے وہ تمہارے ٹیٹ۔ وہ تو
ہوتے ہی رہتے ہیں اور تم کون سے وہ والے لائن
فائن اسٹوڈنٹ ہو جو ہر ٹیٹ کو زندگی اور موت کا
مسئلہ سمجھتا ہے یہ تو ہم بھی جانتے ہیں اور تم بھی کرتے

یونی صرف کھوٹے چمڑے اور بھائیوں کا پیسہ برباد
کرتے جاتے ہو۔ اب یہی دو دیکھو سوال کر کے
کتنا چاہم وہیٹ کر دیا ہے۔ شرت جلدی سے تیار ہو کر
چپے آگے۔ آج بچوں کی کنگلی پرنس میٹنگ ہے اور
تم نے جانا ہے۔ تمہارے بھائی کی ایک ضروری
میٹنگ ہے۔ میں نے بھی ضروری پنچر کے لیے جلدی
لگاتا ہے۔

بھابی کی تیز کام سے بھی زیادہ تیز رفتار سے



PakiBooks

انہوں نے جڑ کے ساتھ ہی کی ہر سے پٹیل نوٹ پکڑائے اور یہ جاو جا، پیسے دیکھ کر عدی کا بڑا موڈ ڈرا ٹھیک ہوا تھا۔ مگر جب تک وہ نہ چلے آئے۔ خالی ڈانٹنگ ٹیل پر بچے ناٹھنے کے لوازمات اور اسکول کے لیے تیار کئے اس کے انتظار تھے۔ اسی ٹیل اپنے کمرے سے نکلتے لہائی بھی نکل آتے تھے۔

تمہاری بھابیماں تو چلی گئیں پر خود اور۔ رضیہ بھی دس بجے آکر کھل دکھائے کی اور دوسو کے نوں سامنے رکھ دیے۔ آج ذرا پر اٹھا کھانے کو دل کر رہا ہے۔ اگر تم۔۔۔ بتا دیتے تو مزایا آجاتے۔

”وہ تو ٹھیک ہے دادا بی! مگر ہمیں دیر ہو رہی ہے۔ ماما نے کہا تھا کہ تم پر اسکول پہنچنا ہے۔“ اسد سے دادا بی کا بھنگارے دار پر دو گرام بھنم نہ ہوا کہ دادی کے ناٹھنے میں چاچو کو دیر ہوئی تھی اور چاچو کی دیر کا مطلب ان کا اسکول لیٹ پہنچنا۔ پھر پر جمل کا ماما کو نوں اور ان دونوں بہنیں بھائیوں کی ماما کے ہاتھوں ایک زبردست جھڑا اور دونوں کا جب خرقہ بند۔

”پلیز دادا بی! آپ کبھی اور دن عدی چاچا کے ہاتھ کا پر اٹھا کیا کچھ لکھا لکھیے گا۔ ہم لیٹ ہو رہے ہیں۔“ چچا نامقول بیٹے! یہ میری اولاد ہے یا تمہاری جو تمہارے عزم کا غلام ہوگا۔ اور تم ابھی تک بیٹیں کھڑے ہو۔ میں سمجھا پر اٹھانا ضرور ابھی کر چکے ہو گے۔“

لہائی نے ایک سی ڈانٹ میں پوتے اور بیٹے کو بھنگا۔ پوٹھا کر عدی بہن کی طرف بھاگا۔ وہ تو شکر ہوا کہ فریج میں گندھا آتا موجود تھا ورنہ لہائی سے

ہوئے کی صورت میں اس سے گندھوا کے پر اٹھا کھاتے۔ ایسے تو نہیں کہہ گے سہا کے بڑا بڑا اور بچے جب خند پر پر آجائیں تو اپنی منانکر چھوڑتے ہیں۔

”آہٹ بھی بتا دیا ہے۔ کھائیں اور میرے حق میں دعا کریں۔“ تجلت میں اس نے لہائی کے سامنے ہاتھ دکھا کر کہا۔ اپن انار کو جڑ ڈانٹنگ ٹیل پر بچہ ناٹھنے کے ہاتھوں سے ہی ہال سنوارنا بچوں کو اشارہ دیتا ہر لکھ گیا۔

”جینا دار میرا بچہ!“

انہوں نے مسکراتے ہوئے ناٹھے کی فرے اپنی طرف پھٹی۔

☆☆☆

”تم سوچ نہیں سکتی فناء! میں آج کتنی خوش ہو۔“ صائرہ بھابی کی خوشی دیدنی تھی۔

”یہ سب تمہاری وجہ سے ہوا ہے میری بہن۔ صرف تمہاری وجہ سے۔“ رضیہ بھابی کو جمل کر کوٹھہ ہو گئیں لیٹاؤں سے۔ رضیہ نے بچوں کی لڑائیاں سے کر دل چلائے آجانی نہیں میرا۔

تمہارے بھائی الگ خفا ہوتے تھے چھ پر۔ یہ لو تمہارا انعام۔“ انہوں پانچ سو کا نوٹ نکال کر اسے پکڑا دیا۔

”یہ کیا ہے؟“ بہت دیر بعد وہ یوں تو صرف اتنا ہی۔

”یہ تمہارا انعام ہے۔“ اس کا مخصوص عجیبہ و غریب انداز دیکھ کر وہ بیٹا کر یوں۔

”مجھے کسی سے اس گھر میں انعام کی ضرورت نہیں ہے مگر میرے کام کا مجھے پورا پورا معاوضہ ہر صورت چاہیے۔“ یہ اپنی بیک افٹا بچے اور بچوں کو کل سے بچوں کے لیے بھینچیں تو نہیں پیسے کا ورنہ پیسے کی ضرورت نہیں ہے۔ ویسے بھی سسر ملک نے مجھے اپنے بچوں کے لیے کہا ہوا ہے۔ آپ کا

جیسا کہ رات پورا چھ میں ان کو ہاں کر دوں گی اور پھر آپ لکھ میری پیش کریں۔ میں نے آپ کے بچوں کو ٹیکس پر چھانا۔ آپ جانتی ہیں کہ میں اپنی کٹ منٹ کی کتنی بچی ہوں۔

”ارے ارے میری بہن! ناراض ہو گئی تم تو۔۔۔ اس بار تمہارے بھائی کا ہاتھ ذرا تنگ تھا تو اس لیے میں نے کہا کہ اگلی بار اسے ہی دے دوں گی۔“ اور جینتر تباہ لے میں صائرہ بھابی کا مقابل کوئی نہیں تھا۔

”ہاتھ تنگ اور کھلے سے مجھے کوئی مطلب نہیں ہے۔ میں نے برسوں سسر کی نہیں بھرنی ہے۔ لاسٹ ڈیٹ ہے۔ کل ہی بچوں کے ہاتھ میں بیج دینے کا۔ اور ایک اور بات۔ اپنے بھائی کو اپنی زبان میں بھاری ڈرا کر مجھ سے مخاطب ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر کبھی ایسی کوئی بھجوری آجی جائے تو اپنی آنکھوں اور زبان پر قابو رکھے۔

میں مجھے بھی آپ جانتی ہیں کہ میں زبان اور ہاتھ کا استعمال کتنی اونچی طرح کرتی ہوں۔ بھائیوں کا خون کتنا ہی سفید کیوں نہ ہو گا۔ دنا دکھاوے کو ہی کسی بہن کی عزت پر کوئی بھجوتی نہیں کریں گے۔“

”کیمنی کہیں سے بھی جا نہیں آ رہی۔“ وہ اندر ہی اندر تھلا میں مگر چہرے پر تاثر وہی اذنی خوشامدی تھا جو اپنے وقت میں وہ سچا لیا کرتی تھیں۔

”ارے فناء دل کا برا نہیں ہے کا بی! بس بھی کبھی تم سے مذاق کر لیتا ہے۔ اس گھر میں تم ہی اس کی ہم عمر ہو تو دوست بھگہ کر۔“

”مرد اور عورت میں دوستی کا رشتہ ممنوع ہے۔“

”ہاں باں! اتم کل ہی نہ کرو۔“

اب کے صائرہ بھابی تھک کر جانے میں ہی عادت بھی تھی۔

”یہاں انعام! جا جائیں۔“ اس کی آواز پر وہ واپس پٹیل اور بیرونی کی مسکراہٹ چہرے پر سچائی پیسے اٹھا کر چلی گئیں۔ ابھی اس نے کتاب اٹھا کر پڑھنے کا سوڈ بٹایا ہی تھا کہ روینہ بھابی کی سواری باڈ بھاری تشریف لے آئی خوشخبری اور مطلب پرستی میں تو وہ صائرہ بھابی کو بھی بات دیتی تھیں۔

”ارے فناء! اتم تو ایسی صائرہ کو پیاری ہو گئیں کہ مڑ کر اوپر کی چڑی نہ لی۔“

اس کے سلام کا جواب دے کر وہ بڑے پیار سے بولی تھیں۔

”بچے نہیں بہت یاد کر رہے تھے۔ اور ان کو تو کسی اور نیوٹر سے مزایا نہیں آ رہا۔ کہتے ہیں بڑھیس کے تو خفا آتی ہے ورنہ کسی سے نہیں بڑھیں گے۔ آدھا پونہ کھنڈ دے دیا کرو ناں ان کو۔“

اب بھلا انہوں سے بھی کوئی ناراض ہوتا ہے کیا۔؟ صائرہ بھابی کیسے دیتی ہے ناں اس سے زیادہ ہی دوں گی۔“ اب کے انہوں نے سر کوئی نہیں کہا تھا۔

ہوا کچھ یوں تھا کہ پٹیلے دنوں رائیہ کو دیکھتے کچھ لوگوں نے آئے تھا۔ بھابی روینہ نے اس کی زیریں چٹنی کر دانی اور کلچر کے وقت وہ جیسے ہی بہن اور گھر کا کام سمیٹ کر فارغ ہوئی۔ روینہ بھابی کو اس کی خوب صورتی جیسے کی اور انہوں نے اسے نیچے جانے کو کہا تھا اور یہ کتنی تاکید کی تھی کہ جب تک مہمان پر ہیں وہ نیچے ہی رہے اور بچوں کو بھی پڑھانے نہ آئے۔ عام طور پر ان باتوں کو دل پر نہ

سورج کی عکاسی

مفتاحی ————— جیٹا شمشاد خان

مذہب ————— علامہ محمد تقی عثمانی

نظمی ————— علامہ محمد تقی عثمانی

سرسر ہوئے۔ ان کی اسے سب سے پہلے ابھری تھی پھر اٹھا۔

”تم ایک دفعہ اپنی بھابیوں کو پیارے ہوئے تو میں نے تمہاری شکل دیکھ کر گڑبڑ پاتا ہے۔ چل آج سب سے پہلے میری ماں کو کرنی ہے تو نے۔“ ریڈیو پر گزیر رہا ہے۔ اس کو سٹیک کو دکھانے آتا ہے اور آج تو برائی کھانے کو دل رہا ہے۔

”اسے کام اور ایک ہے بڑھ کر ایک کام کر میری کی آنکھیں جو پتھر در پہل نیند سے بند ہو رہی تھیں۔ جھٹ سے مکمل گئیں۔“

”ابائی! آج مجھے پتا چلا گیا، اماں ہی آپ کے مشقت طلب کاموں اور چنور پکی وجہ سے ہی وفات پا گئیں۔“ دو آف سوڈ کے ساتھ بولا۔ تو ابائی کی لاش کا ایک سر اس کی کمر پر لپکا ہوا اکروہ دھلیبا ہی اٹھا۔

”کھوتے دیا پترا۔“ باپ سے خول کرتا ہے۔ اس جنت مکانی کو تو میں نے پگلوں پر بٹھا کر رکھا۔ گھر کی حکمت بگڑ رکھا۔“

”ہاں جی۔“ جیسے میں تو کچھ جانتا ہی نہیں ہوں۔“ اب کے دو نہ ہی منہ میں بڑبڑایا تھا۔

ساتھ ہی تیل کی بوتل کی تلاش میں نظریں دوڑا۔

”دینے ابائی اس قسم کے کام اپنی بیوی سے کرانا اچھا لگتا ہے۔ بندہ جسم سے کبھی بھی میں اپنے آپ کو آپ کی بیوی تصور کرنے لگتا ہوں جب آپ خالصتاً زمانہ کام کرواتے ہیں مجھ سے۔ چلو یہ ماں باپ کا تو ٹھیک ہے۔ ماں باپ کی خدمت میں بھی اگر بے اولاد کے لیے کمر ہے جو خاندان بنادیا ہے ماں آپ نے مجھے۔ پورا پورا دان بکھن میں گزر جاتا ہے آپ کی فرمائشوں کی وجہ سے۔“

بھابیوں، لنگ بگڑتی ہیں بکن کی حالت دیکھ کر۔

”ادھیڑی بھابیوں کے بیو کا بکن ہے یا بکائی ہے۔ بگڑتی ہیں۔ مگر امیر!۔“ بیٹے میرے۔

جلدی میرا شادی کا پروگرام ہے تو مجھے علم لازم ہے۔ کھانے پکانے والے کاموں سے نجات مل جائے گی۔

”اب۔۔۔ ابائی! آپ اس عمر میں اچھے لگیں گے شادی کرتے ہوئے؟“ اس نے آنکھیں پھیل کر ناگواری سے کہا۔

”اوہ ہدی۔۔۔ اوہ ہدی۔۔۔ اوہ ہدی۔۔۔ ہدی! بندہ وہ بڑبن، اب میری عمر ہے وہاں کرن دی۔ میں تو اپنے ہدی سے کمر پر سہرا سجاؤں گا۔“ وہ جڑ سے اٹھ کر بیٹھ گئے۔

”مغل اب سردی چچی کر دے میرا پترا۔“ میں نے تو اپنے بھائیوں کی حالت دیکھ کر

شادی نہ کرنے کا فیصلہ کیا ہے ابائی۔“ چھان چھپک کر دکان کا میں خود۔ تو کمری دانی عورت سے تو تو پیری۔“

”میر بھی ابائی! میں نہیں خود کو کسی تجربے کی نظر کر سکتا۔ اب مجھے اجازت دی۔“

”کے کمرے کے باہر میں پتھر لگا گیا ہے اس کی اماں اور چچی کے کتے ہی کا ہر کے ہوں گے۔“

”ہاں اور میرا ریڈیو لیتا جا میرا پترا۔ اور برائی نہ لیں۔“

”اوکے اوکے مگر ایک شرط پر۔“

”وہ جاتے جاتے رک۔“

”اوکو پتال شرٹاں؟“

”ہاں! ہاں! اپنے کھانے پینے کے فرمائش پر وگراں ہوں صرف سٹنڈ سے تک ہی رکھیں میں۔ روز روز آپ کے پتھر سے دار ہشتوں سے آپ کی طبیعت بھی بگڑ جائے گی اور یونی سے پیلا پر یڈکس ہوتا ہے میرا۔“

”اوہا بھانے باز یونی تو کب پڑھتے جاتا ہے۔“

”میا ش کرنے جاتا ہے جیسے مجھے کچھ پتا ہی نہیں ہے۔“

”جا جلدی سے ورنہ تیری بھابیوں نے اب

میں نہ لائے تھے۔“

”نہیں اپنی خواب بڑی ہو گئی ہے۔ آج یا

کل اس کی شادی ہمیں ہی کرنی ہے تو لڑکیوں کی شادی سچ وقت پر کرنی چاہیے۔“ شوہر کا سوڈ دیکھ کر انہوں نے بات شروع کی۔

”ہوں ٹھیک کہا! پھر کوئی رشتہ ہے نظر میں۔؟“

”ہاں ہاں۔ اتنا شریف اور خوب صورت لڑکا ساری زندگی بھی ڈھونڈتے رہیں، جب بھی نہ ملے۔“

”چھہا۔۔۔ ایسا کون ایک پڑا آن ہی آن میں شریف اور خوب صورت جس کو ہم نے آج تک نہ دیکھا نہ سنا۔“

”کتاب میز پر رکھ کر وہ پوری طرح بیوی کی طرف متوجہ ہوئے تھے ساتھ خود سا لڑائی

”ہاں۔۔۔ وہ ہے ہاں۔۔۔ میرا بھائی کا۔“

”وہ شریف اور خوب صورت لگتا ہے جیسے؟“

”ہاں تو کون سے ڈاکے مار لے اس نے کہ آپ کو اس کی شرافت پر شک ہونے لگا۔ اپنے۔“

”شکل صورت کا بھی اچھا ہے، لمبی ذرا رنگ دیتا ہوا ہے تو لڑکوں کا تو چل جاتا ہے پر جسم کا رنگ۔ وہ تیز ہو میں۔“

”اس کی رنگت کو چھوڑو۔ مالک کی تحقیق میں ہم کون ہوتے ہیں دخل دینے والے۔ میں تو رنگ، ڈھنگ والے کی بات کر رہا ہوں بارہو بیک بیک بڑا ہنس توڑنا رہتا ہے۔ ایک بچے تیار ہو کر لگتا ہے تو رات کی خبر لاتا ہے۔“

”میں اس کے پاس نہیں، ہنر وہ کوئی نہیں جانتا۔ مانا کہ سوچتی ہے شام کے تو

بکن ہی ہاں۔ کس بنا پر تہارے بھائی کا رشتہ

غور کیا جائے۔“ خواہ خواہ میں کتاب کا کھربا کر دیا میرا۔“

”بڑا کر انہوں نے دوبارہ کتاب اٹھائی تھی۔“ سائبر نے دوبارہ وہ کتاب ان کے ہاتھ سے لے کر ایک طرف میز پر رکھی تھی۔

”ہات سنو جی! اس عمر میں سب لڑکے ایسے ہی لالابی ہیں۔ ذمہ داری پڑنے پر سب سیدھے ہو جاتے ہیں۔ گھر کا دیکھا بھلا بچہ ہے۔ اما

کے حصہ کا مکان اس کا ہے۔ گرایا آتا ہے اچھا خاصا، شادی کے بعد کسی کام سے بھی لگ جائے گا۔ غلام بھی گھر کی کھڑ میں رہے گی۔ ایسے ہی روز میرا بھی

نئے نوکر بنا کر رکھا ہے اسے اور عمر مجھے نہیں لگتا۔ ان کا اس کی شادی کا کوئی ارادہ ہے گا۔ ہم اپنا اوپر

والہ پرشن ان لوگوں کو دے دیں گے۔ مجھے بھی دوسرا ہٹ ہو جائے گی۔ دو مایاں آتی ہیں۔ دس ہزار ہیں جی

مجھے سے کمرے کا کاموں کے۔ وہ بچتے ہو جائے گی۔ دونوں بھینس مل کر بھل کر لڑکی کی اور بیٹے

تو ایسے بیٹے اس سے کہ اس کے سوا کسی اور لڑکا نام نہیں لیتے اور رزلٹ میں دیکھو تو اتنے اچھے گریڈ

لا رہے ہیں۔ ان تمام باتوں پر غصہ سے دل سے ٹوکر دو کر ایک منٹ بھی نہیں لگا میں کے ہاں کرنے میں۔“ اب کے مخالف بھائی مانتے پر چٹکن لیے کچھ

سوچنے میں مصروف تھے۔ لوہا گر دیکھ کر صائبر نے اب اس رشتے کے ہوجانے کی صورت میں اس گھر

کے مزے فوڈ انکواری بھی۔

شام کا کھانا سب مل کر کھاتے تھے۔ تو سب گھر کے افراد ہی موجود تھے۔ آج تو بیوی بھی بھائی

بکن کو روٹی بیٹھے ہوئے چکن تندوری بنا یا تھا اور بیٹا

بھائی نے چلاؤ۔ فروٹ فرائز مل تو اس گھر میں

مدی ہی اچھا بنا یا تھا۔ سواری سے بنا یا تھا۔

”اوسارے ہی اسکے ہوتے میری بات سن لو غور

سے۔ تم لوگوں نے تو سوچنا نہیں ہے کہ تو دور کی

PakiBooks

دو ماہ کا نیم دسے رہا ہوں۔ لڑکی ڈھونڈنے کے لیے کم دودھوں کو
میں ماہر اور نوکری کی فلیک نہ ہو سادھ۔ ہم سے
اب رضیہ کے ہاتھ کے مزے کلم نہیں ہے جاتے۔
میری بچی ڈیماڑ ہیں لڑکی کے حوالے سے، اگر اس
عرے میں تم دودھوں نے لڑکی نہ ڈھونڈی تو پھر میں
جو اور بھی بھی لڑکی ملی دیاہ کے لے آئی ہے۔ پھر نہ
اعتراض کرتا۔

”ابھی اٹا دی عدی نے کرنی ہے۔ پسند بھی
اسی کی ہوئی چاہیے ہاں۔“

بڑے بھائی نے بیوی اور بھابی کے بگڑے موڑ
اور عدی کے حواس باختہ انداز کو دیکھ کر اباجی سے کہا۔
”اوبس دے پسند دے پتر۔! تیری وی
تے پسند وی آئی سی ہوئی۔ کی کارنامہ انجام دتا
انیں۔ الٹا گھر میرے عدی اور رضیہ کو سوپ دیا۔
نوکری والی عورتیں بس نوکری کی ہوتی ہیں۔ گھر
دار سیٹھا نہ، ان کے بس کی بات نہیں۔“

ابھی نے ایسے لڑا کر بڑے بھیا شرمندہ
ہو گئے۔

”تمہاری اماں جی کے ہوتے اسی گھر سے
بارہ بارہ بیکانوں کی خوشبو آتی رہی۔ گھر ایسے
چمچ کر کے چٹا تھا کہ پیسے آئینے۔ سوچا تھا
بہو کیس آئیں گی۔ گھر کو جنت نہ سبھی گھر جیسا ہی
نہا دیں گی۔ تیری عورتی کا کچھ کو پیاری ہو گئی۔ اسے
صرف یہ یاد رہتا ہے کہ کتنے دسے لیزا لیزا دینا کھانا
کھایا پینیں۔ ایسے مال کوئی سروکار نہیں۔ چھوٹے
دی دھنی آئی تے کچھ امید کی کے چلو اب شاید کچھ
اجھا کھانے کو مل جائے مگر اس کو دن رات لوگوں کی
بوھیاں جھاننے کے سنوارنے سے فرصت نہیں اور
تمہارے سینے تو یہ گند بلا، فاسٹ فوڈ کھا کے خوش
ہو جاتے ہیں مگر یہ چیز ان کی صحت کے لیے نقصان
دہ ہے۔ بڑا، نوٹ، بیڑے حے کھا کے ذرا
نوعاں دیکھو۔“

پسٹ کو اندر کرنے کی کوشش کی۔ جبکہ چھوٹی بھابی کا
مصر کا پتا نہ لیر رہ ہو گیا۔

”بس کریں ابھی! آپ کو تو خبر نہ پائی ہے کہ
آپ کی بہو میں اتنی کوالیفائڈ ہیں۔ ایک کانچ میں
پڑھائی ہے تو دوسری سے اپنا سنٹ لینے کے لیے
لوگ تلاش کریں پاندھے کڑے رہتے ہیں، مگر وہ ہے
ہاں گھر کی سرگرمی وال برابر تو قدری نہیں ہے اپنے
گھر میں بہوؤں کی۔ وہ نہانے گئے جب عورتیں
سارا دن چو لے چکی سے سی لگی رہتی تھیں۔ آج
کی عورت۔“

”اوبس بس۔! بس کرا پٹی تھریٹس کرنی۔
ہمیں تو بس اٹا چاہیے بی بی کہ عورت چاند پر کیوں نہ
کھنچ جائے اس کا مرکز ایک گھر کی ہے۔ اور گھر دار
تو عورت کا زور ہے۔ بڑی گھسی عورتیں بھی اس خوبی
سے گھر سنبھالتی ہیں کہ کچھ کے حیرت ہوتی ہے۔
میرے اپنے دوست مرزا صاحب کی ایک بہو ڈاکٹر
ہے دوسری پھر رار ہے، کیا ڈاکٹر ہے ان کے ہاتھ
میں۔ اور تو اور اپنے بچوں کو بھی خود پڑھائی
ہیں۔ وہ کوئی جنت ہیں یا آسمانی مخلوق ہیں؟ وہ
جی عورتیں ہیں جو گھروں کو جنت بنا دیتی ہیں۔ ایک
ہماری قسمت پاڑی ہے۔“

بات سے بات نکالنا تو ابھی کو خوب آتا تھا،
انہوں نے منٹ میں چھوٹی کا منہ بند کر دیا تھا۔
”دو ماہ اور کھانا نہ پھر پنڈ میں ایک سے ایک
کڑی ہے، میرے عزیزوں میں، وہاں تو میں نے
اپنے پتر کا اسی دنوں میں کرنا ہے اور میری صورت
کرنا ہے۔“ اپنے فیصلے پر حسی ہر لگا دے وہ اٹھی جیسے
باہر چلے گئے تھے جبکہ اپنے پیچھے ایک بی بی بٹ چمیز
کے تھے۔

☆☆☆

”یہ کیا بات ہوئی بھلا؟ نہ کوئی صلاح نہ
کوئی مشورہ! بس بتا رہے ہیں کہ ٹھانڈا کارڈ شہ کا سی سے
ہو گیا۔ میں جانتی ہوں کہ یہ کس کے زخیز ذہن کی

PakiBazar

اپنے پاس سے صدمہ کو دھڑکتے ہوئے دیکھا۔ یہ رشتہ منکھور نہیں ہے۔ بن ماں کی بیٹی ہے کیسے ایک آوارہ بھنگوے ہاتھ میں اس کا ہاتھ تھامتے ہیں میں خود ہی اپنی خنواہ کے لیے کوئی اچھا سا رشتہ دیکھوں گی۔ بس ہم ہی بڑے ہیں اس کے تو ہمیں یہ رشتہ نامنکور ہے۔“

”جی امداد میں ناں کرتے ہوئے وہ دل ہی دل میں تملادہ دیکھ رہی تھی کہ یہ آئینہ یا ان کے ذہن میں کیوں نہیں آیا کہ بچہ ایسا کر گیا کہ یہ خنواہ ہمیشہ کے لیے ان کے پاس ہی رہ جائے۔“

”خیر اتنا تو کوئی بھائی بھی نہیں۔ مگر میں بھی صاحبہ کو ایسا نہیں کرنے دوں گی جیسا وہ سوچ رہی ہے۔“

دل ہی دل میں وہ منصوبہ بنانے میں مگن تھیں۔ اسی شام انہوں نے خنواہ کو بلا کر کامی کی ایسی ایسی خصوصیات کھوائی جو وہ خود بھی نہیں جانتا ہوگا شاید۔

”کیا کہہ رہیں بھائی آپ! میں کوئی بیہوش بکری نہیں ہوں جسے چدر بنگار دی چل پڑوں گی۔ اور کامی کو تو زہر سے بھی برا لگتا ہے مجھے۔“

”بچی تو کہہ رہی ہوں خنواہ! ان تو اسے بڑے حالات ہوئے ہیں نہ ہی عمر بھاری ہے تمہاری۔ شادی بھی ہو جائے گی اور اچھی طرح سے دیکھ بھال کریں گے۔“ آخر کو لاکھوں میں ایک ہے ہماری خنواہ۔“

اپنی بیٹی کے رشتے کے لیے آئے لوگوں کے سامنے اس کو نہ آنے دینے والی روینہ بھائی اس وقت اس کی گھر میں ہرگز نہیں ملتی جہاں جس بلکہ ایک کلچر کا نام تھا۔ جو اپنی ہی معاہدے میں انتہائی عمدہ کام نہاد یا کر رہی تھی اور عام ملازماؤں کی طرح اس کی عمر بھاری نہیں تھی۔ اور اپنی ہی کے ہاتھ سے نکل جانے کی سوچ کر بھول گئی تھی۔

خسے ہی بڑے بیٹے نے اپنی بیوی کی سوچ کو

صاحبہ بھائی کو ہانسی ہاتھ سے لٹکی دکھائی دی اور انہوں نے ایک اور پانچنگ کی اور اب بس میاں کو اس کے لیے منانا پڑا تھا۔ اور اس پر عمل کے لیے انہیں کرنا کی تعلیمات کا انتظام تھا کہ ان دونوں میں روینہ بھائی اپنے بچوں سمیت شمالی علاقہ جات کو چلی گئیں۔ اپنے اپنے والدین کے ہمراہ آصف بھائی نہیں ہوتے تھے اور ان کو منانا، وہ بھی بیوی کی غیر موجودگی میں مشکل نہیں تھا۔ باقی خنواہ کو منانے کا کام انہوں نے اپنے شوہر پر چھوڑا تھا۔

☆ ☆ ☆
مدی کے گھر بھائیوں میں بظاہر تو تعلقات معمول پر آگئے تھے مگر دونوں جانب سے لڑکیاں دیکھنے دکھانے کا جو سلسلہ چل نکلا قادیانہ خاصا پریشان کر رہا تھا۔ ایک بھائی کی بیٹی کی لڑکی دوسری کو پسند نہ آئی اور دوسری کوئی نکال کر اسے سسر دکر تھیں۔ تو دوسری کو پہلی کی کیسے پسند آسکتی تھی۔ ہاں۔ نقصان اٹا ہوا کہ پہلے وہ دین کھنے شام کے چور کو کڑا رہی تھیں اب لڑکیاں دیکھنے کے پھر میں نہ لگتیں اور کھرا کر ایک لاکھ حاصل بحث۔

مدی کو خاصا پریشان کن تھا کہ دونوں بھائیوں میں زندگی بھر اتفاق ہوگا۔ نہ ہی یہ تیل منڈ سے چڑھے گی۔ وہ ایسے آزاد اور کھاتے پیچے ہی خوش تھا۔ لہذا ہی کی بیٹی کی عدت میں سے ایک ماہ تو ایسے ہی گزر رہا تھا۔

☆ ☆ ☆
”جو خنواہ اور انا کے فیصلے ہوتے ہیں ناں پتر۔ ان میں سے دونوں جب مقابل آجائیں تو بہت کچھ کھوٹا پڑتا ہے۔“ جیٹیں، رشتے اور بھی کبھی زندگی بھی۔“ لہذا ہی آج بہت اداس سوڑ میں تھے اور ایسے میں وہ بڑی فلسفیانہ باتیں کیا کرتے۔ یا گھنٹوں چپ رہتے تھے۔ مدی کو لہذا ہی اپنے مخصوص انداز میں ہی اچھے لگتے تھے۔ سو اس وقت وہ چاہ رہا تھا کہ بھائیہ کیا کرے کہ وہ دس پڑی یا اسے

”پتا ہے۔ دس سال ہو گئے اس کو دیکھتے ہوئے۔“ وہ خنواہ میں جھٹکتے ہوئے بولے۔
”کیا مطلب! لہذا ہی؟“ آپ کی زندگی میں اماں جی کے علاوہ کبھی کوئی اور لڑکی تھی۔“
”اوکو تاتا۔“

انہوں نے لہذا ہی کے بجائے صرف انکھوں اور زبان کو ہی زحمت دی۔ ہر وقت کا ٹولہ تو بس دل بھلانے کے بجائے ہیں۔ تیری ماں ہوتی تھی تو اس کے ساتھ کدو کدو کی ہر بات دیکھ کر آتا تھا۔ اب دل پر جو بوجھ ہے ناں وہ دھین تھی نہیں لینے دیتا۔“
ہادی تو پشتمے سرگرات لہذا ہی کو اس حالت میں دیکھ کر تپ اٹھا۔

”اے لہذا ہی! اور اس ہوں آپ کے دشمن۔“
”مجھے تو آپ اپنا دوست کہتے ہیں ناں۔“
”تاہم کیا بات آپ کو پریشان کر رہی ہے۔“
”بھائیوں کی وجہ سے پریشان ہیں تو یہ تو روز کا مسئلہ ہے۔“
”بھائیوں نے کچھ کہا ہے کہ یا مجھ سے کوئی لڑکی ہوتی ہے۔“

”او نہیں اور نہیں۔“ انادی کر دوشیں ہول کر توڑی وہاں توں پریشان ہووے۔ بس کچھ یاد ہی ہوتی ہیں ناں وہ جان لیا ہونے کے باوجود بڑی پیادری ہوتی ہیں۔ تو ایسا کر ذرا مٹی کا نمبر تو ملا کے دے مجھے اس کے ذمے ایک ضروری کام لگایا تھا میں نے۔“

”مٹی کون۔“ اپنا کرایہ دار۔“
مدی نے جب سے فون نکال کر پوچھا۔
”ہاں۔“
لہذا ہی کچھ سوچ رہے تھے۔ مدی نے نمبر ملا کر لہذا ہی کو موبائل پر لایا۔

☆ ☆ ☆
”جب محبت کا جوش جنون میں بدلے تو بہت کچھ اپنے ساتھ تادان کے طور پر وصول کرتا ہے۔ اس وقت والدین اور چاہنے والوں کی کھیتیں

دو تاجیا ہو گیا ہوتا ہے۔ اتنا چار کرتے ہیں بھائی مجھ سے گھر میں کبھی بھی کوئی خواہش بھی روینہ نہیں کر سکتے اور ایسا ہی بھائی کا خیال تھا کہ اپنی فوڈ یہ کو انہوں نے اپنی محبت اور ادب کا دیا تھا کہ وہ کسی ان کی عزت کو خاک میں نہیں ملائے گی۔ پھر جب دونوں طرف کی توقعات آپس میں ٹکرائیں تو سب کچھ تاج ہو گیا میرا اعتبار اور ان کا مان۔“

شادی کے فوراً بعد ہی مجھے چلا کر تمہارا بے اپنا پہلے سے شادی شدہ اور ہال بچوں والے مگر مرد کو کیا فرق پڑتا ہے۔ خسار تو صرف عورت کے حصے میں آتا ہے۔ وہ پھر آئے تھے یہ سن کر سب بھلا کر، میری خطا کو بھلا کر، مگر وہ چاہتے تھے کہ میں گھر چھوڑ دوں، چھوڑ دوں اس آدمی کو جس نے میرے ساتھ اپنے گھر کی بنیاد ہی دھوکے پر رکھی تھی۔ اس وقت تین چار سال کی تھیں۔“

اپنے آخری ایام میں جب وہ ایک اطراک بیماری سے لڑ رہی تھیں۔ جب نہ جانے ذہن میں کیا آنی کہ اسے بار بار اپنے بچپنوں کے بارے میں بتاتے تھیں جن کے بارے میں پوچھ پوچھتے وہ تھک چکی تھی مگر آج تک کچھ بول کر نہ دیا تھا اب جب موت کو اتنے قریب سے دیکھا اور شوہر کے بعد سوچتے بیٹوں کے بدلے تمہارا دل کی بیوی لڑکی گھر پر اہار وہاں ان کے اندر بھی ندشوں کو بچا لگتی تھی۔

”میں نے جو اتنی مشکل سے اپنی عیت کو پایا تھا۔ اب اس کو دوبارہ کھونے کی ہمت نہیں تھی۔“
پچھلے وہ شادی شدہ اور ہال بچوں والا کیوں نہیں تھا۔ پہلی بیوی کے مرنے کے بعد وہ بچوں کو تعلیم کی غرض سے شہر لے آیا تھا۔ ان بچوں سے بڑے رشتہ نہ محبت کا تھا نہ نفرت کا، بچے بڑے بڑے تھے جب ان کی ماں مری گئی اور ایک بچہ ان کے اذنان میں اپنی ماں کی عیت کا قصور اٹھا واضح تھا کہ وہ مگر بھر مجھے ماں کا دلچہ نہ دے سکے تھے اور پھر ایک بار میں نے ان دونوں بھائیوں کو بات کرتے سنا وہ مجھے اپنی ماں کی

تھے مجھے کبھی میں وہ دل دی میں۔ غنا نے انہیں بولے سے روک دیا تھا۔

”میں نہیں غنا! مجھے بول دے۔ تمہارے سر پر ہاتھ نہیں رہا۔“ ماسی جی چراغ بج رہی ہے، میں جلد تمہاری شادی کر کے کہیں اپنے گھر کا کر دیتا چاہتی ہوں مگر قسمت شاید سوچ نہ دے۔ یہ مکان تمہارے لیے تمہارے نام کیا ہے اور گاؤں والی زمین اپنے بیٹوں کے نام۔ اس پر بھی ان کے اور تمہاری بھابیوں کے منہ بکڑے ہوئے ہیں۔ یہ گھر تمہارا ڈھال ہے بڑے وقت کے لیے۔ اللہ نہ کرے جو کوئی ایسا وقت آئے۔ مگر شادی کے بعد میکا بھی عورت کی ایک مضبوط بنیاد ہوتا ہے۔ ان کے پاس چلی جانا۔ وہ تمہیں فوراً اچھے نکلیں گے۔ میری طرف سے بہت معافی مانگتا۔ وہ مجھ سے بہت پیار کرتے تھے مگر میں نے ان کی توقعات کو توڑ کر ان کو بہت دکھ دیا۔ میں نے شادی کے بعد ان کی بات نہیں مانی تو وہ اور ضد میں آگئے اور ہمیشہ کے لیے ناراض ہو گئے۔ ہم دونوں کی اتالی دیوار اب اپنی بھینس کسب بچان کی پلندری میں دب گیا۔ ہم دونوں کی محبت تھرا خون کا رش۔ بچپن کے نذر سے دن، لڑکپن کی یادیں۔ کچھ۔۔۔

وہ بولے تو تھک چکی تھی اور جس دن انہوں نے اسے ایک حڑے سے کافہ پر اس کے ماموں کا پتا لکھ کر دیا ایک روز ماموں نہیں اپنے بال بچوں سمیت دوسرے گھر شفٹ ہوئے تھے۔ سال بھر وہ گھر خالی ہی گزار باقی اس کے بعد ہوا مٹی صاحب کی چلی کرانے پر آئی تھی۔ غنا نے وہ کافہ سنبھال کر رکھا تھا اور محض تین ماہ کے بعد جب امان کی وفات ہوئی تو ہم کی حالت میں اسے یاد دہانہ کا تھا کہ اس کے روٹھے بھائی کو ان کی جان سے پیادری ممکن کی وفات کی اطلاع ہی دے دی اور گئی ماہ گزارنے کے بعد اسے ڈائری میں

ی نذر ہاتھا۔

☆☆☆

عاطف بھائی کو تھرا صاحب بھی مٹا ہی چکی تھی جسے ہی رویتھ بھائی پھنسا شروع ہوتے ہی اپنے ہال سمیت اسلام آباد کو روانہ ہوئیں اور انہوں نے اپنے پروگرام پر عمل درآمد کرنے کا فیصلہ کر لیا اور اب غنا کو مٹا کر نے یادی عاطف بھائی کی تھی۔ ان کی تو یہ سوچ کر ہاتھیں مل گئی تھیں کہ ان کے سالے سے غنا کی شادی ہونے کی صورت میں یہ وہ خیر خواہ صورت مکان جو ان کے اہل خانہ کے گھر گئے تھے۔ لااحال ان کے خاندان کو مل جائے گا۔ سو انہوں نے پہلے پیار اور پھر ڈانٹ سے غنا کو اس بات کے لیے تیار کر شروع کر دیا کہ اسے کافی سے ہی ضرورت شادی کرنی ہے۔ اس کے صاف انکار پر وہ چراغ اٹا ہو گئے تھے اور اگلے جسوا کو نکاح کی صورت سامنے ہو گئے دھکی دھکی گئی کہ اگر وہ ایسا نہیں کرے گی تو اس کی بھاری سے خیر سے اس کے ہاتھ کا ہاتھ دے کر اس سے عزم کر کے اسے نکاح کی بات کہنے لگا۔ کچھ ہی گھنٹوں میں غنا روئی ہوئی رائفہ کے گھر آئی تھی اور اسے ساری صورت حال بتا کر مدد مانگتی تھی۔

”تمہارے بھائی اگر تمہاری شادی پر عمل گئے ہیں تو ضرور دی کریں گے۔ اس کا آخری عمل یہ ہی ہے کہ تم اپنے ماموں کو مدد کے لیے بلاؤ۔ وہ اس لیے تیار ہوئے ہیں کہ ان کو پتا ہے کہ تمہارا ان کے سوا دیا نہیں کوئی اور نہیں ہے۔ لااحال ان کی ہی بات مانتی ہی ہوگی۔“

”اماں نے تین سال پہلے وہ ایڈریس دیا تھا۔ ان کے پاس ان کا کوئی نکل نہیں تھا۔ میں تمہیں آج وہ ایڈریس موبائل پر سینٹر کروں گی۔“ رائفہ۔ اور لیڈر ابھی لکھ کر دے جاتی ہوں۔ تم کل ہی کسی طرح اور جنٹ میل سے یہ لیڈر بھائی کو جود آئے۔ میں ابھی سات دن ہیں۔ میں کسی بھی

رائفہ۔ اس وقت مجھے ان کی سخت ضرورت ہے۔۔۔ وہ جلدی جلدی بول رہی تھی۔

پھر اسی وقت اس کی بھجھ میں جو اور جیسے آیا تھا وہ جتنی تھی۔ اماں کی پیادری۔ وفات اور اب ماموں کی بے کسی اور جی فیصلہ مزید یہ کہ وہ اس شادی کے لیے قطعاً راضی نہیں ہے۔ رائفہ کو لیڈر دے کر گھر آکر اس نے پہلا کام موبائل پر اسے ایڈریس بھیج دیا تھا۔

☆☆☆

ارجنٹ میل اور پھر ان کے نام کی تو کہیں ہے ضروری نہ ہو سوچ کر مٹی صاحب فوراً ہی سواری پکڑ کر ان کی طرف آئے تھے۔ اماں کو تو گویا برسوں سے اس خبر پر کا انتظار تھا اور مٹی صاحب کی موجودگی میں ہی انہوں نے وہ خط کھول کر پڑھنا شروع کیا تھا۔ اور جیسے جیسے وہ ان بطور پر نظر کر کے ان کے ساتھ ہی فب آسوں کی برسات کا شوق خور دیا تھا۔ مٹی صاحب خود پڑھنا شروع کرے کہ آخر کیا تھا اس خط میں کہ نہیں جیسے بڈلہ جی رو پڑے تھے۔ پھر انہوں نے خود ہی روئے روئے بتایا تھا کہ اس میں ان کی فرجی عزیزہ کی فوگنی کی خبر تھی۔ مٹی کے جانے کے بعد محضوں وہ روئے رہے اور پچھتاہے رہے کہ اس نے نکاح کیا تھا کوئی گناہ تو نہیں جو انہوں نے اپنی خست سزا ان کا حق کر دی تھی۔ آخری وقت میں وہ اس چہرے کا دیدار بھی نہیں کر پائے تھے۔ جس کو کبھی وہ نہ کچھ پاتے تو ان کا دن نہیں گزرتا تھا۔

”مجھ سے بہت بڑی بھول ہوگئی۔ بہت بڑی بھول۔“

وہ بار بار کھول کر پڑھتے اور روتے ہوئے کہتے جاتے۔ گیارہ بجے کے وقت مٹی صاحب نے ان کو خط لکھ کر دیا تھا اور اب مغرب کا وقت ہو چلا تھا زندگی میں چلی بار انہوں نے نماز جمعہ میں جانے

کے کھانے کے لیے جس پر عدی اٹھیں بلائے آیا۔ ان کی دیگر کون حالت کچھ کر پڑاں ہو گیا تھا۔

”مجھے ٹھیک دیکھنا چاہتا ہے اس عدی اور پھر فیصل آباد کے آج رات کے ٹکٹ لیں۔ کل کا سورج بھی بہت کیا تو پھر میں اپنے آپ کو کبھی معاف نہیں کر پاؤں گا۔“

”ٹھیک ہے اماں! اگر مجھے تاہیں تو کسی کیا ہوا ہے؟“

”کچھ نہیں ہوا عدی۔ کچھ نہیں۔ یوں مجھ حیرت ہے اماں کا کوئی بہت پیارا مشکل میں ہے اور مجھے پتہ نہیں ہے۔ جلدی سے نکلیں لے۔“

”اجما۔“ اجما اماں کی امیں کرتا ہوں کچھ۔ آپ چلیں گھانا تو کھائیں پہلے، یہ عینیں میں امیں نکلیں کا کرتا ہوں۔“

عدی کو تو اماں کی ایک ہی فراری، ستا چہ اور روئی آتھیں۔ یہ جین کر تھی اور محض دس منٹ بعد وہ اپنی اور اماں کی رات بارہ بجے والی ڈائیو میں سٹیشن کب کرا چکا تھا۔ اس کے بعد اماں نے اس کے بار بار کہنے پر بہت تھوڑا سا کھانا چر مارا کیا تھا۔

”مٹی کہتا ہے کہ وہ کسی عزیز کے گھر سے پھیلے تین دن سے اور یہ خط ان کے گھر پر سونایا تھا۔ کب لکھا ہوگا اس نے ان کا بکٹوں نے کین میری بچی کے ساتھ کچھ پلاسٹک سا حذر کر دیا ہو۔“

بس میں بھی اماں کی بار بار پوچھتا رہے تھے۔ بس میں پوچھتے ہی انہوں نے عدی کو اس کی اکلونی پوچھتے بارے میں اپنی ضد اور اس کی انا، پھر اس کی وفات اور اب اپنی بھائی کی مشکل سب بتا دیا تھا۔

”پہنڈے سے شادی کرنا کون سا جرم تھا اماں! جو آپ نے اپنی کڑی اور اپنی مٹی سزا دی ان کو۔ اور آپ کتنے سنگدل اور گہرے بظاہر اماں! میں ہی بتا دیا ہوتا تو ہم فورس کرے آپ کو ان کے سامنے کے لیے۔ بہت ظلم کیا اماں! آپ نے بہت ظلم

یونکہ اس نے بالکل بکھا تھا۔

☆☆☆

اگلا روز ان سب کے لیے حد حشر لے کر آیا تھا کہ لہائی اور عدی دونوں ہی گھر سے غائب تھے مگر اس میں بھی کوئی حیرت کی بات نہ تھی کہ لہائی پر جب اپنے پرانے دوستوں سے ملاقات کا جوش اٹھا تو وہ عدی کو بھی ساتھ لے جایا کرتے تھے۔

”تم سے لہائی امانی کے مرنے کا اتنا نقصان آپ کا نہیں ہوا جتنا میرا۔ وہ وہیں تو آپ کو بھی ان بزرگ باپوں کی یاد ستاتی جن کے پاس آپ خود تو تین تین بھتے بیٹے رہے ہیں۔ مجھے بھی پورے دیکھتے ہیں۔ اب آج دو بڑا افسارہ کے قاصد دو درمیں کون بیٹھ کر انھیں سوساٹھ کے دور کی باتیں سنے۔“ واپس آکر وہ خوب جھنجھٹا۔ مگر ہر بار گائی و فدا لہائی پھر کی دوست کے پاس لے چلے گی فرمائش لیے حاضر ہوتے۔

”آج تو کم از کم لہائی کو اس غیر ذمہ داری کا مظاہرہ زیب نہیں دیتا۔ خدا خدا کر کے دونوں خواتین میں سیز فائر ہوا اور کسی ایک لڑکی کے لیے مشتق ہو ہی گئی ہیں۔ دونوں خواتین تو یہ دونوں حضرات غائب ہیں۔ تم اے لہائی سے مجھے اس بے وفائی کی ہرگز امید نہیں تھی۔“

بڑے بھائی جھپٹے ہوئے پریشان سے بولے۔
دونوں خواتین کے توجہ میری خاموشی خوارم کے تھے کہ دونوں نے ہی اپنے اپنے جتنی وقت کی قربانی دی تھی عدی کے لیے لڑکی دیکھنے کے لیے ان ہی کے پیسے کی تاب نہ لاتے ہوئے چھوٹے بھائی اب عدی کا ٹبر ملا چکے تھے کہ لہائی تو ویسے بھی سوا کچھ بھی چیزوں کو خرافات تصور کرتے ہوئے ان سے دور تھے۔ دوسری طرف کال بھی لہائی نے ہی ریڈیو کی تھی۔

”او بھلا وہی مٹی یا ساری باتوں پر۔ تم

جواب سموت بری کے سوٹ، شاوی اور دلے کے لیے دھن کے کپڑے اور۔۔۔ دوسٹ سونے کے زیورات آج کے آج خریدے لے آؤ۔“ صبح ہوتے ہی دھن کو دھن لے آؤں گا دلیر ہی دھم دھام سے کرکس کے۔ بار بار فون کر کے ہمیں پریشان نہ کرو۔ جو کہا ہے وہی کرو اور بڑے سیالہ ہیں حل کرنے والے۔“ لہائی کب سے فون بند کر چکے تھے جبکہ چوٹے بھائی دپے کے دیے کڑے تھے۔

”لہائی نے شادی کر لی۔ ہم سب کو مل کر ابھی کے ابھی شادی کی تیاری کرنی ہے۔“ صبح آئیں گے کل یا سونے دلیر ہوگا۔“

مجھے ہی ان کے منہ سے یہ الفاظ اگلے باقی سب کے منہ سے اگلے تھے۔ دونوں بچے سب سے پہلے شاک سے اٹھے اور چپٹے چپٹے کوٹ پٹ ہو گئے۔ دونوں بھائی خواہ مخواہ ایک دوسرے سے نظریں چماتے گئے۔ جب کہ دونوں کو ہمیں کی زبانیں ایک ساتھ حرکت میں آئی تھیں۔

”یہ جو لہائی کے چپٹے تھے ان کے گھر میں لگ رہا تھا کہ ایسا ہی کوئی کل کلا میں گے۔ یہ اب ان کی عمر ہے جاو جانے کی۔ چپٹے کے سر پر سہرا کچھتے سجاتے خود دہانے کا چاہا چڑھ گیا۔“
یہ بڑی بہو کے لہائی کے لیے زہر خلیات تھے۔ چھوٹی کیوں پیچھے رہیں وہ بھی میدان میں آکر گئیں۔

”ذرا بھی خیال نہیں کیا کہ انہوں نے اپنی عمر کا نہ کیا۔“ ہمارے سوٹس ایشیں کو ہی دیکھ لیتے۔ لوگ کیا نہیں گے۔“

”تم دونوں چپ کر گئی۔“
بڑے بھائی کی دعا پر دونوں ایک ساتھ چپ ہو گئیں۔

”اس میں کوئی شرم یا حیا کی بات نہیں ہے۔“
بیٹن ان کو ان کا سب دیتا ہے۔ پندرہ سال سے تو وہ تو کوں کوں کہہ کر کھٹکے تھے نہ تو آج تک کھانا

تک تو وہ بزرگ ہو کر اپنے خود دھتے ہیں۔ ہزار شروہیں ہوتی ہیں انسان کی۔ بس میں اب اور کوئی بات اس حوالے سے نہ سنوں اور انہوں نے یہ کیا کہا ہے ویسا ہی ہوتا چاہیے۔“

اور یہ تو سب ہی جانتے تھے کہ بڑے بھائی تو بیٹیوں کی بات میں دخل نہیں دیتے تھے اگر جو بھی بولے تو پھر دوسرے کے لیے کچھ نہیں چھوڑتے تھے۔

☆☆☆

کتھی دیر وہ ان کے بیٹے سے مٹی روتی رہی تھی۔ خود لہائی بھی ایک بار پھر آج بڑے ہو گئے تھے۔ سامنے بھائی کچھ ترخھی ہوئی تھیں اسٹے پرانے قلع کو بار بار زندہ ہوتے دیکھ کر مگر جیسے ہی لہائی نے بتایا کہ انہوں نے اور ان کی بہن نے بچوں کا رشتہ کچھن میں لے کر دیا تھا اور اب اپنی امانت لینے آئی ہیں۔ انہوں نے بولا کہ اپنے سیالہ اور آصف بھائی کوں کڑا ڈالے تھے۔

”بڑے سیالہ آپ بالکل ٹھیک کہتے ہیں کہ آپ کا اس سے بہت قریبی رشتہ ہے۔ مگر ہم اس کے بھائی ہیں۔ ہماری مرنے والہ وہ اپنی کی ذمہ داری ہمارے سپرد کر کے گئی تھیں۔“ آپ کا ذکر وہ سنا۔ نہ آپ کو بھی دیکھا اور آج کی برسوں بعد آپ ایک کہانی لے کر آئے تھے تو ہم کیسے پر یقین کر سکتے ہیں۔ ہم نے اپنی بہن کا رشتہ لے کر دیا ہے جی۔ اب آپ آئی تھیں تو کل اس نیک و نیرب میں حرکت کر کے دعائیں دے کے چاہیے گا۔“

”اوئے اتم کون ہوتے ہو میری حیثیت کو چیلنج کرنے والے۔ اسٹے عرصہ نہیں آیا تو میرا اور میری بہن کا مسئلہ تھا۔ تمہیں کیا۔“ بلا کو مولوی کو۔ میں بھی دیکھا ہوں کہ میری بیٹی کی مرضی کے بغیر کیسے اس کا نکاح کرتے ہو۔ تو عدی امانت ذرا پھر سزا صاحب کا ٹمبر اور ان کو ایڈریس بتا کر فوراً

کہ بچی کا معاملہ ہے ذرا اظہار و تقیم سے ہو جائے اب یہ لوگ خود ہی تھانے، پتھر ہوں گے پتھر لگانا چاہتے ہیں تو ٹھیک ہے۔ غلامی جی خود جی سزا صاحب کو اپنا مسئلہ بتائے گی تو وہ کدو کدو ہا پانی کا پانی ہو جائے گا۔ یہی مشورہ تو میں خود ان کو دینا چاہتا ہوں کہ بچی کو دعائیں دے کر نکاح کر کے میرے ساتھ رخصت کر دیں مگر انہوں نے اتنا چڑھائی کر دی تھی۔“

لہائی نے دھجک انداز دیکھ کر کہا جو ان کا خاصا تھا۔ عدی نے فوراً مٹی صاحب کا ٹمبر ان کو ملا دیا تھا۔ لہائی نے ان دونوں بھائیوں کو دیکھتے ہوئے مختصری صورت بتا کر فوراً کچھ کھانا اور عدی ابھی ان کو ایڈریس بتاتا ہے۔ اگر پولیس کی بھی ضرورت پڑی تو وہ بھی ان کے تعاون کی ضرورت پڑے گی۔

”رقمیں بڑے سیالہ! ہم بھی بیٹیوں والے ہیں۔ اب آپ خود دیکھیں کہ غلامی مرضی سے ہی ہم اس کا رشتہ لے کر چکے ہیں۔ کل اس کے نکاح کی تقریب ہے۔ اب لوگ کیا کہیں گے اور تنک جی ہشانی ہو کر یہ بھی تو سوچیں۔“ بڑے بھائی جو لہائی کی شخصیت اور باتوں سے اچھے خاصے متاثر ہوئے تھے لہجہ سے بولے تھے۔

”بچی کی مرضی ہی تو نہیں دیکھ رہے آپ لوگ! خدا کی قسم اس کی مرضی ہوتی تو میں خود اس کو اس شخص کے ساتھ رخصت کرتا۔ اب لوگوں میں اس کی جگہ ہشانی نہ ہوا اس لیے تو کہا کہ آپ کے گھر کدو دن پر ہی میرے بیٹے کے ساتھ اسے رخصت کر دیجیے۔“

لہائی نے بھی معقولیت سے کہا جب کہ چھوٹے بھائی جن کی آنکھوں پر ہیکم کی پڑھائی پٹی مضبوطی سے بندھی تھی، اتنی آسانی سے لہائی کی بات کیسے مان سکتے تھے مگر بڑے آصف ذرا معاملہ ٹیم اور سمجھ دار انسان ہونے کے ساتھ ساتھ کچھ دیر موندل

”بڑے میاں! آپ ہمارے بزرگ ہیں۔ ہمارے والد صاحب کی جگہ میں اور سب سے بڑا گھر ہماری خواتین سے بہت فرنی رشتہ ہے آپ کا۔ ہمارے بھی مہمان ہوتے تو آپ ڈار کریں۔ کھانا دانا کھا کے آرام کریں۔ بہت لمبا سفر کر کے آئے ہیں۔ ہم بھی ڈار سوچ کر مشورہ کر لیں اور خواتین سے ایک بار پھر پوچھیں یقین کریں اگر کوئی مرضی نہ ہو تو میں اس کا بڑا بھائی ہوں، کبھی بھی زبردستی نہیں ہونے دوں گا اس کے ساتھ۔“

آصف بھائی بات لہائی نے محل سے نکلے اور انہماک میں سر ہلادیا۔ پھر جیسے ہی اندر جا کر انہوں نے خواتین کو ڈار ساری بات پوچھی تھی اس نے درود کر بھائی اور عارف بھائی کی زبردستی کے متعلق سب کچھ صاف صاف بتا دیا تھا۔ مزید یہ کہ وہ اب یہاں رہنا ہی نہیں چاہتی۔ اس کو ماموں کے ساتھ جانا تھا۔

”جھوٹ بول رہی ہے سستی بھائی صاحب! اسی سے پوچھ کر اس کی مرضی سے یہ رشتہ طے کیا تھا۔ اب اسے ماموں کا دلخواہ دیکھ کر دل چاہے ہی ہے کہ نہ نکلتی۔ اتنا بھلا ہم اس کے کوئی دشمن ہیں۔“ آخر سوچ کچھ کر رشتہ کر رہے تھے ناں۔

صائمہ بھائی کی بات پر خفا کا رنگ زور پڑ گیا۔

”خدا کی قسم بھائی جان! میں نے اس کو ابھی تک دیکھا ہی نہیں۔ بھائی اور بھائی نے ہی کہا تھا اگر ناں کر دی تو اس سے بری جگہ تہا ری شادی کریں گے کہ یاد رکھو! اور وہ انکار کی صورت میں مجھ سے تمام رشتہ ختم کر لیں گے۔“ اس بات پر آصف بھائی نے جھٹکیں خنوروں سے بھائی، بھائی کو دیکھا تھا۔

”شرم کرو تم لوگ شرم! میں نے جب اس رشتے پر انکار کر دیا تھا۔ تب ہم دونوں نے مجھ سے یہ

خدا کا خوف کرتے۔ مگر میں تمہاری بیوی تو اناں الزام تراشی پر اتر آتی ہے۔ ان دونوں میاں بیوی کو دیکھ کر آصف بھائی نے حد فتنے میں پلے تھے۔ صائمہ بھائی نے تو فتنے سے خفا کو کھورا جیسے کہا چاہا جانے کا ارادہ ہو۔ جبکہ عارف بھائی سب مگر کانے خاموش تھے۔

☆☆☆

باتیں کرتے، بڑے بڑے دیکھ پھینک کر تے لہائی کی زیر ہدایت خریداری کی جا چکی تھی۔ لہائی کا کارنامہ دیکھنے کے لیے آج دونوں بیویوں نے چٹنی کی کچی کرکس کو اپنی اپنی اتنی ہماری کچی جوٹین صاحب جیسے بزرگ سے یاد دیا۔ کیا تو یہ ہوگی یا طلاق پانچ۔

کتنی قیاس تھے جو ان کے ذہن میں کلچار رہے تھے۔ مگر جب لہائی اور عدی کے ہر ایک ایک جوان جہاں خوب صورت لڑکی کو دیکھا ان دونوں سمیت سب گھر والوں کا تھکا کھلا رو کیا۔

بے حد مشکل سے ہی کسی اس کی کافی سے جان چھوٹ ہی گئی تھی۔ جیسے ہی لہائی نے انکار کے لیے اپنے بیٹے کو چٹنی کیا۔ تھوڑی سی مہم ویش کے بعد عارف بھائی بھی مان گئے تھے۔ آصف بھائی تو پہلے ہی تیار تھے۔ صائمہ بھائی نے البتہ اپنے آپ کو کمرے میں بند کر لیا تھا اور ساری زندگی خفا سے قطع تعلقی کا بھی اعلان کر دیا تھا۔ خفا کی مہمان صرف راندھی تھی اس نے فون کر کے راجت بلوایا تھا۔

”واہ خفا! تو نے تو بازی رانی مارا بہت خوب صورت اور پرستار ہے تیرا دلہا۔ میں ابھی مل کے آئی ہوں۔“ مگر ایک بات مجھے یہاں بھی ٹھنک رہی ہے۔

”وہ کیا راندھا! تو تو یہی ہے ابھی کچھ جلدی اور اپنا کھ بونے سے گھر رہی ہوں۔“

اس نے راندھا کا سے لپ اسٹنگ لگا ہاتھ پکڑ کر روک لیا۔ وہ اس کی پیمک اپ کرتے ہوئے پڑ پڑ

”میں نہیں ایسی گھر والی بات نہیں سے، بس یہ بتانا تھا تجھے کہ یہاں بھی۔“ مگر کہ بڑوں کی جگہ ہمارے بیویوں نے خیر بھر تہا ری زندگی اجیرن کیے دھمکی اور وہاں بھی تیری ساس جیات نہیں ہیں۔ عدی بھائی کی دو بھابی ہیں۔ تو خیال رکھنا کہ وہ بھابی ہیں بھی تیری بھابیوں جیسی ہوں تو شروع سے ہی ان کو ان کی اوقات پر رکھنا۔ زیادہ بچھ جانے کی ضرورت نہیں، ایسے لوگوں کو پھر اگلے چائین کچھ کر رو دیا دالنے ہیں، اللہ خیر کرے گا کہ زیادہ تر دیکھا گیا ہے کہ بڑی بیٹیاں نیاں پورا نیاں کو ہا کر کھتی ہیں۔“

”تم مجھے ڈر رہی ہو راندھ۔“

”نہیں ڈر۔“ میں نہیں حقیقت بتا رہی ہوں کہ تہا ریا مضبوط میکا بھی تہا ری ذحال نہیں ہے تو تمہیں خود کو مضبوط بنانا ہوگا۔ ہر رشتے کو اتنی عزت دو جتنا وہ حق رکھتا کرتا ہے۔ نہیں کرانی عزت نہیں ہی۔ دوسرے کے سامنے گردی رکھ کر نہیں ڈر۔“

”ابھی تو ہماری خفا تیار۔“

اس نے اس کا ڈرائیوٹ کیا پتہ ہی آصف بھائی نے دھک دے کر کہا کہ ماموں صاحب نے والے ہیں۔ وہ جلدی جلدی چڑی جیسیٹے لگی۔ اور راندھا کو ایک بڑی چادر سے ڈھانپ دیا۔

☆☆☆

لہائی اب خفا کا متخالف سب گھر والوں سے کر رہا ہے۔

”تو کھڑا تنگ رہا ہے۔ جلدی سے کمرہ تیار کر آ! مٹی رضیہ سے کہہ کر۔“ بے حد مجھے ہارے عدی کو لہائی نے جھاڑ کر کہا تو تخی ذہن کے سامنے اس عزت افزائی پر وہ ہنسا لگا تھا۔

ابھی سے تو کچھ پتا نہیں چل سکتا تھا کہ دونوں بھابیوں کی آنکھوں کے تاثرات کچھ ناگوار اور مضطرب خیر گئے تھے خفا کو۔ جینے اور بچنے البتہ کافی

”اؤے کھو تے دیا پتر۔“

لہائی نے اپنا قصہ جملہ چرایا۔

”تیری اماں جی جنت مکانی کے مرنے کے بعد ساری زندگی تم لوگوں کی خدمت اور تربیت میں گزار دی۔ ویاہ کرنا تو جب کتاب مجھے پانچ کتے

یہ دیکھو پتر! میری کوئی بیٹی نہیں ہے۔ مگر تم میری بیٹی ہی ہو۔ ماضی میں جو ہوا اسے میں بدلنے پر قادر نہیں ہوں مگر اس گھر میں تمہیں تمہارے تمام حقوق ملیں گے۔

☆ ☆ ☆
میرا بچہ دل کا بہت اچھا ہے۔ سب کے کام کرنے والا، دل میں سب کے احساس رکھنے والا، اس لیے تو گھر میں ہر کام کے لیے پہلی پکار عدی کے نام کی پڑتی ہے۔ ”وہ مسکرائے ان کے گچھے میں اپنے بیٹے کے بے بہہ نہایت اور شفقت کی۔“

”تمہاری مای جب اس دنیا سے گئی تو بڑے دوتو کاٹن میں تھے۔ عدی اسکول میں تھا۔ چھوٹا ہونے کی بنا پر پہلے کھلو تو اسے کھرکے باہر پھر آہستہ آہستہ بہت سے گھر کے کام بھی کرنے پڑ جاتے تھے۔

بہو میں گھر آگئیں۔ بڑے بیٹوں نے میرے لگے پودے کو تباہ آور درخت بنایا اور کاروبار میں لگ کر اسے وسیع کر دیا۔ عدی نے بھی آہستہ آہستہ تعلیمی مراحل سے گزری لیے مگر ایک بات جس نے مجھے تشویش میں مبتلا کیا وہ ان ذمہ داریوں میں تو

یہ بات مجھے پسند نہیں ہے۔ وہ ایک مرد ہے اور مرد کا منصب یہ نہیں ہے کہ وہ گھر بیٹہ کر باڈی چولہا کرے۔ کھرکے میرا مدد کرے بہت سے فرائض ہوتے ہیں۔ اس نے ایک خاندان کو چلاتا ہوتا ہے۔ میں نے بہت کچھ اسے بہت کوشش کی کہ وہ اپنی کافی اور سستی کو ترک کر کے راہ راست پر آجائے مگر ایک دودن بھائیوں کے ساتھ جاتا ہے۔ بھائیوں کے کام الٹ ہو جاتے ہیں۔ وہ خاندانوں کو فون کھڑکا ڈالتی ہیں۔ عدی صاحب فوراً اس کے گلے دوڑے چلے آتے ہیں۔ سب کچھ تمہیں صاف صاف بتا دیا ہے۔ اب تم اس پر کچھ کر تم کہیں اس کی ذمہ داریوں کا احساس دلانی ہو، خوش رہو۔ عدی کے کمرے میں آنے سے پہلے لمبی آنے جتنے خدائے پاس۔ اور اسے یہ سب باتیں بیٹہ کر بتاتی ہیں بھر دو جاتے جاتے دے گئے۔

☆ ☆ ☆
”ابور با اعدی کی طرح تم بھی مجھے لمبی کہو گی تو مجھے خوشی ہوگی۔“ خنہ نے مسکراتے ہوئے انہماک میں سر ہلایا تھا۔

☆ ☆ ☆

شادی کے شروع کے دن تو ہر لاکر اڑ گئے تھے۔ عدی واقعی دل کا خوب صورت شخص تھا۔ ہر ایک کا مدد و جہ خیال رکھنے والا مگر خنہ کو اس وقت بے حد پرانگنا جب دودن بھائیاں اور بی بی بھائی کے بیٹے دھڑ سے اپنے اپنے کاموں کی کسٹ لے کر

☆ ☆ ☆

☆ ☆ ☆

کروادوں کے کام کرنا ہی باتیں کھرکنا کو ان کا گناہ تھا اور اچھا نہیں لگتا تھا۔ ایسے میں اسے لمبی کی باتیں بے حد یاد آتی تھیں۔

”میں عدی! آپ کب آفس جانا شروع کریں گے۔ ہماری شادی کو چند روز دن ہو چکے ہیں۔ اتنی سی چٹنی سے کام کھانا ہوگا ناں۔“ ایک روز صبح جب وہ اندھ کر بچوں کو اسکول چھوڑنے جانے کی جلدی میں تھا۔ خنہ نے حامی سے انعام میں کہا۔

”ارے جان من! ہماری تو چٹنیاں ہی بنائیں ہیں، حرجے ہی حرجے، تم چلے چلو! لمبی کو یاد آئے ہیں بچوں کو چھوڑ آؤں، بڑا حرجے دار ناشائستہ کرتا ہوں اپنے ہاتھ کا نہیں۔“ اتنے دن سے رضیہ کے ہاتھ کا گھاری ہوا آج اپنے ٹھکانے خنہ کے ہاتھ کا کھانے کے کھجور۔ انکھیاں نہ کھلیں تو پھر کہنا۔ ”وہ پالوں میں کھی چلاتا ہوا پولا اور نکوں میں سنی بھاتا کرے۔“

☆ ☆ ☆

☆ ☆ ☆

☆ ☆ ☆

تعمیم ہونے چاہئیں ناں۔ ناشتا آپ نہیں بنا سکتیں، ٹھیک ہے میں بناؤں گی مگر وہ پتا آپ آکر بنا سکتی ہیں۔ صرف دو ہی بیٹے بڑا چھانے ہوتے ہیں آپ کو۔ رات کو بھی رضیہ کے ہاتھ کا پکا کھانے کے بجائے چھوٹی بھائی کر لیا کریں تو زیادہ بدبخت رہے اور اگلے دن بارشوں کی ترتیب بدل دینی چاہیے کہ کسی کو زیادہ کام کا اعزاز بھی کی نہ ہو اور کھرکے کاموں میں سب کو حصہ بھی مل جائے۔ وہ اتنی سیدی گھر پر نہیں بھیجتی مشکل سے کسی کی بی بی بھائی دانستہ قہر کر رہی تھیں۔

”اں ہاں بھتا ہم سے ہوئے کا مل کر کریں گے۔ تم پر بھتا موت ہو آج ایک ہی چٹنی کا دن ہے تو میں تو رضیہ کے ساتھ دل کپڑے دھو لاتی اور راتزیر کرتی ہوں، تم امیر کیا باہر آکے مگن نہ چکلو۔“

پھر سے مسکراتے بھانے وہ جیسے آئی تھیں وہی ہے باہر چلی گئی تھیں۔ خنہ نے بے سرحوشے عدی پر ایک نگاہ ڈالی اور اہمیتی کے پاس آئی گئی اخبار کے مطالعے میں بری طرح متنبہ تھے جبکہ کھنڈ قہر کی خنہ اب کو ایک پر تکلف ناشائستہ چکلی تھی۔ اس نے ساری بات ان کے گوش گزار کی۔

”وہ مجھو مثلاً قصور ان کا نہیں ہے۔ تمہارے میاں کا ہے۔ جو کو موت کا کھانے کی عادت پڑ گئی ہے۔ اب ان دونوں کے خاندانوں کی کمائی سے گھر چل رہا ہے تو ان کی کوشش یہی ہوگی کہ تم دونوں کا پیسہ کھرکے نہیں لگ رہا تو محنت تو ضرور لگے۔ یہ تمہاری کھجور داری پر ہے کہ تم معاملات کو کیسے نبھاتی ہو۔“ اپنے خاندان میں احساس ذمہ داری پیدا کر کے اسے کسی نہ کسی کام کے لیے مجبور کرتی ہو پاس گھر کی ساری ذمہ داریاں اٹھاتی ہو۔ میں تو اتنا جانتا ہوں کہ تم سب کچھ سنبھال رہی ہوگی تبھی یہ لوگ مجھے اٹھارہ اسی اسی میں کے اٹا جاتا تھیں۔ کہ نہ کمائی ان کی ہے۔ آگے تم خود دیکھو دارو۔

☆ ☆ ☆

پانی کا ڈال کے پکڑا۔ اور پھر اس نے ہاتھ پر جھٹکا۔ صاحب کے ہاں چھوڑ آئے۔ دروازہ کھول کر گئے۔ صاحب کے ہاتھ پر جھٹکا۔ اور پھر اس نے ہاتھ پر جھٹکا۔

اختیار کرتے انہوں نے کہا تو خدا اچھے دامغ کے ساتھ واپس لوٹ آئی تھی۔

اس دن تو اس نے بے حد دل لگا کر بہترین کھانا تیار کیا اور عدوی سمیت تمام گھر والوں نے خوش دلی سے کھانا کھا کر شاد و مہر اس جاگزی کا ارادہ نہیں تھا۔ وہ بھی اس صورت جسے اس نے گھر کے فرد کا مقام دے دیا صرف ایک ملازمہ تصور کیا جائے جو اس وقت تک ہل پر چڑھی رہے جب تک شیشی کی طرح کام کرتی رہے۔ جیسے ہی شیشی کی اسے دل سے اندر یا جائے۔ یہی کیفیت بلکہ اس سے اچھی تو اس کی اپنے بھائیوں کے گھر تھی۔ افسوس تو اسے اس وقت بھی بہت ہوتا جب بھابھیاں عدوی کو بھی ملازم کی طرح ہی سمجھتیں اور بلائیں، یہ اور بات ہے کہ اسے محسوس ہی نہیں ہوتا تھا۔ شادی ایک جوا ہے۔ اس نے بھی اسے کھینچا تھا اور وہ گریا کہ اس قسم کی زندگی تو وہ بھی نہیں گزار سکتی تھی۔

☆☆☆

اگلے دن اس نے بہت جلدی کا الارم لگا دیا اور فجر کے وقت اٹھ کر نماز پڑھ کر بیچ میں آئی۔ گھر سے باہر نکلے وقت عدوی کو سمجھوڑ کر چکنا نہیں بھولی تھی۔ سب کی پسند کے مطابق تاشا تیار کرنے کے بعد جب سب یخیل پر موجود تھے اس نے عدوی کو تھپ تھپ کیا۔

”نہیں اچھے بھی بچوں کے ساتھ ہی ان کے اسکول لے چلے۔ اس کے بعد وہ تین اور بھی اسکولوں میں جی چلیں گے۔ میں نے باب کے لیے اپنا بیگ لے لیا۔“

”کیوں نہیں کیا ضرورت پڑ گئی ہے باب

بڑی کڑی نظر سے سنبھلا۔ اور پھر ایک لمحہ سوچا۔ ”میں نے تمہاری وجہ باب کا شوق چڑھا ہے؟“

بڑی بھائی کو اس کا بیان نہ تھا۔ پھر اٹھ کر نکلے۔ قہار سے سن کر بھائی نے زبردستی سرسکے جبکہ عدوی بھی چونک کر تار کواری سے اسے دیکھنے لگی۔

”میں ان صورتوں میں سے نہیں ہوں بھابھی جو باب کے پیچھے گھر کو نظر انداز کریں۔ میرے اوپر میرے شوہر اور بزرگ سسر کی ذمہ داری بھی ہے۔ میں قصداً نہیں بھولی۔ نہ ہی ان کے کسی کام میں کوئی برائی کی۔ اتنی تعلیم میں نے گھر بیٹنے کے لیے حاصل نہیں کی۔ دینے آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ میں نے ٹی ایس آئز ان فوٹو س کیا ہے۔ وہ ماہ پیلے فاصلے امتحان ہوئے ہیں۔ میرے اور باب کے تھوڑے زلٹ میں آچکا ہوگا۔ میں تیار ہو کر آتی ہوں۔“

بہت نرمی سے سمجھتی وہ آخر میں خاص طور عدوی کو مخاطب ہوئی اور فخری ہوئی۔

”جلدی چلتی ہوئی اچھے۔ باب کا شوق چڑھا ہے۔ باب تو وہ لوگ کریں جن کو کوئی نئی تعلقی پراہم ہو۔ یہاں کسی چیز کی ہے۔ نہیں گھر کی ذمہ داریوں سے جی چڑھنے کا اچھا موقع ہے۔“

چھوٹی بھابھی کی زبان میں مٹھلی ہوئی۔ کل کے سحر سے رات لکھنے کا ڈانڈ اٹھ کر ابھی تک زبان پر تھا۔ اس کے شاد و مہر اس جاگزی کا ارادہ لگا رہا تھا۔

”ضرور اپنا بیگ آپ نے مشورہ دیا ہوگا اس لیے

بڑی بھابی کہہ کر اٹھ کھڑی ہوئی تو چھوٹی نے بھی لکھ دیا۔

☆☆☆

”یہ کیا بات ہوئی بھلا؟ صاف صاف مقابلہ کرنے والی بات ہے۔ تمہیں کیا ضرورت ہے اس لڑائی کی۔“

اسد اور مٹھا کے اسکول کے بعد وہ دو اور اسکولوں میں جی تھی اور اب وہ دونوں گھر واپس آ رہے تھے۔ جب عدوی نے بات شروع کی تھی۔ اسے اس قدر کمری میں لیں دیکھ کھانا سخت برا لگ رہا تھا۔

”جب تم باب کرنے لگو گے۔ وعدہ میں کسی کے بغیر باب چھوڑ دوں گی۔ بھابھی، بھائیوں کے زبردست رہنا تمہیں پسند ہوگا۔ مجھے نہیں، میں نے تو اپنی لائی ہے کہ پڑھنے کے طور پر اڑنا کر لائی۔ بڑوں کے لیے ایک ہی کی ہے۔ بھابھی کی ہے۔ بھابھی کی ہے۔ بھابھی کی ہے۔“

”مجھے بہت زیادہ کی جا رہی ہے عدوی! مگر جو توڑی ہوئی سی ہو وہ احسان کے چہرے میں لپٹی ہوئی ہرگز نہ ہو۔ پہلے آپ کیلئے تھے۔ جیسے بھی کرتے تھے، مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں ہے مگر اب میں بھی آپ کی ذمہ داری ہوں، مجھے بھی برداشت نہیں کروں گی کہ میں اپنی کی ضرورت کے لیے آپ کو کہوں اور آپ اپنے بھائیوں کے سامنے ہاتھ پھیلا کر بری ضرورت پوری کریں۔ میں جانتی ہوں کہ بڑوں کی باتیں آپ کے ہاتھ کا شروع کیا ہوا ہے، مگر اس میں اتنی تو بھائی کی ہے ناں۔ گھر انجی کے پیسوں سے چلتا ہے۔ ٹھیک ہے۔ میں جانتی ہوں کہ کھانا، چٹا، پڑے دھوا سب ایک ہی گھر میں اکٹھا

پکڑوں کی ضرورت پڑتی ہے یا میں پتاری پڑتی ہوں، کیا نہیں ہے جا کر کہ بھائی پیسے دیں مجھے میری بیوی کو ڈاکٹر کو کھانا پیسے کی ضرورت ہے؟“

اس کا لہجہ نرمی کے لیے ہوا تھا مگر الفاظ تو قلعانم تھے۔ عدوی نے پہلو ہلا۔

”میں نے زندگی کا بہت مشکل دور دیکھا ہے عدوی! بہت مشکل سے مشکل مالی حالات میں بھی بھائیوں کے آگے ہاتھ نہیں پھیلا یا۔ نیو نیو نیو، بھابیوں تک کے کام معاوضے پر کیے۔ کلاس کو رقم لے کر جڑو بنانا کر دے تو اس ہاتھ کر دے اور اپنی ضروریات پوری کیں تو اب کیسے اپنی خود داری کو سلا کر یہ سب برداشت کر سکتی ہوں۔ آپ میری ضروریات اپنی جیب سے اور اپنی کمائی سے پوری کرنے کی اہلیت نہیں رکھتے تو مجھے کسی بھی کام کے لیے معنی میں مت کریں۔ بس اپنی درخواست ہے۔“

”بے خوف عورت! خودی اپنی ہو کر دوبارہ اپنی بات کا ہے۔ اور تمہیں اس وقت اعتراض ہوتا ہے میں الگ گھر میں رہتا ہوں اور پھر ان سے مانگتے آ۔ میرا بھی ہر چیز پر راجہ تھی ہے، جتنا دونوں بھائیوں کا گھر اور بڑوں پر۔ اور یہ تمہاری غلط فہمی ہے کہ مجھے بات بات پر ان کے سامنے ہاتھ پھیلا نا پڑتا ہے۔ بھائی مجھے بغیر کہے ماہ اور رقم دے دیتے ہیں کہ میں آرام سے تمہاری اور اپنی ضروریات پوری کر سکا ہوں۔“

”ہاں اس وقت تک جب تک آپ ان کے پیسوں، بچوں کے ڈاکٹر کے فرائض پر اصرار کیا دیتے ہیں یا پوری سے کہ غرضناں میں ذمہ داریاں اٹھانی چاہیے۔ سب کا کام جس دن آپ نے چھوڑ دیے اس دن آپ کے بھائیوں سمیت بھابیوں کی محبت اور خرچہ کی جی مل جائے گی اور بلاخرش آپ ان سب کاموں کے معاوضے کے طور پر یہ رقم وصول کرتے ہیں جب ہی بہت کم ہے کیونکہ بارہ ہر ماہ ہر ماہ میں آپ کے زائد مشکل سے ہوتا ہے میرا تو کہاں ہی

کے دوستوں نے ان کا حقیقی کوہستہ فریب سے برتا ہے۔ جب ہی آپ کو کہہ رہی ہوں کہ اس کے ماہ ہونے والے اپنے امتحان میں حصہ لیں اور ڈگری کا حصول ممکن بنائیں۔ مشکل وقت خدا نہ کرے بھی آپ کا مقدور ہے۔ مگر ایسا ہو تو اس میں تو اپنا سایہ بھی اپنا نہیں رہتا۔ رشتے تو دور کی بات ہیں مگر یہی تعلیم اور ہزار انسان کی طاقت اور ہتھیار بنتا ہے۔

”افو پارا! بس بھی کرو یہ خوف ناک سچرا میں ابھی کچھ سال زندگی کو انجوائے کرنا چاہتا ہوں۔ میں تو ابھی شادی جیسے بھجٹ کے موڈ میں ہی نہیں تھا۔ پھر نہیں کیوں ابھی کو میری آزادی کھلنے لگی اور لے آئے اپنا ایک اور چاشین تمہاری صورت۔ کڑوں کا میں بھی سب کچھ جب وقت آئے گا۔ ایک ہی بات بار بار کہہ رہے تھے پڑھان کرنے کی کوشش مت کرو۔ تمہارے نہیں ہونے خیالات ہیں۔ میں ان سے ہرگز متفق نہیں ہوں اور نہ ہی مجھے اپنے بھائیوں کی محبت پر کوئی شک ہے۔ تمہارے جو جی میں آئے وہ کرو۔“ اس نے بے زاری سے کہہ کر گاڑی دوبارہ سے اسٹارٹ کی۔ کسی۔ ختم کا چہرہ پیکا پڑ گیا تھا۔

☆☆☆

”جہیں پہنچا ہے عدی کے گاڑی صرف تمہارے استعمال کے لیے نہیں ہے، جو بیوی کو لیے یہاں وہاں کی سیریں کرتے پھر رہے ہو۔ تمہارے بھائی نے آج جلدی جانا تھا۔ تو مجھے چھوڑ گئے کہ عدی چھوڑ آئے گا۔ اور تم سدا کے لاہر دابندے۔ حسب معمول سیل اوپر ہی پڑا ہے تمہارا۔ کاش کی کاغذ پر کاڑ آ رہی ہیں۔ اب جلدی سے مجھے پار چھوڑے آ۔“

گھر آتے ہی لاؤنج میں چھوٹی بھابی جلیق ہوئی تھی اور آتے ہی عدی کو کڑکھدا کہ ختم۔ ختم۔ ایک چٹائی نظر اس پر ڈالی اور خود کو پری سیز صیایا پڑھ رہی تھی۔

”اگلی قہقہہ دیکھ کر لاؤنج میں بی بی دی گئی۔ آہستہ آہستہ بڑی رضیہ بڑ بڑا کر اگلی کے تہہ پر دیکھ کر اس نے بی بی بند کیا اور پگن ٹپ اگلی۔“

”کیا وہ میں ہے دوپہر کے کھانے کی؟“

سچیجی سے یہ پوچھ گئے سوال پر رضیہ فراسا سے شروع ہوئی۔

”وہ بی بی دی بی بی کا آرڈر ہے کہ کمر میں چنک دیکھ صاحب اور ابھی ہوتے ہیں تو سبزی اور دال ہی پکایا کروں۔ صرف چھٹی والے دن اجتماع ہونا ہے دوپہر کے کھانے میں شام کو کچھ کھا سب کھانے کھانا تھا ہیں تو دو اونچی ڈشز ضروری ہونی چاہئیں۔ ہاں اپنے اسکول سے آئیں تو ان کو کچھ خصوصی پک کر کھلانے کا حکم ہے تنظیم صاحب جو وہ کہیں۔“

”کاش کہ عدی صاحب رضیہ کی تقریریں کر ہی اپنی اہمیت جان لیتے۔“ اس نے دل میں سوچا۔

”ہوئے کہا۔“

”لو کہ تم ایسا کرو جیسے میں کبھی جاؤں دلیے کرتی جاؤ۔ کھانا میں خود ہی بناتی ہوں۔“

ایک طویل سانس لینے اس نے کہا اور کھینے کے بعد اس نے فرنیچ سے گوشت نکال کر قورمہ چار کیا۔ مسلا دیتا اور دروٹیاں ڈال کر رضیہ کے ذمہ پکوانے کا کہہ کر خود اوپر آگئی۔ مٹی کی گھڑی میں پگن میں کام کرنا آسان کام نہیں تھا۔ راجو کھاس اس نے جب تک کھانا کھا لیا۔ ابھی اور عدی ایک ساتھ گھر میں داخل ہوئے تھے۔

”آپ۔“ جو عدی وہ میری پتلی آج تو اپنی مائی کی یاد دلا دی تھی۔“

مٹیل پر ہاتھ رکھ کر ڈانڈ ڈانڈا دیکھ کر وہ خوشی سے جھولے نہ سائے۔

”چلو! اس خوشی میں یہ لو میری طرف سے انعام اور آج تمہارا آدھا کام تو جو گیا سارے مجھے

ابھی تو ختم ہے بھی زیادہ خوش تھے۔

”ادھر ابھی کون سا چاہا ہوا ہے؟“

مڑے سے کھانا کھاتے آئیں بائیں خاموشی سے کھانا ہر مار کر تے عدی کا خیال آیا۔

”ابھی ان کو کون تو میرا جواب والا آئیہ پاپنڈا آیا نہی اکیڈمی کی والدہ ان کے خیال میں گھر کو زیادہ میری ضرورت ہے۔“

ختم۔ عدی کی جانب دیکھ کر ابھی کا بتایا۔

”ہاں تے چھوڑ دے گی جب تو کماے گا اور ابھی بھی اس نے گھر کی ذمہ داری چھوڑی تو نہیں ہاں۔“ ابھی کا اطمینان قائل دیکھتا تھا۔

عدی نے نوالہ پلٹ میں چٹا۔

”تو یہ کیڑا آپ نے ہی اس کے دماغ میں ڈال دیا ہے۔ مجھے پتا ہے۔“

”اور میں اسے ہی نہیں سمجھتی۔ لکھ لے کے سب بیچے ہی پڑے ہیں۔“

کھانا اچھورا چھوڑ کر وہ دھڑ دھڑ کرتا اوپر جانے والی پڑھیاں پڑھتا چلا گیا۔

”او تو گھر نہ کر۔ اس کا قصہ بھی ہوا ہی ہوتا ہے۔ چلو شاید کھانا کھاؤ۔“

مگر کھانا سے نوالہ لگنا مشکل ہو گیا تھا۔ قہوڑی دہر بعد عدی پھر سے آف موڈ کے ساتھ لیجے اترتا دکھائی دیا تھا۔ آدھے بجے بعد وہ دونوں بچوں کو اسکول سے لے آیا تھا۔

”چاچی! ہمارے لیے پلیز پگن میکرو ویز بنادیں۔ بہت بھوک لگی ہے۔“

اسد نے بیگ وہیں صوفے پر پھینک دیا تھا رشتا نے بھی اس کی بیوی کی سی۔

”کھانا تو میں بنا چکی ہوں بیٹا اور پگن ہی بنایا ہے۔ دو آپ لوگوں کے لیے لے آتی ہوں

رشتا نے منہ بنایا۔

”نہیں چاچی! اہم نہیں یہ کھاتے۔ ہمیں کچھ اور بنادیں۔“

”لو کہ ہانی! پھر آپ کو جو کھانا ہے۔ رضیہ سے کہہ کر بنا دیجیے۔“ اس نے زیادہ ان کھڑے بچوں کے غرے وہ نہیں اٹھا سکی تھی، سو کہہ کر اوپر آگئی۔ صاحب بہادر موپا کے ساتھ حد درجہ مصروف نظر آئے اسے کہ اسے دیکھ کر باقاعدہ رخ دوسری طرف موڑ لیا۔ ختم کا اسے سنانے کا کوئی موڈ نہیں تھا۔ سوچے ہی سنا تے تھی، نیند نے آن لیا اور جس وقت وہ اگلی صبح کی آوازیں ہو رہی تھیں۔ عدی بھی بے خبر سوتا نظر آیا۔

”اور جو سوتے ہیں اور سارا دن صرف سوتے ہی بلاشبہ کھوتے ہیں۔“

اسے دیکھ کر اس نے تاسف سے سوجا اور خود نماز ادا کرنے کے بعد دوپہر کے کھانے پہنچے اگلی کہ اس ناگم گھر کے سب ہی افراد کو چائے پیتے تھے۔ پہلے ذمہ داری عدی کے سر بھی اب جب سے وہ آئی تھی اس نے کام از خود اپنے سر لے لیا تھا۔ آئی عورتیں گھر میں ہوں اور مرد چائیں کام کر کے اسے ہرگز نہیں کھینچتا تھا۔ ابھی کو اس کے ہاتھ کے پکڑے بہت پسند تھے۔ اس نے پہلے پکڑے اور پھر چائے پانی اور سب سے پہلے ابھی کو دی۔ چھوٹی بھابی ابھی پار سے لوٹی نہ تھیں سو چھوٹے بھیا کو چائے اور پکڑے دینے کے بعد جب وہ بڑی بھابی کو چائے اور پکڑے دے دیتے آئی۔ بڑے بھائی نظر نہیں آتے تھے۔ پٹنی دی دیکھ رہے تھے۔ جبکہ وہ خود رضیہ سے تھیں اور بھاری تھیں۔ اچھا بھلا خوش گوار موڈ اسے دیکھ کر کھینچا۔

”دیکھو ختم! اعدی ہمارے بچوں کی طرح ہے اور تم اس کے حوالے سے ہمیں عزیز ہو۔ مگر مجھے میری اولاد سے بڑھ کر کوئی عزیز نہیں ہے۔ آج تمہاری وجہ سے میرے بچے بھوکے رہ گئے۔“

ہیں اور ہرگز یہ چاہئے کہ ذمہ داریوں کو ہزاروں روپے خرچ کر کے بھی ہمارے بچے بھوکے ہیں تو یہ برداشت نہیں کروں گی۔ خود تو مرخ مسلم اراکین میاں ہوتی ہے۔ کیا خود جوان معصوموں کا بھی تھوڑا خیال رکھ لیتیں۔ میرے بھائی کی کتا نہیں ہے بس بستر ہی تو ڈنٹا ہے سارا دن گھر۔ وہ تو مرد ہے لیکن نراناؤں کا کیا پتا نہیں ہی خیال کرتا جیسے کچھ۔ تو یہ چاہئے وہ اب۔ خشکی ہوگی ساری

”معاف کیجئے گا بھابی! عدی کی اس طرز زندگی کے ذمہ دار بھی آپ ہی لوگ ہیں۔ صبح آٹھ بجے سے رات آٹھ بجے تک عدی دس سے بارہ پندرہ تو وہ آپ کے چھوٹی بھابی کے کاموں کے لیے لگتا ہے۔ بچوں کو اسکول کو چنگ چھوڑنا آئے اسے سب اس پر چھوڑ کر آپ بری الذمہ ہو کر بیٹھ گئے اس پر مجھے نہیں لگتا کہ آپ کو اس کی بے روزگاری کا طعنہ دینا چاہیے پانچ ہزار تو یہی رضیہ آپ سے صرف کھانا پکانے کے لیے تھی۔ باقی کام الگ۔ اور عدی جیسے سدا بہار غلام کو اس گھر سے صرف دو وقت کی روٹی اور مہینہ میں ایک بار دس ہزار آپ لوگ پکڑا دیتے ہیں تو ایسی صورت میں آپ کو کچھ جتنا نہیں چاہیے بلکہ احسان ماننا چاہیے اس کا کہ پانچ بندوں کا کام اس ایک بندے سے سنبھال ہوا ہے۔ اور خود اسے ایک کام بندے کے کام کی بھی نہیں دے رہے ہیں آپ“

کہہ کر عدی کی نہیں تھی۔ پکڑوے چاہئے سب بھول کر اسے گھر سے بھی آگئی تھی۔ وہ تو شکر ہوا عدی مو جو جس کی تھوڑی لقمہ اس کا خطرہ ہو لیکر قادیان سے بچنے کو خود اٹھ گیا تھا جب تک سے چار ٹکے کے ساتھ تھوڑا کم ہوا آئے۔ ابھی اس نے نیچے والا خانہ گھر میٹ نہیں کی تھا۔ سو ان کو اپنے گھر سے ہی بیٹھ کر پڑھایا۔ اور مغرب کی نماز پڑھ کر انہیں واپس بھیجا۔ عدی کو

”تم ہوئی کون ہو ہمارے گھر کے معاملات میں دخل اندازی کرنے والی۔ اپنی اوقات دیکھو ہے تم نے۔ میرے سر پر کسی غراب کی طراں مسلط ہو گئی ہو اب گھر والوں کو تو کم از کم باخبر دو۔“ عدی کی گری ہوئی بات کی تم نے بھابی سے کہ مجھے اپنے گھر کے چھوٹے موٹے کاموں کا معاوضہ دیا جائے۔ افس میرے خدا۔ کیا سوچا ہوگا بھابی نے۔ ”سر قہاسے وہ بیٹھ پر گرنے والے اعزاز میں بیٹھا۔

”عدی کی سوتیلی بہناری اور کتنی مادیت پرست ہو تم؟“ اس نے بچوں کو گھر میں چک اپٹ ڈھاپ کر دیا ہوا تو مجھے اس کا معاوضہ۔ تاسف سے کہتے اس نے بات اور عدی چھوڑ دی۔ ”انہوں نے تمہیں میری رد عمل کے طور پر یہی گئی ایک بات بتادی ہے نہیں بتایا کہ انہوں نے تمہارے اور میرے متعلق کیا کیا ہے؟ تمہاری بے روزگاری کا طعنہ دیا انہوں نے مجھے تمہارے اور میرے مفت روٹیاں توڑنے کی بات کی انہوں نے“

وہ بیٹھ پڑی۔ ”ارے جاو! تمہیں اس گھر میں آئے مشکل دو ماہ ہوئے ہیں اور اپنے گھر والوں کو میں برسوں سے جانتا ہوں۔ اپنے بچوں کی طرح کتنی ہیں میری بھابھیاں مجھے۔ اپنی غلط سلط میں ان سے منسوب کر کے تم اپنی غلطی چھپانے کی کوشش میں کرو۔“ جیسے بھابی سے اپنی غلطی کی معافی مانگتی ہوئی اور خیر اور ابا کی کوریان میں لائے کی ضرورت نہیں ہے۔

”تم نے کسی سے کوئی ایسی بات نہیں کی جس پر مجھے شرمندگی ہو۔ میں معافی بھی نہیں مانگوں گی۔ جب میں نے یہ کھل چھوڑ لیا۔“ وہ جی اپنی بات پر اڑی گئی۔ عدی کچھ لکھے اسے دیکھ کر ہاتھ نہڑتی منہ میں کچھ پڑتا اس کے

”یاد رکھا گیا۔“ مجھے ان بھابیوں کی کارروائی سے نجات تھی۔

☆☆☆

”بھابی! یہ کچھ پیسے ہیں بالکل میرے ذاتی۔ مجھے ان سے کچھ سامان ملنا ہوتا ہے جسے میں اس گھر کے۔ پچھلے اس گھر کے۔ لیکن صرف تاثرات سے کہتے ہے اب زبان سے ہی کہنے کے ہیں کس گھر میں میرے شوہر کی کمائی ہے تو میرا کتنی حق نہیں ہے کہ میں یہ چیزیں ان کی بات بھی غلط نہیں ہے۔ جس میں دن عدی کی کچھ میں یہ بات آگئی سب ٹھیک ہو جائے گا۔ آپ کچھ بھی بولے بغیر مجھے کوشش کر لینے دیں۔ کوئی شے تو کامیابی کی پہلی بڑی ہے۔“

تج نماز کے بعد وہ ان کے کمرے میں آئی۔ تلاوت قرآن پاک کرتے انہوں نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا اور اس کی بات سن کر وہ ان کی حیرت میں مبتلا ہو گئی تھی۔

”وہ تو ٹھیک پر پڑا اگر تم بے پیسے رکھ لو، مجھے بتا دیا کیلا تا ہے۔ تمہارا اور کسی پر نہ ہو۔ مجھ پر تو حق ہے میں۔ تمہاری ماں تو دھڑلے سے میری بیب سے پیسے نکال لائی گئی تھی اگر تم تو مجھے سے بھی بچھا رہی ہو، ایک اور بات آئی ہے تو عدی اور لاہر دو ہو جائے کہ تمہاری ذمہ داریوں سے۔ اپنی ضروریات کے لیے اس سے مانگو نہیں تو اسے کیسے احساس ہوگا کہ اب وہ کیا انہیں ہے۔“

”احساس کرنے والا بندہ تو بہت صورت حال میں احساس کر لیتا ہے۔ جس نے نہیں کرنا اس کے سامنے دو حذر دیا کیوں نہ پیٹتے رہو۔ اس پر اثر نہیں ہوتا۔ آپ یہ سامان لے آئیں۔“ وہ چوچان کے ہاتھ میں تھامی باہر آگئی تھی۔ کچھ میں کی کے آنے سے پہلے ہی اس نے اپنا اور اپنی کاغذ شاپا اور اوپر آگئی تھی۔ دونوں بچہ۔ سر نے بھی چٹکی باتوں کے

درمیان میں اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ ”ان دونوں کا مطالق ہی وہ ہے جتنا ہر کسی کا رسواں تھی۔ ان دونوں کا پروگرام تھا کہ سب کے چلے جانے کے بعد بچے نہیں والا کو میٹ کر س کے جو پہلے ماں ہی اور ابا کی کا ہوتا تھا کمر بعد میں ابا کی اور عدی پر شفٹ ہوئے تو وہ کمرہ دو لیے پڑا ہوا تھا۔ مشکل دو ماہ سے ناشتا دینی پڑی تھی تو آج بھی سب اپنے اپنے چائے پر ناشتے کے لیے آئے تھے آگے خالی بچن اور خالی بیز سب کو اپنا منہ پڑا ہوتی تھی۔ پڑی بھابی نے فوراً عدی کو کھین کر لکڑا کا تھا۔ مسلسل تیل پر عدی نے پھٹک کر کھین کھول کر موبائل کو لٹا کر پھر بے خبر سوتی خفا کی طرف دیکھا۔

”ہیں۔ یہ کیوں ابھی تک سو رہی ہے۔“

”معاذی تو کیا ہی بھوکا ہے تم اپنی لاڈلی بیگم سے اس کی بدتمیزی کی انکا سارا گھر ناشتے کے لیے پریشان بیٹھا ہے۔ مہارانی نے منہ میں ناشتا ہی نہیں بنایا۔“

ان کی بات سن کر عدی کی آنکھیں پٹ سے کھلی گئیں۔ اس نے کڑوٹ کے بل سوتی ہوئی خفا کی پٹ کو گھورا۔

”بھابی! ابھی آتی ہے وہ پانچ منٹ ویٹ کریں۔ رات اس کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی تو آٹھ نہیں کھلی اس کی۔“

دوسری طرف کا جواب سننے بغیر اس نے موبائل نیچے پر اچھالا اور اٹھ کر اسے منہ میں چھوڑ کر رکھ دیا۔ خفا وہ پہلے ہی پاک رہی تھی تا کواری سے اٹھ بیٹھی تھی۔

اس کے ایسا کہنے پر وہ جو ناول اٹھا کر واٹ روم کی طرف جا رہا تھا۔ ایک دم سڑ اور جابار نامہ از میں اس کی طرف آیا۔

”پھر مجھے جلد ہی کوئی فیصلہ لینا ہوگا۔ کسی ایسی صورت میں زیادہ دیر برداشت نہیں کر سکتوں گا جس کے نزدیکی اس کے شوہر پر اتنی اہمیت بھی نہیں کہ وہ اس کی کوئی بات مان سکے۔ ابھی کسی میں صرف ابائی کے لحاظ تھا چپ ہوں گے وہ اپنی بہن سے بہت محبت کرتے تھے ان کو میں نے بہت دفعہ ان کی یاد میں روئے دیکھا ہے۔ گھر میں زیادہ دیر چپ نہیں رہ سکتا گا اگر تم نے ایسا ہی رویہ اختیار کر گئے گھر میں مزید فریانی پیدا کرنے کی کوشش کی تو۔۔۔“

اس کے واٹ روم جانے کے بعد وہ آپس سے ابھی اٹھی اور بیٹھے چلی آئی تھی۔ بڑی بھابھی نے بڑی جتنی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔ کچھ ہی دیر میں خوشبوؤں سے مہلکا ہوا وہ بھی آن پہنچا تھا۔ بچوں کو اسکول جو چھوڑنا تھا۔ آج تو جہان بوجھ کر بڑی بھابھی نے ایک دو اور کام بناتے ہوئے عدی کے ذمہ لگا گئے تھے۔ غمناک قطعاً ہوا۔ نہیں کی اب وہ جو چاہے کرتا۔ خود بخود ہی کنوئیں میں چھلانگ لگنے کی خواہش رکھتا ہوا سے کوئی اور بھلائیے اور جب تک باز رکھ سکتا ہے۔

چار سیکڑوں میں سے ابھی نہیں سے بھی اسے کال نہیں آئی تھی مگر اس کی پوری توجہ نیٹوں والے بچوں پر تھی کہ وہی اس کی خودداری کی جگہ کا ذریعہ تھے ان کی تعداد اب سولہ ہو چکی تھی۔ جگہ کی کے پیمٹ پر ایٹل خنوارہ ان کی اتنی ہی تعداد کا کافی سمجھی تھی۔ مگر کے گالنگل کا رو دیے دیکھ کر اب رضیہ بھی اسے خاطر میں نہ لاتی تھی۔

☆☆☆

اپنے کمرے کی صفائی کرنے کے بعد اس نے

آکر کھانا تیار کرنے میں لگ چکی تھی۔

”میں ابائی، اپنا اور عدی کا کھانا بنائوں ہوں۔ تم بچوں کے لیے جو بنانا ہیں وہ بنالینا جب تک صفائی کی لو یا کوئی اور کام۔“

اسے مشکل سر پر سوار دیکھ کر اسے جھٹلا ہلے ہوئی تو اس نے اسے باہر جانے کو کہا مگر اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی تھی اس کا جواب سن کر۔ ”نہیں جی! میں نے گھر کا کام ہی نہیں کرنا ہوتا صرف۔ پورا گھر میرے ذمہ ہے چھوڑ دے جاتی ہیں باجیاں تو گھرانی بھی تو میرے ذمہ ہوئی ناں۔ لیکن بھرا رکھا ہے ہر کم کے سامان سے۔ کوئی کی بھی ہوئی تو پوچھو کچھ میری ہوئی ناں۔“

”باللہ یہ دن بھی دیکھنا تھا کہ گھر کی معمولی ملازمہ کبھی مجھ پر فوجیت حاصل ہوگی۔ کاش یہ تمام باتیں وہ نہ دے وقف انسان بن اور مجھے لے کر ہاتھ پر ہاتھ مھر کر دوسروں کی کمائی کے بل پر زعمہ رہنے والا شخص خود ہی اپنے مقام سے نہیں نکلتا خود سے وابستہ رشتوں کو بھی حقیقت میں چھوڑنے کے جاتا ہے۔“

”ابائی صبح کہہ کے گئی تھیں کہ صرف سبزی یا ناشتا باہر سے منگوا لینے سے کام نہیں چلا۔ بیس اور سالے تو اس بچن کے ہی استعمال ہو رہے ہیں اور اسل چاہے کس بھاء سے آج کل۔“

وہ کسی اور کی پڑھائی پڑھائی جی جو رضیہ فرزند ساری تھی۔ بڑی بھابھی کو اس کی گل کی جرات اتنی بڑی لگی تھی کہ وہ کھل کر ہر محاذ پر اس کے مقابل آگئی تھیں۔

دو پہر کے وقت وہ بھی موجود تھا۔ جب اس نے کھانا لگا کر ابائی کو اور اسے بلایا اور کھانا کھانے کے بعد رضیہ کی بھی ہوئی باتیں ویسے کی ویسے دہرا دی تھیں۔

”ہاں تو کیا لفظ کہا اس نے۔ اب ابائی ڈیرہ اہنٹ کی سمجھ کڑی کر کے دوسروں کی انا کو

بہت بچھاؤ کی تو ابائی بائیں لوگ سے تو نہیں لی تھی۔ مجھے تو حیرت ابائی آپ پر ہوئی ہے۔ آپ کیوں اس بے وقوف کو بھجانے کی بجائے غلط شدہ رہے ہیں۔ ساری دنیا ہی جواکت میں سسٹم میں راقی ہے۔ لاکھوں عورتیں گھر کے کام کرتی ہیں۔ ایک آپ کی بھائی کو پانچویں کیا تکلیف ہے۔“

”اگوتھیا۔ اگوتھیا۔ اس نے بھی کبھی کام سے متعلق نہیں کیا یا نہیں چاہا۔ اسے کسی سے شکایت بھی نہیں ہے سوائے تیرے تو ایک دفعہ چنے کے اس کی بات سن۔ اس کا نظریہ سمجھ کر وہ تجھ سے کیا چاہتی ہے۔ یہی نا کہ کھلے دے مجھے کم کے لاکر خود سے کمائی کے۔ تیرے تو بھائی ہیں۔ حق سے ماگ لیتا ہے۔ میرے پر بندہ ایسی حیثیت کا نہیں ہوتا۔ کچھ خود دار لوگ تو مانتے سے پہلے پر جانا پسند کرتے ہیں۔“

”میں کون سا بھگم مانگتے کو کہہ رہا ہوں اس کو بس یہی کہنا ہے کہ جیسے چل رہا ہے چلا رہے ہو۔“

”اودھی! تو ایسا بے دیر اور بے لحاظ تو کبھی بھی نہیں تھا۔ یاد ہے میں اپنے سب دکھ کچھ تھے سے کہا کرتا تھا۔ تیرے من میں زبان ہی نہیں ابھی تو لگتا ہے زبان پر تو نے پوری کنڑوں (کاٹھ) کی فصل لگا کر دی ہے۔ تیرے بھلے کو کہتی ہے یہ۔“

”جو بھی کہتی ہے بھل کو تیرے ہال پہنچے ہوں گے جب کیا کرے گا۔ ایسے ہی بھائیوں کا درست گھر رہے گا۔“

”آپ کے لور اس کے بھی کسی کام سے میں نے انکار نہیں کیا مگر اس کی فضول مشرہ خضرہ لانی ہے۔ اللہ کا شکر ادا کرے اس نے کسی بھوک نہیں سلائی۔ اب کسی کچھ نہ کچھ ہو جائے گا۔ بس یہ بھابیوں کو کمزرت دے گھر سنبھالے تو وہ بھی اس کی دل سے عزت کریں گی۔ اب یہ میرے کام کو بڑا پار کھانا ان کی خود اور مقرر کرنے کی بات کرے گی

☆ ☆ ☆

گرمیاں شروع ہوتے ہی اسے بری کے رشتہ کی کڑے کی طرح سے چسپے لگے تھے مانگنے کی اس کی عادت نہیں تھی مگر جس کا فرض تھا وہ اپنے فرض سے لاپرواہ تھا۔

”وہ تجھے کچھ پچھے چاہئیں۔ گرمیوں کے کپڑے لینے ہیں۔“ اس نے جھجکے ہوئے کہا کہ نیٹوں والے بچوں کو ابھی پورا مہینہ نہ تھا اور اس کے پاس جو رقم تھی وہ اس سے چھوٹی موٹی ضروریات پوری کرنے کے لیے خرچ کرتی تھی۔

پر اور بات ہے کہ جب سے ابائی نے اس سے سبزی یا کسی چیز منگوانے کے روئے نہ لیے تھے وہ خود ہی چادر لے کر بازار چلی جایا کرتی تھی۔ اسے احساس تھا کہ ابائی کی معمولی پنشن میں ان کا اپنا کڑا کرنا مشکل سے ہوتا تھا۔

”ہاں تو بھابھی سے کہنا۔ اس میں کیا مسئلہ ہے۔“ اس کے لا پرواہ اعزاز میں جواب دیتے پر خنکاری آنکھوں میں آنسو اگلے تھے۔

”میں بھابھی کی نہیں عدی تمہاری ذمہ داری

خود اس کا کپڑے پہنا رہا تھا۔ اور مجھے۔۔۔
 موبائل سے ٹھکرانے اٹھائے بغیر وہ بولا تھا۔
 تاروں کی شاید وہ اس لیے بول رہا تھا کہ ٹھکانے پر
 روشن تو وہی رنگ کی خود اپنا بندوبست کر کے کھانے
 پکانے کی۔۔۔ اپنے کچے میٹوں سے ایک چھوٹا
 سسٹر اور بیس والا چھلکا اور باہمی سے ٹھکر کر
 سٹ کر لیا تھا۔ ساتھ ساتھ مجھے والوں کا ناشتا اور
 شام کا کھانا بھی بخاری تھی۔ جس دن وہ ذرا سی بھی
 کوئی بات کرتی۔ بڑی بھابھی کو خود کچھ کہنا ہی نہیں
 پڑتا۔ مگر کوئی میدان میں اتار دیتیں جس کی
 روشنی دیکھیں گی۔

☆ ☆ ☆
 ہفتہ وار چٹنی تھی تو چھوٹی بھابھی کے سوا سب
 گھر پر ہی تھے بڑے بھائی اور چھوٹے بھائی نے آج
 کی پارٹی سے ملنا تھا۔۔۔ سعدی کے فون پر ہی بڑی
 بھابھی کی کال آئی تھی۔ شام ۸ گھنٹہ کا ناشتا پلاؤ تو
 وہ جائیں۔ وہ خود درضیہ کے ساتھ صفائی میں ہی ہوتی
 ہیں۔ اسے ہی فون پکڑا کر وہ بارہویں تان کر سو گیا
 تھا۔ شام کو گلاب کا ایک اس کی نیند ہی اسے دینا میں
 سب سے زیادہ مزہ پڑی جس کے لیے اس نے اپنا
 کیریز اپنی تعلیم کی کیا نہ گھر بھی ڈاکٹر کا کھانا تھا۔
 دوسری طرف بھابھی بیٹک نے آڈر دے کر فون بند
 کر دیا تھا۔ چائنی کھانے کا کھانا کچھنا تھا اور اس کی
 جھیل کر مادی کی ذمہ داری تھی۔

”معد ہوتی ہے پڑھاری کی۔۔۔ آج تو گھر پر
 ہیں۔ آج ہی اپنے مردوں کو اپنے ہاتھ کا بنا کچھ
 کھا دیں۔“

بڑ بڑاتی ہوئی وہ ابھی وہ سعدی کے سامنے
 بھی اچھا خاصا بار بھلا بول چا کر گئی تھی تو وہ
 خاموشی سے سن لیتا۔۔۔ مگر اسے ڈانٹ بھی پڑتا تھا۔
 دس بچے کے قریب وہ قاصر ہو گئی تھی کہ اسے
 دیکھ کر اسد خوش چڑھا کر اسے چھوٹی چائنی کے

ساتھ اسے لپائی یاد آئے جو پوریاں بہت شوق سے
 کھاتے تھے اور یقیناً ان چھ بچے جو انہوں نے غناہ
 کے ساتھ پر اٹھا کھا تھا وہ ان کے چلنے پھرتے
 رہنے کی وجہ سے غم ہو چکا ہو گا سولہ پوری بنا کر وہ
 فارغ ہوئی تو بیٹے میں شراہ اور اس کا کھانا تو دل ہی
 نہیں کیا۔ درضیہ کے ذمہ ہی سب کو دینے کا کام ذمہ
 لگا کر وہ اوپر آئی تھی شکر ہے صاحب بہادر ہمارا دھڑکا
 تیار تھے۔ غلابا کہیں جانے کی تیاری تھی۔
 ”کیا ہو۔۔۔؟ میرا ناشتا ہی لے آئیں
 یا۔۔۔ کوئی ست گھنٹہ ہو گئی۔“

”تم سے کم ہی ست ہوں۔ تمہارا بس چلے
 تو ساری عمر میں بستر پر قیام کر دو۔ ہاں کے رکھ آئی
 ہوں چلے دیں جا کر لو، اب مجھے کیا پتا بادشاہ
 سلامت جاگ رہے ہیں۔“

گرمی سے برا حشر تھا۔ اوپر سے اس کی
 فرمائش برائ ہی پڑی۔

”مجھے تمہاری بے جہ زبان سے ہاں دل کرتا
 ہے کی دن چلتی سے کات کر دیتا ہوں۔“
 رات چیں کر وہ بولا۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ
 کہتی۔ بڑی بھابھی دھک دے کر چلی آئیں۔
 ہاتھ میں غلاست سے تھکے ہوئے کوئی سات آٹھ
 سوٹ تھے۔

”یہ لو بھی غلام! یہ تمہارے گریوں کے
 کپڑے۔۔۔ داد دینا میری درزن کو جس نے بالکل
 تمہارے ہاپ کے بنادے۔ پچھلے سال ہی بناے
 تھے میں نے ایک ایک پیار پہنے ہوئے ہیں۔ یہ
 تین تو تم خاص خاص مواقع کے لیے سنبھال کر رکھو
 کیونکہ بہت مہنگے والے ہیں یہ والے چار بھی اچھے
 والی لان ہے۔ گھر میں استعمال کرو۔ غلام کی رحمت
 حشر ہو گئی پوری بات سن کر۔
 ”آپ اپنی خیرات اٹھائیں اور چلی جائیں
 یہاں سے۔ اس سے نیلہ پر گئے ان کے کپڑوں کی
 ڈھیر کی طرف اشارہ کیا اور سن موڑ کر کھڑی ہو گئی۔

اپنے ہی کرتے سے ہر بات۔ ہر معاملے میں
 ہماری تو چلو چاب کی بھجوری ہے جس میں غناہ
 بیٹھا ہے اس لیے اسے سوٹ بونا پڑتے ہیں اس
 نے کہاں جاتا ہے۔“
 ”کیا پتہ تیری بے غناہ۔! یہ کون سا طریقہ
 ہے۔ خودی کپڑوں کے لیے کہہ رہی تھی۔ اب
 اس طرح کی باتوں کا مطلب۔۔۔ وہ جاتا ہوا وہاں
 مڑا۔

”مجھے ایک سی سوٹ لے دیے بعد ہی اچھٹک
 قیمت ہوتا مگر میری یوں تیل تو نہ ہوتی۔“ غریب
 ضرور تھی میں۔ مگر آج تک اترا نہیں پہنی میں
 نے جو جاتا ہے بہن بھائیوں میں ایسا، بہن لے
 جاتے ہیں بیٹوں کے کپڑے مگر احسان اور خیرات
 کے طور پر نہیں۔۔۔ وہ چ کر بولی تھی۔

”ہاں تو بھابھی تمہاری بیٹوں کی طرح ہیں اگر
 سمجھو تو۔ میں تو خود دھما ہوں۔ بھائیوں کے کپڑے اکثر
 فٹنگ میں پہن کر چلا جاتا ہوں۔ بھائیوں کو بھی کوئی
 کچھ نہ کہہ سکتا۔ اس تو مجھ سے دیتے ہیں۔ میں تو
 خوشی سے لے لیتا ہوں۔“ ہاں۔۔۔ مگر مجھ میں
 ابھی غیرت باقی ہے۔

”دوسرے لفظوں میں تم مجھے بے غیرت کہہ
 رہی ہوں۔؟“

وہ لڑا۔
 ”اے بیٹے تو سمجھ لو۔ شاید ای سے جس میں عقل
 آجائے۔“
 اس کی اس بات نے سعدی کو اتنا نہیں تپایا جتنا
 ابھی کے تاثرات اور بات نے۔
 ”واہ بیٹی! یہ اچھی تعلیم اور تربیت ہے
 تمہاری۔ شو پر کوئی بے غیرت کہہ رہا ہے۔“
 بھابھی کی بات بھی نہ ہوئی تھی کہ سعدی
 نے بازو سے پکڑ کر غناہ کو اپنی طرف گھمایا اور اس
 کر اس کے منہ پر ایک چھڑ کر دیا۔
 ”ایسا ہی ایک چھڑ تمہاری جلی بدلتی ہے مارا

ہوتا تو آج تمہاری زبان درازی ظروں میں
 ہوتی۔“
 ”میں تو بھی چلتی ہوں۔ تم میاں بیوی
 کا معاملہ ہے۔ تم ہی مل کر دیکھ کر۔۔۔“
 پڑی غناہ کا حراحتی وہاں سے ہل دی تھیں۔
 ”میں یہی آخری چیز تھی جس کی میں تم سے
 امید کرتی تھی۔ تمہیں تمہاری یہ طفلے بھی زندگی
 مبارک ہو مگر میں کڑے سے پانی نہیں اس بدبودارے
 مائل میں مزہ تمہارے ساتھ نہیں سکتی۔“

چند منٹ لگے گئے تھے اسے خود کو سنبھالنے میں۔
 پھر اس نے اس کی جانب دیکھے بغیر الماری کو لی اور
 اس میں سے اپنا نیک بے س اور پورا نکالا۔
 ”ارے جاؤ ازگن! اجڑن کر ڈائی میری۔
 مجھے بھی تم جی خود سر عورت کے ساتھ نہیں رہنا۔“
 اس سے زیادہ تیل بھلا اور کیا ہوئی
 بہت مہذب کے بعد بھی اسے نکل آئے تھے۔

☆ ☆ ☆
 ”غناہ۔ غناہ۔ چائے پلاؤ بھی اپنے
 ہاتھوں کی مڑ سے داری۔“ ایسا ہی کہہ آتے ہی
 حسب معمول پہلی مدام ای کے نام کی لگتی تھی۔
 ”غناہ چائنی تو مدی چا چائے لڑ کر کھر سے چلی
 گئیں۔“

اسد نے ٹی وی دیکھے ہوئے انہیں
 بتایا۔ ایسا ہی ساکت ہی تو رہ گئے انہوں نے تو چل
 بھڑیں ہونے لگے مگر کوا کھا کر لیا تھا۔
 ”مجھے تیری جرات کیسے ہوئی میری بیٹی کو گھر
 سے جانے کا کہنا۔۔۔ میں چاہوں تو ابھی کھڑے
 کھڑے تجھے اس گھر سے نکال دوں۔ مت بھولو کہ
 یہ گھر اے۔ میری خون پسینے کی کمائی سے بنا ہوا۔
 اس کا تو اس خیر میں کوئی جاننے والا بھی نہیں ہے۔
 جاؤ سعدی! ابھی ملدی ہو گئے اسے دھڑکے لے
 کر آؤ۔ تم نے ابھی سے پوری کے طور پر کچھ کہنے کے جائز ہو
 گھر میری بیٹی کو کوئی کچھ کہے یہ میں برداشت نہیں
 کروں گا۔“

ابھی تو بس اسے دیکھتے جا رہے تھے۔

☆☆☆

اپنی پہلی نکاح و ہاتھ میں لے دو عجیب سے احساسات لیے بٹھار ہا کرچہ وہ مختصر ہزار روپے تھے مگر ان سے بڑا احساس بہت خوب صورت تھا۔ سات دس بجے وہ گھر آیا تھا۔ اور جس وقت ہاتھ من دھو کر کپڑے بدل کر اپنے کمرے میں آیا۔ ابھی تو کھانے کی ٹرے کے صرافہ دیکھ کر پریشان ہو گیا۔

”آپ۔۔۔ آپ کیوں لے آئے۔۔۔ میں خود کچن میں جا کر کھا لیتا۔۔۔“ اس نے جلدی سے ٹرے پکڑ کر بیڈ پر رکھی۔

”ہاں کچن میں تو میرے چھری ماں تیرے لیے کھانے کی ٹرے سجائے بھی جی سی۔۔۔ او پاغلا! دنیا میں صرف ہی رشتہ ہے۔۔۔ ماں کا جو سونپے بچوں کی خوشی کے لیے کی روپ بدل سکی ہے۔ سبکی باورچی بن جانی، سبکی دھو، سبکی استانی تو بھی چوکیدار۔۔۔ آج تیرا ابھی تیرے لیے باورچی بن گیا ہے۔۔۔ چوکیدار تو ہے ہی اس گھر کا۔۔۔“

انہوں نے سسکراتے ہوئے کہا تو عدی شرمندہ ہو گیا۔ ابھی بچہ نہ پہلے تو اس نے ابھی کو چوکیدار کہا تھا۔

”وہ ابھی! میں تو بس ان لوگوں کو احساس دلانا چاہ رہا تھا اس لیے جذبات میں نکل گیا۔۔۔“ آپ آئیں چشیمیں اسٹے کھانا کھاتے ہیں۔“

”ابھی۔۔۔ اس نے کھانا کھانے کے بعد ان کو مخاطب کیا۔ ابھی نے نظریں اٹھا کر اس کی سمت دیکھا مگر اس کی آنکھوں کی دیکھ کر ان کا دل پریشان ہو گیا۔

”کیا بات ہے عدی! کیا ہوا۔۔۔؟“ ”ابھی! اودہ بہت ناراض ہو سکے گی ہے۔ میں بہت شرمندہ ہوں، ایک دفعہ آجائے تو معافی مانگ

کرے کہیں تلاش کروں۔۔۔“

”او عدی!۔۔۔ او پاغلا! مرد ہو کے رہتا ہے۔۔۔ مرد ارادہ کرے تو کیا نہیں کر سکتا۔۔۔ تو نے سنا نہیں کہ روضی نے تو خدا بھی مل جاتا ہے اگر ہے دل سے تلاش کیا جائے تو۔۔۔ پہلے تو اسے میرے ذمے تلاش کرنا تھا تو کیسے لگے تو۔۔۔؟ اب تو ہے دل سے روضی سے گا تو دیکھنا کہ ہے دل کی نہ تو دعا روا ہوتی ہے نہ خوشی را نکاں۔۔۔“

انہوں نے اس کا رتہ چٹپٹایا۔

☆☆☆

”بس مجھے اس کی بات کا یقین نہیں آتا ابھی اس نے میرا دل ہی نہیں توڑا۔۔۔ میری عزت ٹکس کو بھی چوٹ پہنچائی ہے۔۔۔ آپ لاکھ نہیں کروہ بدل چکا ہے۔ مجھے یقین ہی نہیں آتا کہ جو انسان زندگی میں کسی اصول نکت کو ہی تنبیہ نہیں لے رہا، اس سے نفس نہیں ہے۔۔۔ وہ یہی کے ساتھ کیسے نفس ہو سکتا ہے۔۔۔ آپ کو اب بات بتاؤں میں۔۔۔ ایک ایسے اسکول سے جا ہی آفری کی تھی مجھے دوست ہو گیا ہے وہاں جاتے ہوئے۔۔۔ بس آپ جلدی سے کوئی چوٹا سا کرائے کا مکان ڈھونڈ لیں۔۔۔ ہم باپ بنی دھیں رہیں گے۔۔۔ بھلے یہ آپ کے عزیز دوست کا گھر ہے وہ لوگ بہت خیال رکھتے ہیں میرا۔۔۔ مگر

اپنے گھر کی قواعد بات ہوتی ہے ناں۔۔۔“

وہ ابھی کے لاکھ کہنے پر بھی گھبرانے پر آمادہ نہیں تھی نہ یقین آ رہا تھا کہ عدی بھی سبھی سحر سکتا ہے۔

”اور اگر بندہ دست بستہ معافی طلب کرے تو کیا اسے دل میں اور کرائے کے چھوٹے سے گھر میں بکھل جائے گی۔“

عدی کی آواز پر وہ دونوں ہی اچھل پڑے تھے۔ وہ دروازے میں ہی ایستادہ تھا۔ نہ جانے کیوں ابھی کا چہرہ خوشی سے عمل اٹھا تھا اسے دیکھ کر عدی اندر آ گیا تھا۔

”میں ذرا فنی صاحب سے مل لوں۔۔۔ تم لوگ بات کرو۔۔۔“

ابھی کے جانے کے بعد وہ نکھارے ہو اس کے بائیں قریب بیٹھ گیا غما۔ فنی نے تھوڑی دور کھٹکائی۔

”یاد رہے تو جتنی بھی ناراض ہو۔۔۔ جائز ہے تمہاری ناراضی میں معافی بھی تو مانگ رہا ہوں ناں۔۔۔ کتنا پریشان کیا تم نے اور ابھی نے مجھے۔۔۔ پہلے میں دن تو خوب مجھے لعنت ملامت کی۔۔۔ میرے ساتھ پوری شدت سے تمہاری تلاش بھی کروائی مگر اس کے بعد وہ جیسے ریلیکس سے ہو گئے تھے۔۔۔ ہمیں سے مجھے ان پر تھوڑا شک ہوا کہ بس مجھے بھی کو وہ اتنا عزیز رکھتے ہوں۔ اس کی گمشدگی پر صرف تین دن کی پریشانی اور او پاغلا۔۔۔ پورا ایک دن میں نے ان کا بغور جائزہ لیا چھپ کر۔۔۔“

جیسے ہی ان کو اپنے اکیلے ہونے کا اطمینان ہوا۔ انہوں نے ہمیں کال ملائی اور سارے گھر کی خصوصاً میری پوری روشنی فر فر ہمیں سنا دی تھی۔ تیسرے دن ان کا کچھ کر کے میں یہاں تک پہنچا تھا۔

دیکھتے تھا ہمارا گھر سے تھا ہو کر آ رہی پھیلنے لگا تھا واقعی اس دن تم مجھے میں آکر گھر چھوڑ کر چلی آئیں۔“

اس کے سوال پر غما نے فنی سے اسے گھورا تھا۔

”جی نہیں بچہ بھی پری پھیلنے نہیں تھا۔۔۔ بس مگر کے گیت سے لگتے وقت ابھی مجھے یہاں لے لے گئے۔ میں واپس اپنے گھر جانا چاہتی تھی۔“

”یہ وہ فنی لڑکی! تمہارا گھر تو دبی ہے جہاں میں رہتا ہوں۔ تمہارا شوہر۔۔۔ اتنی بڑی بڑی باتیں کرتی ہو مگر اتنا بھی نہیں جانتا۔“

”ہاں جہاں سے مجھے دیکھ دے کر نکال دیا گیا۔۔۔ کچے میں ہی رو آئی تھی۔“

”میں استغفر اللہ! اتنا بڑا جھوٹ۔۔۔ تم خود گھر چھوڑ کے آئی تھی۔“ اور میں نے تم پر ہاتھ اٹھایا کیونکہ تم نے مجھے بھی کے سامنے مجھے بے غیرت کیا تھا۔۔۔ اسے اس عمل پر بار بار خود کو ملامت بھی کر چکا ہوں میں۔“

وہ بے جا چوڑی سے بولا تھا۔

”اے صاحب! چھوڑو ان سب باتوں کو۔۔۔ اپنے گھر چلو! مجھے سمجھتے تھا کہ روادار بن گئی، مگر ابھی سب اس میں ہیں۔ ہم سب کو عادت ہو گئی تھی تمہاری۔“

اب چھوڑو یہ تو کوری شوہری۔۔۔ صرف گھر بیٹھ کر مزے کرو۔۔۔ کسانے کے لیے میں جو ہوں۔۔۔ سیکڑ شفت میں ایک چھوٹی سی جاب کر رہا ہوں دو ماہ بعد وراثت کے بعد ایک دو بچوں پر جاب کے جائز ہیں۔۔۔ بس انسان خطا کا پتلا ہے تو جب تک شوہر نہ لگے بھستایا نہیں مجھے بھی شوہر تو تھی۔ شکر ہے وہ اتنی شہید نہیں تھی جس کی سہارا بنا۔۔۔ تم نے ٹھیک کہا تھا اپنے ہاتھ سے کمائی کی حلالی کی کمائی میں جو مزہ ہے وہ دنیا کی ساری املا سے اعلیٰ میں بھی نہیں ہے جو خیرات میں دان کی گئی ہوں۔“

”بولو صاف کرو کی ماں اپنے عدی کو۔۔۔“ وہ اس کی طرف جھک کر بولا تو غما نے ایک نظر اس پر ڈالی اور سرگرا کر سر جھکا لیا۔

”دیکھو اسے کرائے کے چھوٹے سے گھر میں کون کون رہے گا۔ وہ شرارت سے بولا تھا۔

”ابھی میں اور تم۔۔۔“

ترتیب جواب پر وہ دونوں ایک ساتھ ہنسے تھے۔ باہر سے آئے ابھی بھی مکمل کر سکر رہے تھے۔

☆☆☆

سورجی لکھ

کچھ پتوں سے اس نے یہ شدہ خط کھولا۔ پڑھنے پر بہت زیادہ گرفت نہ تھی۔ مگر اس نے دل کی آنکھوں سے پڑھنا شروع کیا۔
 ”یار! چلی! یار! یار! آداب“ اور اس آداب پر ہی اس کی آنکھیں ہلک گئیں۔ جلدی سے آنکھوں میں آئے آنسو صاف کیے اور محبت تانے کے لفظ اپنے اندر اتارنے لگی۔

”میں خیریت سے ہوں۔ نیل میں کچھ جھگی تو ہے، پتھر کوٹنے کا کام تھا کرتا ہے۔ اور کچھ منیر بھی سخت ہے۔ مگر اب عادت سی ہوئی ہے۔ تم سناؤ خیریت سے ہو، زیادہ اس کو نہیں دیتی۔ خوش رہا کرو۔ اچھا لکھایا اور اچھا پتہ کرو۔ کہ ہر روپ میں سہاگن لگو۔ سننے میں آیا ہے کہ ملکوں کے درمیان کشیدگی کم ہو رہی ہے۔ اور کچھ عرصے تک ہمیں رہا کر دیا جائے گا۔ میں واپس آؤں گا۔ میرا انتظار کرتا۔“

فقط تھہرا اور تھہرا تا نسر۔

”پ پ پ۔۔۔ آنسو آنکھ سے پہتے اور محبت تانے کی سیاہی پھیلائے دیتے۔ چھٹی نے خط ڈرا پر سے کیا اور پھر سینے سے لگا لیا۔

”میں سمجھتی تھی ہوں، اب آجاؤ۔“ وہ روتے ہوئے اپنے شوہر سے کہہ رہی تھی۔ وہ شوہر جو دور بہت دور اتنا دور کہ بڑی ملک کی نیل میں قید تھا۔ اور دینی فاسلے اس کی آواز کہاں تا نسر تک پہنچاتے تھے۔

”خلفہ شہر سے کئی کوس دور سمندر کنارے۔“

”اے چھٹی شہری بن کر ہمیں بھول نہ جانا۔“ سہیلیاں ہنسی مذاق کرتیں اور وہ شرمائے جاتی۔ مگر تقدیر کی کتاب میں کچھ اور لکھا تھا۔
 گاؤں میں شادی کی تقریب تھی۔ وہ بچ دج کر شادی میں گئی اور شادی سے ایک رات قبل اور شادی والی رات دو کہن کے پہلو میں بیٹھ کر کچھ شادی کے

کرتے۔
 ”اے چھٹی شہری بن کر ہمیں بھول نہ جانا۔“ سہیلیاں ہنسی مذاق کرتیں اور وہ شرمائے جاتی۔ مگر تقدیر کی کتاب میں کچھ اور لکھا تھا۔
 گاؤں میں شادی کی تقریب تھی۔ وہ بچ دج کر شادی میں گئی اور شادی سے ایک رات قبل اور شادی والی رات دو کہن کے پہلو میں بیٹھ کر کچھ شادی کے کرتے۔
 ”اے چھٹی شہری بن کر ہمیں بھول نہ جانا۔“ سہیلیاں ہنسی مذاق کرتیں اور وہ شرمائے جاتی۔ مگر تقدیر کی کتاب میں کچھ اور لکھا تھا۔
 گاؤں میں شادی کی تقریب تھی۔ وہ بچ دج کر شادی میں گئی اور شادی سے ایک رات قبل اور شادی والی رات دو کہن کے پہلو میں بیٹھ کر کچھ شادی کے کرتے۔



PakiBooks

چھٹی جس کا اصل نام نہ پتہ نہ تھا۔ جب پیدا ہوئی تو ماں نے چاؤ سے پکارا۔ ”چھٹی“ چھٹی ماں کا گواہ تھا۔ چھلیاں ڈھاکر کرتی اور انہیں بتانا ان کا کاروبار تھا۔ اس ماحول میں بنی کا نام چھٹی رکھا گیا۔ ماں نے ایک دفعہ پکارا۔ سب مسکرا دیے۔ سننے میں بھلا لگا۔ پتا نہ پتہ پکار کا نام نہ پتہ۔

اور چھٹی سمندر کنارے آباد گاؤں میں تیرتی ہوئی مری مندر میں طے کرتی رہی۔ بچپن تو جیسے چھلتے اور پھدکتے گزرا۔ اور پتا پتی نہ چلا کب وہ جوان ہوئی۔ وہ پندرہویں سن میں گئی کہ اس کا رشتہ سرفراز سے طے کر دیا گیا۔ سرفراز اس کا چچا زاد تھا۔ اس کے باپ بھائیوں چچاؤں کے برعکس اس نے مایہ گیری کو پیش نہ بنایا۔ گاؤں کے ٹوٹے اسکول سے کچھ نوٹی پھوٹی جہان میں پڑھ کر خفہ شہر چلا آیا۔ وہاں ویڈیو گنگ کا کام کرتا۔ اور ہر دور سے شہر کاؤں آتا۔ ”شہر میں رہوں گا۔ یہی جی جی میرے ساتھ شہر میں رہے گی۔“ وہ شہری ماہو بنانا اپنی مستقبل کی منصوبہ

خدیجہ نے سمجھ کر ہوتی ہوئی آنکھوں کو پھینکا اور اسے اپنے ہار سے لٹکتا ہوا دیکھا۔
 "میں خدیجہ ہوں بس مجھے پہچانی جاتا ہے۔
 میری کہیں اور شادی ملے گی مگر ہمارے بچے پسند کر لیا۔ اور خدا کی کرنی کہ میری وہاں شادی نہ ہو سکی اور میرا ناصر سے نکاح ہو گیا اور وہ خوشی سے مل ایک دن وہ کسی واپس نہ آنے کے لیے چلا گیا۔"
 وہ آنسو پھونکتی رہی اور اپنی کتاب زندگی کے ورق لپکتی رہی۔

☆☆☆

اہل خانہ اس کے دروغ تھے۔
 بچوں پر ایک بوجھ دھرا تھا۔ کہ وہ آنکھیں کھولنے پر قادر نہ رہی۔ جسم دیکر ہاتھ۔ اور یہ حدت اسے چھٹکائے جاتی۔ وہ دن پر خودی طاری تھی۔ کیا یہ اس کا آخری وقت تھا؟

"چلی" کسی نے اسے نہ لکھا۔ مگر آواز یہی آواز میں گونجتی رہیں۔ کچھ چھپایاں جس جو سندس کے پانی میں تیر رہی ہیں۔ تیرتے تیرتے تو بے خبر میں اور مست بدل تھیں۔ ایک جال پانی میں آیا اور چھپایاں پستی چلی گئیں۔ پھر سے بے وزن محسوس کیا اور جال اوپر اٹھ گیا۔ بن آہ کے چھپایاں تڑپتی رہیں۔ تر تڑپتی رہیں۔ یہاں تک کہ سان بھونکے۔ وہ بھی تو بن آہ کے چلی گئی۔ بھونکے وہ بھونکے کے درمیان کی کیفیت میں اس کا ذہن آدمی اور صوری سوچوں کی لاپرواہی ہو رہا۔

آہ اور کھلی گئی کسی نے کھلا کتاب پڑھا تھا۔ کسی کے کالج کی زینت بننا تھا۔ وہ کالج نامری نہیں کا تھا۔

ناصر۔۔۔ اس کا ناصر۔
 آنکھ کے کونے سے نمی کی لکیر نکلتی اور کن پٹی کی طرف بہتی چلی گئی۔
 کیا حسین خواب تھے کہ وہ بیاہ کر جاتی۔ اور

انتظار میں نہ تھی۔ برس کے برس بیتے چلے گئے۔
 لکھنؤ گھر اب اسے مشکل سے احساس ہوا
 چھڑے برسوں پہلے شہر نے برسوں بعد وہاں انتظار کرتی رہی اور اس کا ناصر۔ وہ ہندی ملک کا قیدی کا ذہن کی گزار رہا۔ کسی زندگی گزار دی ہوگی اس نے؟ آزادی کی آس میں۔ صبح شام جگر کوٹنے سے بے قد کی مصوئیتیں سمیٹے ہوئے۔ آخر کیا قصور تھا اس کا۔ کیا قصور تھا ناصر کا؟
 محض یہ کہ وہ پھیرا تھا۔ اور سندری حدود کی حد بندی کو مات دے گا۔

کاش کہ وہ ذاتی طاقت رکھتی کہ تمام مجبوروں کو معاشی آسودگی دے پاتی۔ ان سے مافی گری کا پیشہ چھوڑ دینے کا کہتی۔ پھر کوئی پھیرا ہندی ملک کا قیدی نہ بنتا۔ اور بس یہی خوشی زندگی گزارتے۔
 جسم کو بھٹکا لگا۔ اور بے خبر اس کا ذہن ناؤف ہو گیا۔ بیروں پر بوجھ سامھوس ہوا جیسے بیروں سے جان اکھ رہی ہو۔ اور وہ سمجھنے لگی کہ آخری وقت اپنا ہے۔
 روح پرواز ہوا جاتی ہے۔
 اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔
 وہ کھلے کادور کا چاہتی تھی۔ مگر زبان بلانے کی سکت نہ تھی۔

محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔
 وہ کہہ رہی تھی۔

"اور جب جنت میں ناصر سے ملوں تو ایسے نہ ملوں کہ ایک دوسرے سے اپنی ہوں وہ میرا شوہر ہے۔ اور میں اس کے لیے۔۔۔۔۔۔ سوئیں ڈوب کر ابھریں۔"

"اور اگر ناصر بخیر کا شکار نہ ہوتا۔ ہندی ملک کا قیدی نہ بنتا تو وہ سمیٹے زندگی گزارتے۔ اس کی اور ہماری راتیں رومات کے ساتھ شادی ہوتی۔ وہ مگر گزرتی عورت تھی مگر سنبھالی۔ ناصر چھپایاں بکڑتا اور معاش کا انتظام کرتا۔ کئی دن ناصر کو اپنی کیری کی چیز ہرگز جاری نہ کھندے دیتی۔ وہ چاہے کچھ بھی کر لیتا

ہیں اور یہاں۔ اب تک تو اس کے بیٹے یہاں کی شادی شدہ ہو چکے ہوتے۔ بیٹیوں کے بیٹے اس آگن کی زینت بننے اور بیٹیوں کے بیٹے اپنے گھروں میں خوش و غمر رہتے مگر یہ جب ہوتا اگر ناصر یہاں ہوتا اور وہ نازل زندگی گزارتے۔

"ناصر۔۔۔۔۔۔ وہ دھماکا مار کر رونا چاہتی تھی مگر وہ نہ پاتی۔
 یہ ایک شور مچا تھا۔ سب کے رونے کی آواز آنے لگی۔ ناصر، ناصر۔ اس کی سانس اور پورے اپنے اور بھائی کا نام لے کر رو رہے تھے۔ شاید دوسرے بھی یہی اس لیے رونے لگے تھے۔

اور میں اس کے کہان لکھی۔ ایک فرشتہ اس کے سر ہانے آن بیٹھا۔ اور اس کا ہاتھ سہلانے لگا۔
 یہ موت کا فرشتہ کیسی ایک قدر بوڑھا ہوتا ہے۔ فرشتے کا بلبس اس قدر بوسیدہ کیوں ہے۔ اور وہ اس کا ہاتھ کیوں سہلا رہا ہے۔ شاید یہ بھی روح نکالی جاتی ہے۔ آنکھوں کی ہماری سے اس نے موت کے فرشتے کا ہاتھ پھینک دیا۔

"کیا تم میرے نامری روح قبض کر چکے ہو؟ یا اس کی بعد میں ہادی ہے؟" وہ موت کے فرشتے سے بھی ناصر کے بارے میں پوچھنا چاہتی تھی۔
 "خدیجہ اٹھو۔ دیکھو میں آگیا۔" فرشتہ اس سے کہہ رہا تھا۔ مگر کیا کہہ رہا تھا۔

"یہ میں ہوں ناصر۔ تمہارا ناصر۔۔۔۔۔۔ فرشتہ کہہ رہا تھا۔ وہ ہند آنکھوں سے تپ رہی۔
 "خدیجہ میں تمہارا ناصر ہوں۔" وہ جو فرشتہ نہیں تھا، اس کی آنکھ سے آنسو نکل رہا تھا اور خدیجہ کے ماتھے پر گرا۔ خدیجہ نے آنکھیں کھول دیں۔
 "کون؟" وہ اپنے سر ہانے بیٹھے بوڑھے کو کر

نکر دیکھنے لگی۔
 "تمہارا ناصر" وہ دروہ رہا تھا۔
 "میرا ناصر" خدیجہ نے زہربل دھرایا۔ اور اسے دیکھتی رہی۔

کھل کا وعدہ کر کے والے بیٹے آئے برسوں بعد۔
 اور وہ خدیجہ جو اس بار بیمار ہو کر لیٹی تو خود کو مکمل طور پر ہر دمک الموت کر چکی تھی۔ اب اٹھ بچی اور اپنے ساتھ بیٹھے بوڑھے مرد کو بے چینی سے دیکھتی تھی۔

"آپ آگئے" وہ بچہ چہرہ تھی۔
 "ہاں میں لوٹ آیا ہوں۔" ناصر آنسو پونچھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

خدیجہ ناصر کو دیکھتی رہی۔ آنکھیں پانی سے بھر رہی تھیں۔ ٹپکیں جب تک کہ اس نے آنسوؤں کو اندر اتارنا چاہا۔ مگر وہ پانی اترنے والا نہ تھا۔ اگلے لمحے وہ چھوٹ چھوٹ کر رو دی۔

"آپ۔۔۔۔۔۔ وہ کہنا چاہتی تھی۔ مگر کہہ نہ پاتی۔
 "آپ آگئے" خدیجہ روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ وہ خدیجہ جو چلی ہوا کر چکی تھی۔
 "ہاں میں آگیا۔ اب مزید مت روؤ۔۔۔۔۔۔ چلی۔" ناصر نے اسے چلی نکارا۔ اس کے آنسوؤں کی رفتار میں مزید اضافہ ہو گیا۔

"ہاں۔ وہ چلی گئی۔ وہ خود پر قابو نہ کر سکے پانی۔ اور اپنا ناصر کے کندھے سے لگا دیا۔
 "کھڑے یہ آپ آگئے ورنہ میں تو جنت میں آپ سے ملنے کی تمنا رہی کرتی تھی۔"
 "چلی" روتے ہوئے ناصر نے اس کے سر پر چپتہ رسیدی۔

یوں آنسوؤں کا وہ جواڑ جس کی کہانی انتظار سے عمارت تھی۔ جو خود تو بوڑھا ہو چکا تھا۔ مگر ان کا دل جوان تھا۔ ان کے لمبن پر ہنس اٹھنے نے کہانی کا اختتام کر دیا۔

☆☆☆

عہدِ ماضی کا چہرہ

پانچویں قسط

آپ اگر یہ سوچ رہے ہیں کہ بیضا بان کھا لینے کے بعد یہ فریب ماسٹر اپنی ہونے والی بیہوشی سے بچنے کیسے کیا تھا تو آپ غلط ہیں۔ یہ ملاقات اتنی سہل بھی نہ تھی کیونکہ اس ملاقات کے بعد مہارانی جودھا بانی کا میرے ساتھ سخت قسم کا جھگڑا متوقع تھا جو مجھے منکروں کا سوسن اس ملاقات کو اتھک کی نگہار کے بلا جودھا تار رہا جس سے اس کا اس نے ایک اور جریا زمانے کی سوچ لی تھی۔

☆☆☆

”تم آئے ہو مجھے لینے؟“ وہ اسے دیکھ کر حیران ہوئی تھی۔ وہ اسے واپس لینے کے لیے آیا تھا حالانکہ وہ آنے جانے کے لیے اس کی ممتحن نہیں تھی، ماسٹر جی نے دو تین دن بعد ہی اسے ایک رکشا لگوا دیا تھا لیکن پھر بھی کبھی کسی ایسی درخواست پر اتھک اس کو لینے یا چھوڑنے چلا جاتا تھا۔ ایک مہینہ نہ چلا تھا اسے کراچی آئے ہوئے اور اس عرصہ میں اتھک کو اس کی موجودگی کی عادت ہو گئی تھی۔ اس کے آجانے سے کمر میں پھیل پھیل رہنے لگی تھی۔ کمر میں سنانے کے علاوہ کبھی کبھ سنانی دینے لگا تھا۔ پہلے جب وہ کمر میں داخل ہوتا تھا تو ای ٹی وی لگاتے بیٹھی نظر آتی تھیں لیکن اب وہ دونوں خواہش تھیں ایک دوسرے کے ساتھ مصروف نظر آتیں۔ ویسے بھی سونا بڑی متحرک عورت تھی وہ چوتھم

کی لڑکی تھی، کبھی سلائی مشین کی کھٹ کھٹ، کبھی چٹنی چاقو کی ٹھک ٹھک۔ وہ ہر وقت کچھ نہ کچھ کرتی نظر آتی، اتھک اسے قاریغ بیضا کی دیکھتا تھا اور پھر سب سے بڑی بات یہ تھی کہ اس نے اپنے ساتھ ساتھ مہاراجہ کو بھی مصروف کر لیا تھا جس کی وجہ سے انہیں اب اتھک کو ڈانٹنے ڈپٹنے کا موقع کم ہی ملتا تھا اور شادی جیسے حساس موضوع کا تذکرہ تو بالکل ہی بند ہو گیا تھا۔ یعنی آج کل راوی جینین ہی جینین گھر رہا تھا۔ اسی لیے اس دن میں سونا کے خلاف جو عناد رنج تھا، وہ آہستہ آہستہ ختم ہوتا جا رہا تھا۔

موسم ذرا خوش گوار ہوا تو وہ بلا وجہ اسے لینے پہنچ گیا تھا۔

سونا نے اپنا سامان پچھلی سیٹ پر رکھا اور پھر آگے کا دروازہ کھول کر بیٹھنے ہوئے پوچھنے لگی۔

”تم کیسے آگے لہنے لگے؟“

”گلاڑی میں بیڑہ کر آیا ہوں۔ نظر نہیں آ رہا کیا؟“ مات کے مطابق جواب دیا گیا۔

”جینین۔“ اس نے اسی کے انداز میں جواب دیا تھا۔ اتھک نے منہ مٹا کر اسے دیکھا۔

”موسم بھی اچھا ہے اور میرا موڈ بھی اچھا تھا۔

ارادہ یہ تھا کہ تمہیں بہتر رہی جگہ سے کوئی بہترین سی چیز کھاتا ہوں۔ لیکن تم نے میری شان میں کتنا ہی کردی ہے۔ اس لیے پروگرام یہ نیکل۔“

”یہ بھی تو پوچھو کہ مجھے نظر کیوں نہیں آ رہا۔ دراصل میں تمہیں دیکھنے میں اتنی محنت کی کہ میری نگاہ کاڑی پر پڑی ہی نہیں۔“ اس نے یہ بات مذاق میں کی تھی، اتھک نے سر ہلایا۔

”ہاں یہ بات تو ٹھیک ہے ویسے۔ لڑکیاں مجھے دیکھ کر اسی طرح اتھک پاؤں ہو جایا کرتی ہیں۔ بے چاری۔“ وہ قفا پر مجھے احساس میں گھر کر بولا تھا۔ سونا نے مسکرا کر اسے دیکھا۔

”تو بے۔ اتنا غرور؟“

”اتھک کہتے ہیں مجھے۔ جتنا ہے مجھ پر۔“ اس نے اپنے کچے پر زور دیتے ہوئے کہا تھا جیسے اسے یقین دلانا چاہتا ہو۔

”یہ بات تو ٹھیک کی تم نے۔ غرور تو واقعی جتنا ہے تم پر۔“ سونا نے بہت آرام سے اس کی رائے سے اتفاق کر لیا تھا۔

ناراضی

PakiBooks

اٹھنے سے جتا کر کہا تھا۔ سو میا جیہ سکرانی۔
 "اس وقت تو میں تمہاری ہر بات سے اتفاق کرنے کو تیار ہوں۔ تم کو کب رات نہیں صبح ہونے والی ہے، وہ جس کہوں کی ہاں بھائی سچ ہونے والی ہے۔" اس نے اتنی ہی کہا تھا کہ اٹھنے سے اس کی بات کاٹنے ہوئے کچھ نہ چاہا مگر سوینا نے اسے موقع نہیں دیا تھا۔

"نہیں۔ نہیں۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ میں تم سے محبت کرنے لگی ہوں یا تمہارے عشق میں جتا ہوگئی ہوں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ میں واقعی اس زبردستی سے اس کا مطلب یہ ہے اتر سٹل ہوں جس کی آفر تم دینے والے تھے کہ مجھ تم نے پروگرام سنسل کر دیا۔" اٹھنے اس کے اس طرح کہنے پر سکرانیا۔

"شکر ہے تم نے واضح کر دیا ورنہ میں واقعی کچھ اور سمجھ لیتا۔"
 "قصہ تمہارا نہیں ہے۔ دراصل تمہاری خود پسندی تمہیں سکون سے بیٹھنے ہی نہیں دیتی۔ تم اپنے آپ کے اس قدر سے عشق میں جتا ہو کر مجھے خدشہ ہے کہ وہ وقت نہ آجائے۔ جب لوگ پوچھا کریں گے، عشق؟ تو تم باہم ہوا میں بلند کر کے یہ کہنے لگو۔ میں یہاں ہوں۔ یہاں ہوں۔ یہاں ہوں۔ یہاں اٹھنے کو سڑ پھی آئی۔ ذرین کو بھی اس سے یہ شکایت رہتی تھی۔

"اٹھنے کہتے ہیں مجھے۔ اپنے آپ سے عشق جتنا ہے مجھ پر اوروں میری خود پسندی نہیں۔ خود امتدادی ہے۔ وہ جتا کر بولا تھا۔
 "چلو تم کہتے ہو تو مان لیجی ہوں۔ کر لیجی ہوں تمہاری رائے سے اتفاق کیونکہ میرا دل چاہو رہا

ہے۔ اس نے دیا۔ اس کا مزاج آج بچا تھا۔ ایک دوست کے توسط سے ایک جگہ انٹرویو دیا تھا۔ وہاں سے مثبت جواب ملا تھا اور ایک اچھا نتیجہ بھی آخر کیا گیا تھا۔ وہ ان ہی لوگوں سے مل کر آ رہا تھا۔ اب وقت آ گیا تھا کہ ذرین کے والدین سے سر اٹھا کر ملاقات کی جا سکتی۔ اسی لیے سوینا سے بات کرنا چاہتا تھا کہ وہ مہینہ دیکھ کر ذرین کے معاملے میں رضامند کرنے کی کوشش کرے۔

"گول کے قوب آڈٹ ڈیڈ ہو گئے ہیں۔ چلو کچھ اور کھانا ہے۔" اٹھنے نے کہا تھا۔
 "وہ تو ٹھیک ہے لیکن اس دعوت شرازی کوئی خاص وجہ ہے تو پہلے ہی بتا دو۔ بعد میں یہ تاہم کہ بل مجھے دینا پڑے۔" وہ اسے چواتے ہوئے بولی۔
 بارش کے بعد سڑک پر رش معمول سے بھی زیادہ تھا۔ گاڑی سٹ روٹی سے آگے بڑھ رہی تھی اور ہر چند منٹ بعد کے بعد بارش کی بے پتہ آواز میں ان کی گفتگو میں غلط ڈال رہی تھی۔

"ہاں بھئی جانا میں اس کو تم کہہ کر امان پاؤا کی کہاؤینی ہو۔ بڑس ودھن لیکن تاخیر اوقت مجھ پر بھی نہیں آتی کہ دعوت دے کر منگوا جاؤں گا۔ اٹھنے کہتے ہیں مجھے۔ وہ یہ بتا نہیں، وہ یہ بندہ کرتا نہیں۔" اس نے جتا کر کہا۔

"چلو جہاں اپنی باتوں سے اتفاق کیا ہے تمہاری۔ اس والی سے بھی کر لیجی ہوں لیکن اب بتا دو کہ اس مہربانی کی وجہ کیا ہے۔" سوینا کو جیسے یقین تھا کہ بعد میں اس سب کا بھوک کچھ اور ہی نکلے گا۔ اٹھنے چننے میں ہی خاموشی سے گاڑی سڑک پر آگے بڑھانے کی کوشش میں مصروف رہا پھر اس نے گردن موڑ سوینا کی جانب دیکھا۔ وہ استغناء سے انداز میں اسی کی جانب دیکھ رہی تھی۔
 "میرے دوست ملنا چاہتے ہیں تم سے؟"

مالانگہ وہ بلا پر واسطہ تھا لیکن اسے اس کا گھر سوینا کو یہ بات بری لگتی تھی ہے سوینا جلد ادا کرتے ہوئے وہ اس کے چہرے کی جانب دیکھتا رہا۔ وہ بھی چند لمبے خاموشی سے اس کے اس فقرے کے "میں کو کھینچنے کی کوشش کرتی رہی۔" تھے اس کے چہرے پر نمایاں تھا۔ اٹھنے نے اس کی خاموشی کو سمجھتے ہوئے مزید وضاحت کی۔

"ہمارا بہت بڑا گروپ ہے۔ فیروز، رہاب، اشتیاق، مہناق۔ سب بہت اچھے ہیں۔" اس نے لڑکیوں کے نام پہلے لے لیے تھے۔ سوینا نے پُر سوچ انداز میں سر ہلایا پھر اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولی۔

"مجھ سے کیوں ملنا چاہتے ہیں؟"
 "کیونکہ تمہارا ڈاکر کیا ہے میں نے ان سے۔" میں ان سب کو ملنا چاہتا ہوں تم سے؟" اس نے کہا تھا حالانکہ حقیقت کچھ اور تھی۔ یہ ڈاکر اس سے زیادہ خوش کرنے لگا تھا۔ وہ چند لمبے کچھ سوچ رہی تھی۔

"ان سب میں وہ کون ہے، جسے تم ناخوش سمجھتے ہو؟" اٹھنے کو اسی سوال کی توقع تھی۔
 "ذرین!"" اس نے بتا دیا تھا۔ سوینا نے مسکراتے ہوئے سر ہلایا۔

"اوکے۔ ذرین۔ مل لیجیے ہیں، کیا یاد کرو کہ تم بھی کزن۔" وہ شہانہ انداز میں بولی۔ اٹھنے نے طمانیت بھری سانس لی تھی۔ عجیب بات تھی کہ وہ اس چارٹ میں اس کی لڑکی کو ذرا اہمیت نہ دیتا تھا لیکن اس کی حمایت کے ایک اقرار نے ہی اسے پرسکون کر دیا تھا۔ اسے ایسے کتنے کچھ تھا کہ اب یہ ناممکن کام ممکن ہو جائے گا۔
 "چلو اب کھانا دو وہ توپ چڑ۔ جو گول گیوں

اور فریڈی ہو۔" وہ بولی تھی۔ اٹھنے نے اسے مسکراتے ہوئے سر ہلایا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ دونوں جیسے کولڈ ڈرنک کے ساتھ چڑ میں ڈوبی ہوئی کچن اسٹریس اور فریڈی فراز کھا رہے تھے۔

☆☆☆
 "مہی! میں اٹھنے کو اس ویک اینڈ پر بلاؤں؟" ذرین نے ماں کے چہرے کی طرف دیکھ کر سوال کیا تھا حالانکہ اسے لگ رہا تھا کہ ان کا مزاج کچھ اچھا نہیں ہے لیکن پھر بھی سوال کر بیٹھی۔ یونیورسٹی کے ختم ہونے ہی اس کے معمولات بدل گئے تھے۔ گھر میں زیادہ وقت گزارنے کی وجہ سے اب اس کی شادی کا موضوع بھی زیادہ زبردست بحث رہنے لگا تھا۔ خاندان میں کسی تاکی لڑکی کی، کسی دوسرے سائبر خاندان میں نسبت کی یا نہیں بھی اکثر اس کی باتوں میں پڑنے لگی تھیں جن سے وہ خار کھاتی تھی۔ وہ اب بھی سو گراہی تھی اور کھانے کی میز پر بیٹھی اپنے ماٹھے کا انتظار کر رہی تھی۔ جینز بیگم کہیں باہر گئی ہوئی تھیں اور اس کے ڈانگک دوم میں داخل ہونے کے چند لمبے بعد ہی گھر میں داخل ہوئی تھیں۔ رات نہیں بارش برسی تھی اس لیے اب دن میں بھی بارش کا سہرا تھا۔ لائن نہیں تھی، جزیر سے گھر کی بجلی تو بحال تھی لیکن اس کا شور بھی جینز بیگم کو ناگوار کر رہا تھا۔ وہ کافی غصے میں تھیں، ذرین کے سوال نے انہیں مزید بھڑکا دیا۔

"آئے ہائے۔ اس اٹھنے کے علاوہ بھی ہے کچھ تمہاری زندگی میں ماں کو بتانے پوچھنے والا۔ جب دیکھو اپنی نکال کی یا نہیں کرتی رہتی ہو۔" وہ جمل کر بولی تھیں۔ ذرین کا چہرہ غصے کے مارے سرخ سا ہوا۔ جینز بیگم نے ہاتھ پر دبانے کی۔ ان کا اپنا مزاج ہے حد خراب تھا۔ ذرین نے ان کے سارے کپڑے ایک بار پھر خراب کر دیے تھے اور

وہ اس سب سے اچھی خاصی پہچانتی تھی۔ وہ اس کا لڑکا ہے۔“ وہ منہ کا زانو پر بگاڑ کر بولی گئی۔
تجربہ نگار نے اسے ٹھوکر دیا۔
”زرمین اس وقت میرے منہ تک۔ کھاتی
چتی چلی کے لڑکے اچھوٹی کے نام پر جھٹکنے نہیں دیتے
لڑکی کو۔ ان کے پیاس تو گھٹنوں والی چیزیں لاکھوں
کی مائیت کی ہوتی ہیں۔ ہم نے تو تیسے دہائی سی
نہیں کوئی کھاتی چاتی تھی۔ ادھن۔“ وہ زارمسی کا
مجرہ پر اٹھارہ کرتے ہوئے بویس اور ساتھ ہی
ملازمہ کو آواز لگاتی تھی۔
”گھٹنوں والی اچھوٹی نہیں ہے یہ۔ اس نے
ایویس دے دی تھی مجھے۔ میری ساڑھ کا تختہ۔“
زرمین نے چوکر دو ہاتھ ہوا پیش بند کرتے ہوئے
کہا میں نے ایک اچھی سی وہ اچھوٹی موجود تھی۔
”زرمین نے کئی دن۔ گھٹنوں والی
اچھوٹی تو تیسے لاکھوں کی آجائے گی۔ کھائے
لوگ لگ رہے ہیں مجھے۔ پانچ ہزار کا ٹوٹ ہاتھ پر
رکھ کر بات نہ پائی کر گئے تب کہہ مجھے۔“ بیٹی کی دلیل
سے وہ ذرا سناڑتا ہوئی تھیں۔ انہوں نے اسے
بولے کا موقع دینے بنا چینی کی جانب منہ کر کے
پکارا تھا۔
”نڈیراں اونڈیراں اچھوٹی سے میرے
لیے لیووں نیڈ (لیسن ایڈ) بنا کر لا۔ تو یہ آج تو
کری نے شکر کر دیا ہے۔“ انہوں نے بیٹی کے
چہرے سے تاثرات کو بالکل نظر انداز کر دیا تھا جو
سرخ ہو چلا تھا۔
”وہ میرے لیے ناشتا بنا رہی ہے۔“ زرمین
نے نیک کر کہا۔

”نذیراں پہلے مجھے پانی دے پھر اہال لینا
اس کے لیے آئے۔“ انہیں بیٹی کی اس ادھر بھی
خست فصر آیا۔ وہ ”اس“ لڑکے کے خلاف ایک لفظ

”میں اب سے ہاتھ کاٹھار کر رہی ہوں۔“
 اتنی ہلکے لگ رہی ہے جیسے اور آپ نے نہ پراس کو
 اپنے کاموں پر لگا دیا ہے۔ پانچ منٹ انتظار نہیں
 ہوتا آپ سے۔ ”وہ پہلے سے زیادہ ناراض لگے
 میں اب بھی۔“ جینے نہ سمجھنے سے اسے گھور کر دیکھا۔
 ”شر تو نہیں اتنی اس کا پایے کئے ہوئے۔ یہ
 نہیں کہ دوپٹہ گر کر ایک خنڈا گھاس لیوں میں بیٹا کر
 دو۔“ اتنی سخت گری ہے باہر۔
 ”کیوں بیٹھ نہیں۔“ میں ایل۔ ”زمین نے
 لوں کھج کی کھجی۔“

”ہاں ہاں اسے اور بھی بتا دو کہ میں نام ہے
آتا ہے لیکن سچی بات یہ ہے کہ میں نے
کبھی کبھار تو اس کی بھی سی بی بی تھی۔ اسی وقت
ہوئی تھی۔ کسی کو کھنڈر کا یہ گھاس یا خودی تو
اُس کے تو ہاں نہیں سکتی سہ! اور ہاں سنو تو
انہوں والی۔“ وہ کہہ کر تھکے ہوئے میں
بٹھ کر بیٹھنے لگی ہوں ہے انہیں دیکھ کر اُس کے
چہرے پر مسکراہٹ آئی۔

”جی! اسے اسے اسے اسے۔“ وہ خودی تو کوئی کام
نہ کر تھیں۔ اسے والی گاڑی میں آئی تھی آپ
ری ایکٹ ایسے کر رہی ہیں جیسے سائیل چلا کر
ہیں۔“ اس نے جتا کر کہا تھا۔

”ادوی بنی امی، اگر کام نہیں کرتی تو اس کی
بے کیر اماں شہر کا ستیجہ ہے۔ مجھے ملکہ کی
نارنگی کی چوٹی ہے اس کی جبکہ تم نے چننا ہے
لے لے میں ہزار کمانے والا۔ خالی سوکھا بیرو۔
میں اس شکل خدا دیکھنے والی ہے۔ اس لیے مجھ
کی آنکھ سے شام کے لپانے لیکھ لو۔ اتنا اچھا
نہاں ہے لیے سو سناں سے اگلے دن گشت
(۱) کچاز کر یہاں میرے کھر چمڑا بناتا ہے
”دنوت مجھے انداز میں بناتا ہے۔“

دن سے اس نے اس کو وہ انگوٹھی دی تھی۔ یہی کہے
مزان بدل سے گئے تھے مالاکنہ وہ انگوٹھیں اس
کی تصویریں اپنے صوفیاں میں لکھائی رہتی تھیں۔ وہ
اس کے نقد کا ٹھکانہ اور کپڑوں کی تحریف بھی کرتی رہتی
تھیں لیکن بس وہ ایک انگوٹھی جس سے زمر کو خوش
تھے نہال کیا تھا اس کی بھی کوکھ سے بے حال کرتی
تھی۔

”میں خاندان والوں کو کیا منہ دکھاؤں گی۔“
یہ ایک جملہ وہ کبوتر ادا کرنے لگی تھیں۔ یہی وجہ
تھی کہ زمرین کی آن کے ساتھ ان بن روز کا معمول

فتی جاری تھی۔ اس کے آسٹریلیا والے شیڈو مارکی
واپس جانے کا نام نہیں لے رہے تھے۔ اسی لیے
خوابش کے باجوہ وہ انٹل کو کھڑکھڑا کر کے
احزابت رہی تھی۔ انٹل کو وہ یہ یاد کروا چکی
تھی کہ اس کے والدین اس رہنے پر سو فیصد راضی
ہیں جبکہ صورت حال اس کے ہاتھ سے نکلتی جاری
تھی۔ وہ اس کا تذکرہ خوابش کے سامنے بھی
کیا۔ راضی تھی کیونکہ اس نے اس کی انٹل کو بچنے
کا خطرہ قاضی کا خراج بھی بگڑے رہ رہا تھی۔
”اوس سٹیک، ٹوٹی ڈسٹنکٹ می“ اوزرین
کری تھیں کہ کبھی اور سخت پارٹی کے عالم میں
اپنے کمرے کی جانب چل دی تھی۔

”چراں سر۔۔۔“ دو ہفتے پہلے انہوں نے جی میں کہا تھا۔
جواب دیا تھا۔ ”باہر والوں کی موجودگی میں سو بڑی
مذہب سی خاتون بن جایا کرتی تھیں لیکن خضے کے
عالم میں ان کا بنجایا نہیں بیٹھتا۔“
آتا تھا۔
”سب کچھ ہے بڑھ چکا کہ ماں کو انگریزی میں
گالیاں کیسے دینی ہیں۔“ بے شرم اولاد۔ ایک دو
لکھ کے بیروں کے لیے باولی ہوئی جارہی ہے۔
”انہوں نے غرے والے انداز میں خود کلامی کی تھی

بہل کیا تھا۔
 "کم بہمت! سارے کپڑے خراب کر دیے۔
 کہا بھی تھا کہ ٹھیک سے ہن (پیش کش کرلو) مگر بانی
 تب انہی ٹیپ کروں میں ہی لٹکائے رکھا۔ اب کہتا
 ہے آپ نے ساز ہی ٹھیک نہیں کیا تھا۔ کہنے! "
 انہیں بڑا دکھ تھا اپنے پڑوس کے خراب ہو جانے
 کا۔ ایک عرصے سے ایک ہی جگہ سے کچھ نہ
 سلوائی تھی کسی۔ پہلے انہیں شکایتیں ہوتی تھیں
 لیکن اب چونکہ بدن اتنا فربہ ہو چکا تھا کہ سنے
 ڈیڑا انسان اور دشمن کے کپڑے ان پر چنے تھے جس کا
 التزام اور فساد و دروزی کے شاگردوں کے منہ
 دینا چاہتی تھیں۔
 "ہائے! چادری بچی کا دل بھی توڑ کر رکھ دیا۔
 بس کیا کروں۔ بلڈبائی ہو جاتا ہے جسے ہی ناقدری
 دیکھ کر۔ کہنے نے اتنے مٹکے پڑوس خراب
 کر دیے میرے اور اس زرد میں کوئی سمجھاؤں کہ
 کتنے لڑکے بس ششک میں سبائے کے قابل
 ہوتے ہیں ضرورت نہ ہے کہ سب سے آدھیں
 لٹکاؤں گی۔ " وہ کپڑوں نے اچھے سے جبی تھا نہیں اور
 مٹی کو ناراض کر کے بھی بچھتا رہی تھیں۔

☆☆☆
 ”میرا خیال تھا تمہیں بس کر کافی خوشی ہوگی۔“ انش نے اس کے سر دھچکے ہوئے انداز کو بطور خاص محسوس کیا تھا۔ وہ اسے جواب میں لپٹنے کی ٹوپی دے رہا تھا جبکہ اس نے جواب میں گرم جوش کا کوئی مظاہرہ نہ کیا تھا۔
 ”خوش تو ہوئی ہے۔ اب کیا بھنگو اڈانے لگوں۔“ تین بار تو بچی ہوں کر خوشی کی خبر ہے۔ مبارک ہو تمہیں۔“
 دوا کر کر بیوی۔ ماں کے دیے گئے طعنہ ابھی تک ماستوں کو زہر کر رہے تھے۔ اس کے لپٹے میں

فیمیلی کا لڑکا ہے۔ "وہ منہ کا زادیہ بگاڑ کر بولی تھی۔
تھینہ بیگم نے اسے گھور کر دیکھا۔

”زور میں اس وقت میرے منہ تا لگ۔ کھاتی
چینی دلی کے لڑکے انکھی کے دم پر چھلکے نہیں دیتے
وای کو۔ ان کے پیراں تو گھٹنوں والی چیزیں لاکھوں
کی مالیت کی ہوتی ہیں۔ ہم نے تو پیسے دیکھی ہی
نہیں کوئی کھاتی چتی ملی۔ اودھ۔“ وہ ناراضی کا
بھرپور اظہار کرتے ہوئے یوکیس اور ساتھ ہی
ملانہ کو مارا لگا رہی تھی۔

”خٹکوں والی انگوٹھی نہیں ہے۔ یہ اس نے ایویس دے دی تھی مجھے۔ میری سائلگر کا ختہ۔“
 زرمین نے جو کہ وہ ہاتھ ہوا میں بندھ کر تے ہوئے کہا جس کی ایک انگوٹھی میں وہ انگوٹھی موجود تھی۔
 ”زمن دے فی رمن دے۔ خٹکوں والی انگوٹھی تو جیسے لاکھوں کی آجائے گی۔ جو کہ نئے لوگ لکڑے ہیں مجھے۔ پانچ ہزار کا نوٹ ہاتھ پر رکھ کر بات مانچی کر گئے تھے کہنا مجھے۔“ بی بی کی دلیل سے وہ ذرا حیران نہ ہوئی تھیں۔ انہوں نے اسے بولنے کا موقع دینے ہوا جان کی جانب منہ کر کے پکارا تھا۔

”مذہبوں اور مذاہبوں کی جلدی سے میرے لیے لمبوں نیڈ (لمبن ایڈ) بنا کر لا۔ تو یہ آج تو گرمی نے شش کر دیا ہے۔“ انہوں نے بیٹی کے چہرے کے تاثرات کو بائبل نظر انداز کر دیا تھا جو نرس ہو چلا تھا۔

”وہ میرے لیے ناشتا بنا رہی ہے۔“ زورمین نے ننگ کر کہا۔

”نذیراں پہلے مجھے پانی دے پھر اہل لیمہ
اس کے لیے آئے۔“ انہیں جیٹی کی اس ادا پر بھی
سخت طعنا آیا۔ وہ ”اس“ لڑکے کے خلاف ایک لفظ

”میں کب سے تاشی کا انتظار کر رہی ہوں۔ اتنی بھوک لگ رہی ہے مجھے اور آپ نے نذر کو اس اپنے کاموں پر لگا دیا ہے۔ پانچ منٹ انتظار نہیں ہوتا آپ سے۔“ وہ پہلے سے زیادہ مارش لہجے میں بولی گئی۔ چہینہ بیگم نے اسے گھور کر دیکھا۔ ”شرم تو نہیں لی ماں کو ایسے کہتے ہوئے۔ یہ نہیں کہ خود اٹھ کر ایک ٹھنڈا گلاس لیوں نیڈ نہ کر لاؤ۔ اتنی خستہ کر رہی ہے باہر۔“

”لیوں نیڈ نہیں۔ لیکن ایڈ۔“ زور میں نے ہل چھڑکی کی تھی۔

”ہاں ہاں جیسے اور یہ بھی بتا دو کہ کس نام سے آتا ہے یا بتا بھی سکتی ہو یا بتا سکتے ہیں گے کسی غیر عربی نام بھی ہے بی بی بی جہاڑی۔ اسی تو میں ہوئی تھیں کسی کا انچہ کر ایک گلاس پانی خود پی لو۔“
 ایک تو ابال نہیں سکتی میڈم! اور باقی تین ستون راتیں والی۔ ”دو کافی پیئے میں جس میں درمیان بھی پیٹی لگے ہیں۔“ وہ کہیں دیکھنا۔ بے طے کھڑی دیکھنے کی جیسے اب۔

”ہی! اس اونٹ کو۔۔۔ آپ خود بھی تو نی کام کرتیں۔ اسے والی گاڑی میں آئی ہیں آپ ایٹ ایسے کر رہی ہیں جیسے سائیکل چلا کر ہیں۔“ اس نے جتا کر کہا تھا۔

”اودھ بی بی! میں اگر کام نہیں کرتی تو اس کی بے کمر اماں شہر کا سینہ ہے۔ مجھے ملک کی رائی بھینے کی چوٹی ہے اس کی جبکہ تم نے جتا ہے لے لے کر جڑ کر کائے والا۔ خالی سوکا ہوا۔۔۔“

”اس شخص کی دیکھنے والی ہے۔ اس لیے بھینتی یہ آٹھ سے شام سے ابانے لیتے کیلو۔ اتنا اچھا مارے لے دوند ساس نے! دنگل دن گت

”چاکر کر یہاں میرے گھر چھوڑ جانا ہے۔“ وہ غوت مجھ سے انداز میں بولی تھیں۔

دن سے آتش نے اس کو دوا کھوٹی دی تھی۔ مئی کے مزاج بدل سے گئے تھے حالانکہ وہ اکثر انہیں اس کی تصویریں اپنے موبائل میں دکھاتی رہتی تھی۔ وہ اس کے قد کاٹھ اور کپڑوں کی تعریف بھی کرتی رہتی تھیں لیکن بس وہ ایک کھوٹی جس نے زمین کو کوشی سے نہال کیا تھا اس کی مودی کو دکھ سے بے حال کر گئی تھی۔

”میں خاندان والوں کو کام نہ دھکا کی۔“
ایک خلعہ دو بکتر ادا کرنے لگی تھیں۔ یہی وجہ
ہے کہ زمین کی اُن کے ساتھ ان بن روز کا معمول
بٹی جا رہی تھی۔ اس کے آسٹریلیا وارلڈ ریشٹہ وار بھی
واپس جانے کا نام نہیں لے رہے تھے۔ اسی لیے
خواہش کے باوجود وہ اچھی کو گھر دعو کرنے سے
اجازت نہ تھی۔ اچھی کو تو وہ بے باور کردار بھی
تھی کہ اس کے والدین اس ریشٹے پر سو فیصد راضی
ہیں جبکہ صورت حال اس کے ہاتھ سے نکلتی جا رہی
تھی۔ وہ اس کے ساتھ ساتھ اس کا تذکرہ، اس کے سامنے بھی
نہیں کر سکتی کیونکہ اس سے اس کی انگوٹھی بچنے
کا خلعہ تھا۔ اس کا حراج بھی بگڑے دربار تھی۔
”اس سنگب۔“ ٹوٹی ڈسکنگ کی ”و۔“ زمین

”یہ سیکھا ہے پڑھ لکھ کر کہ ماں کو انگریزی میں گالیاں کیسے دینی ہیں۔ بے شرم اولاد۔ ایک دو نکتے کے پیروں کے لیے باولی ہوئی جارہی ہے۔“ انہوں نے غرائے والے انداز میں خود دکھائی کی کمی

جل کیا تھا۔
 "کم بخت اسارے کپڑے خراب کر دیے۔
 کہا بھی تھا کہ ٹھیک سے سن (جانتی کرو) مگر تائی
 جی اپنی ٹیپ گردن میں ہی لٹکائے رکھا۔ اب کہتا
 ہے آپ نے سائز ہی ٹھیک نہیں دیا تھا۔ کہنا"
 انہیں بڑا دکھ اپنے کپڑوں کے خراب ہو جانے
 کا۔ ایک عرصے سے ایک ہی جگہ سے کپڑے
 سلوائی آئی تھیں۔ پہلے انہیں دکھتیاں دہائی تھیں
 لیکن اب چونکہ یونان فرانہ پر چڑھا کر گئے
 وزیر اعلیٰ اور چین کے کپڑے ان پر پہنچے تھے جس کا
 اثر ازم اور غصہ و درد رزی کے شاگردوں کے سر منڈ
 دینا جاتی تھیں۔

ہم نے دجاری بنی کا دل بھی توڑ کر رکھ دیا۔
 بس کیا کروں۔ بلند بانی جو پتا ہے یہی ہے ناقدری
 دیکھ کر۔ کہنے نے اسے مٹنے کے لئے خراب
 کر دیے میرے اور اس زمین کو کے بھجھاؤں کہ
 ہوتے لڑکے بس شوخیں میں جابے کے قاتل
 ہوتے ہیں۔ ضرورت نہ پڑے نہ جب سے آدھیں
 (لکھا ان کی)۔ ضرورت نہ پڑے نہ جب سے آدھیں
 بنی کا وارث کر کے بھی بچھتا رہیں۔

☆☆☆
 ”میرا خیال تھا تمہیں میں کر کافی خوش ہوگی۔“ انہیں نے اس کے سر دھچکے ہوئے انداز کو بطور خاص محسوس کیا تھا۔ وہ اسے جاب ملنے کی نوپے دے رہا تھا جبکہ اس نے جواب میں گرم جوشی کا کوئی مظاہرہ نہ کیا تھا۔
 ”خوش تو ہوئی ہے۔ اب کیا بھنگا ڈالنے لگوں۔“ تین بار کھینچی ہوں کہ خوشی کی خبر ہے۔ مبارک ہو جیسی۔“
 وہ اسکا کرپٹی۔ ماں کے دیے گئے طعنے ابھی تک سامعین کو ذہن پر کر رہے تھے۔ اس کے لہجے میں

پتہ چلا۔ اسے یہ جان ہوتی تھی کہ وہ ان دونوں کی بات فخر پر ہوتی تھی۔ یہ زکریا کا چار سالوں میں شاید پہلی بار ہوا تھا کہ وہ اسے دن سے نہیں تھے۔ انہیں نے اسی کے اصرار پر ٹوکریاں مل جانے کی خوشی میں دوستوں کی ایک گیت ٹوکریاں چلائے نچایا تھا جس کا ہر دو عجب تو سونا کو اشتیاق سے ملتا تھا لیکن حقیقت یہ بھی تھی کہ وہ دوستوں سے ملنا چاہتا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ زکریا میں سن کر خوش ہو جائے گی لیکن وہ تو مزید چڑی ہو کر دکھا رہی تھی۔ انہیں کوہنایت بردار تھا۔

”تم کچھ زیادہ ہی غرے نہیں کرنے لگی آج کل! اجنبی دیکھو تمہارا موزی خراب رہتا ہے۔ نہیں بات کرتی ہو۔“ وہ بھی اسی کے انداز میں بولا تھا اور کھانک سے فون بند کر دیا۔ چند لمبے بھی نہیں گزرے تھے کہ اس کا موبائل بجنے لگا۔ اس نے ایک نظر دیکھا، زکریا کی فہر تھا۔ اس نے جان بوجھ کر سبب ہم کردی تھی اور پھر فون اسی جگہ رکھ کر خود کمرے سے باہر نکل آیا۔

شام ہو رہی تھی۔ فضا میں گھولوں کی طرف واہیں آتے خود کار سے لے کر پچھلے پڑھوں کا ہڈم چھکاواچ طور پر سنا جا سکتا تھا۔ وہ وہی کھڑا نیچے سوئے آگن کو جھٹکا رہا حالانکہ ابھی روختی کے پتے جات موجود تھے مگر ان کے آگن کی روشنی میں چلی تھی۔ یہ اس کی ہی کاموں تھا۔ مغرب کی اذان سے ذرا پہلے آگن کا موبل چلا دیا جاتا تھا۔ اب چاہے کچھ آئے یا نہ آئے۔ اس بلب کا جن اپنے مقام سے بنا ضروری تھا وہ ضروری چیز وہ گیارہاں میں جن میں جانے کون کون سے پودے لگے رکھے تھے لیکن ان پر رنگ رنگ کے پھول ملنے دہتے تھے اور جن کی خوشبو سے یہ جگہ

کے لیے بھی ایک پیشہ ور مانی سے مشاورت کر کے کھاد اور سچ مگھواری رتی گھس کر یہ ان کا شوق تھا۔ سائرس اور انہیں کون سب چیزوں میں ڈھکی چھکی میں جن کی ان کے ان مشغلوں سے ان کا چھوٹا سا گھر بہت خوب صورت لگتا تھا۔

بڑے بچوں سے ذرا اوپر اندر کی جانب لوہے کی گرل کو تھامے وہ بھی سب دیکھتا رہا لیکن دھیان پھر بھی زکریا کی جانب سے ہوتا تھا۔ اس کی لیے جھنجھلاہٹ بھی عروج پر پہنچنے لگی تھی۔ وہ کوٹ کھٹ کر کے نیچے آتے۔ اسی کے کمرے میں بی بی کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔ وہ سیدھا چلے چلا گیا تھا۔ سونا بھی ان ہی کے کمرے میں بیٹھی سونی دھکا کا ہاتھ میں لیے جانے کیا بنا رہی تھی۔ وہ اسی کے بیل پر بگرنے والے انداز میں چبھ گیا تھا۔ انہوں نے تو کوئی دھیان نہیں دیا۔ وہ بی بی پر کوئی مذہبی مسئلہ سننے میں مگن تھیں۔ سونا نے سر اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔

”کیا ہوا!۔۔۔ کھڑی چھکا اور تمہارا چہرہ بارہوا کا وقت بتا رہا ہے۔ یہ تو کھلا اشتیاق نہیں ہو گیا۔“ وہ سبے لکھی سے بولی تھی۔ آگن نے ناک پر چھائی اور اس سے پہلے کہ وہ کہتا، وہ مزید بولی۔ ”اوہ ہاں۔۔۔ انہیں کچھ ہیں نہیں۔“ چاہے تم پر۔“

وہ چڑا رہی تھی اسے۔ کوئی اور وقت ہوتا تو اسے نرا لگا لیکن ابھی چھکے زکریا نے فضا کر دیا تھا تو ہر چیز ہی مذہبی لگ رہی تھی۔

”تم سے مطلب۔۔۔ اسے کام سے کام رکھا کرو۔ ہر وقت مجھے ہی تاخیر کر رہا کرو۔“ وہ چوڑے سے انداز میں بولا تھا۔ سونا نے برداشت نہیں کیا تھا۔

”کیا بات ہے۔ زکریا سے۔۔۔ لڑائی ہوئی ہے؟“ وہ چونک کر اسے زکریا کے متعلق بتا چکا تھا سو

دھنسی سے اس کے اترے چہرے کو دیکھ کر خود ہی اندازہ لگا رہی تھی۔

”شٹ اپ!“ انہیں نے اسے گھورا تھا اور ساتھ ہی اپنی امی کی جانب دیکھا تھا کہ کہیں وہ تو ان کی جانب متوجہ نہیں۔ ان کا سارا دھیان بی بی کی طرف تھا۔ اس نے ایک طرف دھیان میز پر پڑا ان کا موبائل اٹھا لیا اور بلا دھکیل کے ساتھ پچھلے عاز کرنا رہا۔ اسکرین پر سیدھا جنس لے کر دیا۔ بلا دھکی کی دھن دھن تصویریں سچھیں میں پھر انہیں ایٹ کر کے ان کے پر پھول ہوئے تھانہ رہا۔ جب اس کام سے وہ بی بی بھر گیا تو موبائل میز پر رکھ کر دوبارہ سے امی کی جانب دیکھنے لگا۔

”ای! آج ہم کچھ کھا نہیں گے یا ان مسئلے مسائل سے ہی پیٹ بھر رہی ہے؟“ اس نے آگن کو کہا تھا۔ وہ آگنوں پر کچھ خشم سے عقب سے اسے دیکھتے ہوئے اس سے زیادہ چوٹی تھی۔

”سنا مسئلے مسائل سے پیٹ بھر رہی آئی ہوں تمہارا۔۔۔ کھانا کھا نہیں ملا کیا نہیں۔“ وہ ٹھک کر پوچھ رہی تھی۔

”پہلے کب؟ میرے پیدا ہونے سے پہلے؟“ وہ ان کے انداز پر ذرا سا سنا مز پڑا تھا لیکن جملہ منہ سے گھر ہی آیا تھا۔ انہوں نے تنہیہ کرنے والے انداز میں گھور کر اسے دیکھا تھا۔ بی بی دیکھتے ہوئے انہیں ڈسٹرپ کیا جانا ذرا بھی پسند نہیں تھا۔

”یکومت۔۔۔ پچ کر کے یہ دیکھتے دو مجھے۔ بے چاری غریب لڑکی کا شوہرا سے طلاق دے چکا ہے اور اب اسے کمرے میں کھینچا جانے دے رہا۔ مفتی صاحب فیصل بتا رہے ہیں اور تم نے درمیان میں اپنا ذرا دھڑکا کر لیا ہے۔“ وہ سخت فضا ہوئی تھی۔ انہیں چند لمبے اسی طرح ان کی جانب دیکھتا رہا پھر وہ تاریکی کے عالم میں اپنی جگہ سے اٹھا تھا۔

”یہ کیا بات ہوئی۔۔۔ جسے دیکھو اس کا مزاج سوا نیزے پر ہے۔“ ٹھیک سے میں بھی بات نہیں کروں گا اب کسی سے۔ نہیں تو بتا تھا۔“ انہوں نے سب ہی گیت ڈسٹینٹ بنی ہوئی ہیں یہاں۔“ وہ بڑبڑاتا ہوا باہر نکل گیا تھا۔

”ممائی میں روٹی بنا دوں اسے؟“ سونا نے دھاکے کو کمرے سے توڑتے ہوئے ان کی جانب دیکھ کر پوچھا تھا۔ وہ بی بی پر وگرام میں انہی تنہک تھیں۔ انہوں نے کوئی جواب دینا بھی مناسب نہ سمجھا تھا۔

”جی نہیں۔“ شکر ہے۔ میں انسان نرا لگتا ہوں کیا۔ جو آپ روٹی بنا نہیں گئے۔“ انہیں نے اس کا جملہ سنا تھا۔ اسی لیے باہر سے چلا کر بولا۔

”فصل، دو سو سال پرانا لطف۔“ سونا نے دونوں ماں بیٹے کے تاثرات دیکھے تو کمرے سے اچکاتے ہوئے بولی اور اطمینان سے دوبارہ سے سونی میں دھاکا ڈالنے لگ گئی تھی۔

”روٹی کی تاریخ بھی تو دو سو سال پرانی ہی ہے۔ سنا ہے تمہارے آباء و اجداد چنگیز خان اور ہلاکو خان کی بیگمات کو مل روٹیاں بنانے میں بڑی مہارت رکھتی تھیں۔“ انہیں دھب دھب کر کے دوبارہ میز پر چلے جاتے ہوئے مزید چلا کر بولا اور اپنے کمرے میں چلا گیا۔ اس کی سوزنی ایک دوست کے کر گیا ہوا تھا۔ وہ اب تک کمرے سے باہر جا چکا ہوتا۔ کمرے میں داخل ہونے سے بھی پہلے موبائل اسکرین کی جلتی بجتی روشنی سے باور رکھ کر وہ بی بی کا کٹر کٹر موصول ہو رہی تھی۔ بیٹے پر اطمینان سے لیٹ کر اس نے پہلے کال کے بند ہونے کا انتظار کیا تھا۔

”بچپن مسد کاٹر۔“ اس نے اسکرین کی جانب دیکھتے ہوئے بڑبڑا کر کہا تھا۔ یہ سب زکریا کی کافر تھیں۔ اس کے ہونٹوں پر بڑی جان دار

ہی۔ اس نے کون کاٹوں سے نکالیا۔

”بڑی پسنے خان بن رہی تھی۔ آتش پر دھب جھاری تھی۔ اب آگ سزا۔ چننے سے برداشت نہیں کر سکی میری لنگی، جو کسی ایک گھنٹہ تھا ہو گیا تو کیا کروئی۔“ مسکراہٹ ہوئوں تھے دہائے وہ جتانے والے انداز میں کبہر ہاتھ۔

”مروں گی تو نہیں۔ باں کسی کو ماضی و ردوں کی۔“ وہ اسی کے انداز میں بولی تھی۔ اس کے انداز میں جولا چاری تھی اس لیے آتش کی آگ کو بہت بھائی تھی۔ ایک لمحے میں دونوں کی ناراضی شہم ہوئی تھی۔

☆☆☆

”بہت اچھی لگ رہی ہو۔ ماشاء اللہ۔“ مہناز بیگم نے اسے دیکھتے ہوئے پھر پر طرے سے سراہا تھا۔ سفید رنگ کے چھوٹے چھوٹے گٹھنوں سے بھرے کھیرے دار فراک میں کاجل مسکار اور لپ اسٹیک کاغذ والے سارے لوازمات کے ساتھ وہ واقعی بہت پیاری لگ رہی تھی۔ اسی دوران آتش کمرے میں داخل ہوا۔ اسے سر سے اوپر تک دیکھا پھر ماں کی موجودگی کی پروا کیے بغیر تائی بجا کر اسے سراہا تھا۔ مہناز بیگم کی جانتی تھیں کہ وہ دونوں آپس میں معاملات کس طرح حل کر چکے ہیں اور ان دونوں کے درمیان دوسرا کوئی معاملہ نہیں ہے۔ یہاں سب بڑے سوچ رہے ہیں، جس لیے آتش کے چہرے پر سونیا کے لیے در آنے والی پسندیدگی کی جھلک انہیں بڑی امید افزا تھی۔

”پہلے والے سینڈل پہن لینا جا رنٹ دس اچ۔“ در نہ نہیں دیکھ کر میرے دوست تمہیں کے ان کے خاندان کا تعلق نہ پہنچا ہے۔ نہ پہنچا کا تو پتا ہے۔ وہ بھی مٹی کی شہزادی جو کھاب کے پھول میں رہتی تھی اور بڑبڑوں کو اڑن کھولا کچھ کر ان پر ستر کر تھی۔“ وہ لا پر اسے

لیو تھا۔ چلتے چلتے رنگ کی شرت پر پانی لگے کوٹ کو ہار دینے سے لگتا ہے وہ خود واقعی کی شاہ زادے سے کہیں لگ رہا تھا۔

”تمہی تو شہزادی تار۔“ زادی۔“ سونیا نے ہانک چڑھا کر کہا تھا۔

”مٹی شہزادی۔“ آتش نے مزید چوایا تھا۔ وہ پینڈ پر بیٹھ کر اپنے سینڈل کے اسٹریپس باندھنے لگی تھی۔ مہناز بیگم نے اس کے کندھے پر ہاتھ بڑا اور انھوں ہی انھوں میں اسے گھر کا تھا چلیں اس نے زار و داتا کی تھی۔

”اچھا اب آج ہی چلو کی یادو تین دن بعد آؤں تمہیں پک کرنے۔“ وہ دروازے کے اوپر لگے چابیوں کے ہولڈر سے گاڑی کی چابی اٹھاتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔ سونیا نے آئینے میں خود کو دیکھا پھر اپنا چٹا کھانکریڈ بڑا مختلف ڈھانچا لیا۔

”یہ کیا ہے؟“ آتش نے اس بارسل کو دیکھتے ہوئے سوال کیا تھا۔

”یہ بڑا۔“ میرا مطلب تمہارے دوستوں کے لیے کچھ ٹفلس ہیں۔“ ممائی جان کی موجودگی کا خیال کر کے اس نے زمین کا کام لینے کا ارادہ ترک کر دیا تھا۔ آتش مزید سوال کرنا چاہتا تھا لیکن پھر ماں کی موجودگی کی وجہ سے وہ کسی پپ ہو گیا تھا۔

☆☆☆

”یہاں تو خیر ہی خیر ہے عطیہ! تمہیں کیا۔“ ہٹاؤں دونوں بیٹے تھکے تھکے نکل گئے ہیں آپس میں۔ میں تو ہر وقت نظر اتار رہی ہوں۔“ مہناز بیگم نے خوش خوشی بتایا تھا۔ وہ ہر دو تین دن بعد عطیہ بیگم کو پوری تحصیل سے آگاہ کرتی تھیں۔

”بات بات۔“ ارے بات بات سے بھی آگے کی بات کرو۔ دونوں ایک دوسرے کو پسند کرنے لگے ہیں۔ دوستی ہوئی ہے خوب۔ ابھی بھی آتش اس کو لے کر گیا ہوا ہے۔ دوستوں کی پارٹی رہی ہے کوئی۔ سب سے ملوانے کا سونیا کو درد تو تم جانتی ہو شل نہیں دیکھتے تھے ایک دوسرے کی۔“ وہ تین بھرے لچے میں جھاری تھیں پھر انہیں یاد آیا کہ انہوں نے عطیہ بیگم کو یہ بات پہلے بھی نہیں بتائی تھی اس لیے فوراً بات بنا کر بولیں۔

”میرا مطلب تھا کہ پہلے اتنی دوستی نہیں تھا آپس میں۔“ انیت اور لگاؤ آہستہ آہستہ ہی پیدا ہوتا ہے۔ نا اچھا ہوا ان دونوں کو ایک ساتھ رہنے کا موقع مل گیا۔ اڈر اسٹینڈنگ ہو گئی ہے دونوں میں ماشاء اللہ۔“

عطیہ بیگم کی آواز بھی بدلی تھی کیونکہ وہ بھی پاکیزہ تھیں کہ ان کی بیٹی اس رشتے پر ناراضی نہیں کی۔

”تم تو حیران کر رہی ہو مجھے۔“ وہ ابھی بھی تذبذب کے عالم میں تھیں لیکن دل سے جیسے بوجھ اترتا جا رہا تھا۔

”حیران ہوتا چھوڑو اور شادی کی تیاریاں شروع کر دو عطیہ! سب کچھ دیباہی ہو رہا ہے جیسا ہمیں نے مل کر سوچا تھا۔ میرے دل سے تو دعاں نکلتی ہیں اس لمحے کے لیے جس لمحے میرا اب نے نہیں اپنے پاس بلانے کے لیے سوچا تھا۔ بس وہی لمحہ بابرکت ثابت ہوا ہمارے لیے تو۔۔۔۔۔۔ تم جب آؤ گی تو دیکھنا تو نظر اتار کر دیکھو دونوں کی۔“ ”اللہ کرے ایسا ہی ہو۔“ عطیہ بیگم دل کی خوشی ہوئی۔

”میری بات کرواؤ سونیا؟“ انہوں نے

”ارے تاکو سے کہیوں باہر لے جائیں۔“ دراصل آتش بھی نوکری مل جانے کی وجہ سے بڑا خوش ہے آج کل۔ ماشاء اللہ مطمئن ہے۔ اسی خوشی میں باہر لے کر گیا ہے۔ اسے۔ تاکو کیا تھا کہ ذرا لیٹ ہوا جائیں گے۔ مہناز بیگم کا دل چاہ رہا تھا کہ ذرا ذرا کر تحصیل بھی لیتی کو بتا ڈالیں۔ عطیہ بیگم نے بھی خیر مقدمی انداز میں اس خبر کو سنا۔

”ایک ساتھ اتنی اچھی خبریں۔“ شہرانے کے نوافل واجب ہو گئے ہم دونوں پر سنا۔“ ”میں تو پہلے ہی ادا کر چکی۔ اب تم بھی نوافل ادا کرو اور دونوں بچوں کی خوشیوں کی دعا میں مانگو۔ ماشاء اللہ بہت قسمت والی بچی ہے ہماری سونیا۔ جس دن سے میں نے آتش کے ساتھ اس کا کام جوڑنے کی بات کی ہے۔ اس دن سے کچھ نہ کچھ اچھا ہی ہو رہا ہے میرے بیٹے کے ساتھ۔ ہر اتنی چیز سیدھی ہو گئی ہے اس کی زندگی میں۔ ایک نام بھی خیریت سے ہو گئے۔ اب نوکری بھی مل گئی۔ ان ماشاء اللہ آئندہ دونوں میں بھی سب کچھ اچھا ہی ہوتا رہے گا۔“ وہ کچھ زیادہ ہی پر جوش ہو رہی تھیں اسی لیے دونوں بچوں کے جانے کی وقت کی پروا کیے بغیر کینڈا کال ملائی تھی کہ انہوں نے۔

عطیہ بیگم موہاں فون پر ان کے چہرے پر پچھا اسکون دیکھ کر۔ مطمئن ہوئی جا رہی تھیں۔ دونوں خواتین کے گمان میں بھی نا تھا کہ ان کے بیٹے ان کے کہنے ہوئے سیدھے سارے نوے کے زاویے سے بالکل مخالف سمت میں چلنے کا تہیہ کر چکے تھے۔

☆☆☆

”یہ میرے لیے ہے۔“ زرمین نے مصنوعی حیرت چہرے پر سجا کر اس ٹیٹ کی حجاب دیکھا تھا جو سونیا نے اسے پڑا دیا تھا۔ زرمین کے انداز

دیکھ کر دھڑکا رہی ہوئی تھی۔ اس نے بھی اس کا ذکر اس اعزاز میں کیا تھا کہ ان میں سے کوئی بھی موقع نہیں کر رہا تھا کہ ان کا سامنا ایک بار مل سے قد کی مگر بہت خوب صورت لڑکی سے ہونے والا ہے۔

”در زمین کا اور اس کا جو تعلق تھا اس حساب سے زمین کو زیادہ سی پائی ہوئی تھی۔ وہ تو جتنی بھی چھوٹے شہری چھوٹے قد والی عام سے لڑکی تھی وہی سا وہی ایک ٹیڈی ”سونیا“ اسے دیکھ کر وہی چادر مل شانے چٹ ہوجائے گی لیکن یہاں معاملہ کچھ الٹا ہو گیا تھا۔ ٹیڈی سے فراک میں دو پٹے کی قمیض سے آزاد ہجرت میں ایک والی سونیا نے سے حیران کر دیا تھا اور مشکل میں مقابلہ خرید سے مزید سخت ہونے کا امکان صاف نظر آنے لگا تھا۔ سونیا کا لباس، میک اپ کرنے کا ذرا اور پھر لکھنؤ کا پر اعزاز چترنوں میں ہی وہاں بیٹھے سب لوگوں کو اس کا رویہ دیکھتے تھے۔ ایسا لگ رہا تھا کہ وہ ان کے ساتھ کھڑی ہوئی ہے۔ زمین کو بھل کر تو نہیں ہو رہی تھی لیکن اسے سب اچھا بھی نہیں لگ رہا تھا۔ اسی لیے اس کے اعزاز پر مصروفی بہت غالب آنے لگا تھا اور وہ سب ہی پادری کی مناسبت سے بہت مناسب طریقے سے ڈریس اپ ہو کر آئی تھیں اور سب ہی بہت پیاری لگ رہی تھیں لیکن زمین اور سونیا کا آپس میں ایک عجیب سا تعلق خود بخود پیدا ہو گیا تھا جو بالکل پر اپنا اثر چھوڑ رہا تھا۔ سونیا سے گفت سے لگ کر وہ ایک سمت میں رکنا چاہتی تھی لیکن اعظام بول رہا تھا۔

”ہم بھی تو اس کے دوست ہیں۔ ہمارے لیے کنگس کیوں لائیں آپ؟“ اس کا خصلہ اچھی پورا اچھی تھا تاہم کئی اور ہراق نے کئی سی بھرا کر وہی اعزاز میں اسے دیکھا۔ سونیا نے نوکرانہ کی جانب دیکھا پھر اسے محسوس ہوا کہ اس نے

ٹوک دیا ہے۔ اسے صورت حال کی فیک طرح سے سمجھ آ سکی تھی لیکن اسے محسوس ضرور ہوا تھا کہ ”در اصل“ اس نے وضاحت دینی چاہی پھر باقی کے عالم میں کئی سے اپنا کاپے۔ حقیقت یہ تھی کہ زمین کے علاوہ کسی کا خیال بھی اس کے ذہن میں تھا۔

”پچھلی اگلی بار ملے آئے گا۔ اب تو طاقت ہوتی ہی رہے گی۔“ یہ جملہ اعظام نے کہا تھا اور اب کی بار پھر سونیا نے ذوقی مسکراہٹ کو ہاں میں ہاں ملو کر اس کے چہرے پر چمکتے دیکھا تھا۔

”اچھا چلو زمین دکھاؤ تو کسی ہی ہے کیا؟“

نمیرہ نے کہا تھا۔ اس کے کہنے پر زمین نے تانوں کی مدد سے اس کے پیچھے کا قد کو ٹکڑا کرنا شروع کر دیا تھا۔ چند لمحوں بعد ان سب کے سامنے ایک خوب صورت بڑے سائز کا کچا پریس آ گیا تھا۔ جینز کے منظر میں سے بنے اس کچے پر جھکتے ہوئے سیکس تھے اور اندرونی جالی سنسری ڈیزائن کی تھی۔ اس کچے کی سب سے خوب صورت بات اس پر کھڑی سے بنائی گئی زمین اور اس کی تصویر تھی۔ اسی صفائی سے ان دونوں کی تصویر کو اس کچے پر سرخیز کیا گیا تھا کہ وہ ایک اچھل کھسکا کر زمین کے سامنے میں داخل کیا تھا بلاشبہ وہ ایک بہت ہی دیدہ و زیب اور بازار میں ملنے والے کچے سے کچھ مختلف کی چیز تھی جس کی ڈپ پر غمازنا سا لگ بھی لگا تھا جس پر ”عراق“ لکھا تھا۔ اس کو بھی اعزاز بھی تھا کہ وہ زمین کے لیے کال لائی ہے۔ اس کے چہرے پر سناٹا جیسے اندازہ تھا۔

نمیرہ نے سب سے پہلے ہرا۔

”واہ! بہت خوب صورت۔ یہ ڈیزائن ہے۔“

نمیرہ نے زمین کے ہاتھ سے وہ کچا پکڑا

”جہاں تک مجھے یاد ہے اس کے نہیں بتایا تھا کہ آپ اسکا چڑی بنائی رہی ہیں۔ آپ کو کوئی ہے۔“ وہ پوچھ رہی تھی۔

”شوٹی نہیں۔“ بڑس۔ میں بڑس کرتی ہوں۔ میرا براہ ہے۔ عراق کے نام سے۔ میں آن لائن بڑس کرتی ہوں یہ سب۔“ اس نے تھوڑے لمحوں کے بعد میں کہا تھا۔ زمین کے چہرے پر مسخرہ نکاحا تھیں کئی سو سال ہو گئی۔ اس کے ہاتھ سے وہ کچا اعظام نے پکڑ لیا۔

”یہ واقعی آپ نے خود بنایا ہے۔ واہ، جسٹ واہ۔ بہت ہی اچھا کام ہے آپ کا۔ یہ تو لگ ہی نہیں رہا کہ ہاتھ سے بنایا گیا ہے۔ میں تو بہت امیر نہیں ہو گیا ہوں۔“ وہ بے حد سناٹے والے اعزاز میں گو گو اور اسے زیادہ دیکھ رہا تھا۔ سونیا کو اس کی آنکھوں کے رنگ کچھ نامانوس سے لگے۔ اس کے دیکھنے کا اعزاز کچھ غیر معمولی تھا۔ سونیا کو کچھ لگا اور اس نے بھی بڑھ کر ایک بار پھر براق اور نمیرہ کے اس کے ہینڈ کو سن کر ذوقی اعزاز دیا تھا۔ سونیا نے حیرانی سے اس صورت حال کا جائزہ لیا تھا لیکن اسے ابھی بھی کچھ نہیں آتی تھی۔

”چلو بھی یہ تو بڑی مبارک بات ہوئی ہے۔“ اعظام صاحب امیر نہیں ہو گئے۔ زمین تہناری دال کھلی گئی ہے۔ جو چاہا تھا وہی دیا ہوتا نظر آ رہا ہے یعنی تخت کے بنائی کام ہو گیا تھا۔ تو۔ مجھے ایک اور پادری کی خوشبو محسوس ہو رہی ہے۔“ مذاق شراونی کی مسکراہٹ ہونوں پر سچے کبہ ہاتھ۔ نمیرہ اور اعظام نے اس کا ساتھ دیا تھا۔ سونیا چونک کر اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔ یہ سب اس کی سمجھ سے بالاتر ہے۔

”اچھا۔ اب بتاؤ آڈر کریں یا بونے ٹرائی کرنا ہے؟“ اس نے ان سب کو ٹوکا تھا۔ آج کی پادری کا میزبان وہی تھا۔ سب کے اتفاق کرنے پر

ہونے کا فیصلہ کیا گیا تھا۔ بونگ۔ اپنی اپنی مرضی سے اپنے لیے ڈسٹر تخب کرنے کے لیے اٹھ گئے تھے۔ زمین اور سونیا ایک ساتھ ٹیبلس کے لڑکائی تازہ روزہ لڑکائی کی جانب بڑھ گئیں۔

”تمہارے پانی بہن بھائی مارل ہیں؟“ وہ فرخ سلاد کو سر دنگ کیجے کی مدد سے ٹیبلٹ میں لیتے ہوئے سرسری سے اعزاز میں پوچھ رہی تھی۔ سونیا نے چونک کر اسے دیکھا۔

”مارل؟“ اس نے دہرا کر استغناء سے اعزاز میں اس کی جانب دیکھا۔ زمین نے دوسری فرے میں سے کچھ سے اٹھا کر ٹیبلٹ میں رکھے پھر چٹائی پر آئی بالوں کی ٹلوں کو کان کے پیچھے اڑتے ہوئے سرسری سے اعزاز میں بولی۔

”میرا مطلب ان کی پاپیٹ تو مارل ہے۔“ اس نے بتایا تھا کچھ کے ساری کھلی میں بس ٹم ہی چارٹ دس اٹھ لگی ہو۔ باقی سب تو بالکل مارل ہیں۔“ اس نے اس اعزاز میں کہا تھا جیسے عام بات ہو چکر وہ اس کی جانب دیکھے بنا کر بولی۔

”اس کی تیار ہوا تھا کہ تہناری کی بہت پریشان ہیں تہناری کھادی کے لیے۔“ اس نے بھونک کر بولی۔

”چھوٹا دمبی بڑا مسئلہ بنا رہا ہے۔ آج کل تو لوگ اچھی خاصی لڑکیوں میں سوئیز سے نکال دیتے ہیں۔“ اس کی بار باران بوجہ بات اجموری چھوڑ دی تھی اس پر کچھ نہیں ملتا ہوئی ہو۔

”میں نے ہی اس کو مشورہ دیا تھا کہ اپنی کزن کو اعظام، مذاق و دھڑ سے ملو۔ شاید کوئی سلسلہ چل پڑے۔“ انہیں لگا کہ اعظام۔

”وہ پوچھ رہی تھی۔ سونیا ایک لمبے کے لیے تو اپنی جگہ پر ہم کر رہی تھی۔ اسے سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اس نے اس کے کچھ طرح دی ایکٹ کرنا چاہیے۔ اسے اس کے کچھ سے قد کا خط بھی اس اعزاز میں کسی نے بھی نہیں دیا تھا اور پھر۔“ مارل۔“ کا لفظ تو

سبھی کی توجہ اس کی طرف مبذول ہوئی۔ اس نے ہنس کر کہا: ”کیٹ کو لکڑ کا اصل مقصد بھی سامنے آ گیا تھا۔ زمین آگ سے بڑھ کر اپنی پلٹ میں با ستا رہی تھی جبکہ سونیا کا سارا اعتماد جیسے کسی نے لمحہ بھر میں مٹی میں ملا دیا تھا۔ اس کی ہلک جیسے اچھو ہوئی تھی۔“

”میرے دوست ملنا چاہتے ہیں تم سے۔“

اتش کا جملہ کالوں میں گونجا اور اب زمین پر کھری تھی۔

”اتش کو میں نے ہی مشورہ دیا تھا کہ اپنی کزن کو برا کر اور اشتہام وغیرہ سے ملو۔“ شاہ کوئی سلسلہ چل پڑے۔ ”یہ الفاظ نہیں تھے۔ اس پر کسی نے اٹھا ہوا پانی اڑھل دیا تھا۔ اتش کے دوستوں کی کیٹ کو لکڑ میں آنے کے لیے اس نے پوری دوپہا تیار کی تھی۔ اتش کی متوجہ منگتے کے لیے تین دن اور دو راتیں لگا کر اس نے وہ چچا پر تیار کیا تھا۔ وہ تصویر جو اس کی بھائی کی تھی اس کو نہیں کرنے میں اسے تقریباً دو گھنٹے لگتے تھے اور کڑھائی والا سلسلہ تو خیر کافی وقت کا کھل گیا تھا اور یہ سب کرنے میں ٹیٹلوس کے ساتھ ساتھ وہ تمام ٹیک نیٹی بھی شامل تھی جو اس کے دل میں اتش کے لیے پیدا ہو گئی تھی۔

اس کا دل جیسے بندھا ہونے لگا تھا۔ یہ سب کچھ اس نے اپنے اس ماموں کے بیٹے کی خاطر کیا تھا جو اس کے متعلق اپنے دوستوں سے قسم کی باتیں کرتا رہا تھا۔ اپنے اونچے قد کاٹھ کے ساتھ، اپنی خوب صورت متوجہ منگتے کی سوچوں سے شاندار دوسرے وہ کیسے اپنے دوستوں کے ساتھ خوش گپوں میں مصروف تھا۔ سونیا کا دل چاہا کہ کبھی میری زندگی کی طرح بچ کر اسے ملے اور ممکن چار گالیوں سے نواز دے یا پھر اس کے قریب جائے اور کم از کم دو چھڑاں کے چہرے پر دے مارے

تھا۔ ”کیٹ بگاڑ لو گے میرا اتش! اگر میں تمہارا ساتھ دینے کے وعدے سے منکر جاؤں۔ اگر اپنی اور تمہاری ای کی طرح اس بات پر ڈٹ جاؤں کہ تمہیں کسی اور لڑکی سے شادی نہیں کرنے دوں گی۔“ وہ کڑھ رہی تھی۔ اتنا ہرثا سے پہلے کسی نے نہیں کہا تھا۔ اور افسوس ناک بات یہ تھی کہ وہ اپنے کمر میں نہیں تھی اس کی ای اس کے ساتھ نہیں تھی۔ تم کا بوجھ برداشت کرنا مشکل ہوتا ہے لیکن اکیلے برداشت کرنا بہت زیادہ مشکل ہو جاتا ہے۔

وہ اپنے آپ کو ایک دم سے اٹھا کھڑی ہوئی تھی۔ اس کی ساری توجہ اس کی طرف مبذول ہوئی تھی۔ ”وہ ایک شخص کی بھلائی کے لیے ہر ممکن کوشش کر رہی تھی حالانکہ اس افسرے اس کی اپنی ای کے ناراض ہو جانے کا غرض تھا لیکن پھر بھی وہ یہ پاراشی مول لے رہی تھی اور نتیجہ میں اس کے حصے میں تبدیل کے سوا کیا کیا تھا۔“

”واہ کزن۔“ اتش نے قہقہے چھان دی تھی۔ اس نے اپنے والٹس بھی ہاتھ میں لے لیے۔ ”واہ! میں نے اتش نے پوچھا تھا۔ وہ کتنا خوش اور مطمئن لگ رہا تھا۔ سونیا نے اس کی جانب دیکھا اس کا دل چاہا تھا کہ وہ اس شخص کی جانب دیکھے یا اس کو کوئی جواب دے۔

”کتنا چارنج کرتی ہو ایک عیب کا۔ رشتہ داروں کو رعایت دینے کا رواج ہے یا نہیں۔ میں چاہ رہا ہوں اپنے سب دوستوں کے لیے بنالوں۔“ وہ اس کی خاموشی کی پروا کیے بغیر کہہ رہا تھا۔

”بولو۔“ بنا دو گی میرے دوستوں کے لیے۔ میں سب کی تصویریں دوں گا جنہیں۔ کتنی دیر لگے گی؟“ وہ اپنے آپ سے باتیں کر رہا تھا جیسے اسے ذرا پر واہ تھی کہ وہ سن گئی رہی ہے یا نہیں۔ اس کا دل جیسہ چرہ اپنی کامیابی کے ذمہ میں چمک رہا

”ہاں، میں؟ کیا میں؟“ ”کیا میں؟“ وہ مزید حیران نظر آ رہا تھا۔ سونیا کے سگتے ہوئے زہریلے لہجے نے اسے بھی سلا گیا تھا۔

”تم بولو اتش! تم بتاؤ۔“ جنہیں کسی نے حق دیا کہ مجھے اپنے دوستوں کی پارٹی میں بلوا کر میرا سوکھ رہا جاؤ۔ مجھے ان کے سامنے چیل کر دو کہ میں ان کو پسند آ جاؤں تو مجھے مجبور ہے بس لڑکی کے رشتے میں جو رکاوٹ ہے وہ دور ہو جائے۔ وہ بھی صرف اس لیے کہ میرا عقد تمہارے برابر نہیں ہے۔ تمہاری اس لمبی لڑکھرائی کے برابر نہیں ہے۔ تم کہاں سے ابان کرنا چاہتے ہو؟“ وہ ایک شخص کی بھلائی کے ہوئے جیسے اتش کو کچا چھا رہی تھی۔ اتش کے چہرے کے تاثرات بھی بدلتے تھے۔

”کیا ایک رہی ہو۔ میں نے کس کے سامنے پیش کیا ہے تمہیں۔ سوکھ رہا؟“ کیا بکواس ہے۔ ایسا تو مجھے سونیا بھی نہیں میں نے۔ اسٹارٹس کے ذریعے دیکھو کہ کتنا لفظ بھی ویسے ہی فضول بولنے لگی ہو۔ سوکھ رہا؟“ ہوتا کیا ہے وہ؟“ وہ نہایت نرم مان کر بولا تھا۔

”یہ بات تم اپنی گرل فرینڈ سے پوچھو تو زیادہ اچھا ہے۔“ وہ بھی اپنی اعزاز میں بولی

”اس کا کوئی اور کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اپنا معاملہ کوئی ذات تک محدود رکھو۔“ اتش نے غرا کر کہا۔ وہ سارا اطمینان جو اس کے چہرے پر چمک رہا تھا پھر میں غائب ہو گیا تھا۔ سونیا کے چہرے پر استہزائیہ مسکراہٹ چمکی۔

”کیوں؟“ نرا گل رہا ہے نا۔ ایسے ہی مجھے بھی نرا لگ رہا ہے۔ افسوس ہو رہا ہے کہ میں کیوں آئی تمہارے ساتھ؟“ وہ اپنی اعزاز میں بولی تھی۔

”یہ بات تو تمہیں پہلے سوچنی چاہیے تھی۔ میں کوئی زبردستی خواہ کر کے نہیں لایا تھا۔“ اس

”ہمت بھی نہیں ہے تمہاری ہی خواہش ہے۔“
 کی۔ میری مرضی کے بنا کوئی مجھے نہیں بھی نہیں
 لے جا سکتا اور میں اسی بات پر اصرار ہوں کہ میں
 نے تم پر اعتبار کیا ہی کیوں۔ کاش مجھے پتا ہوتا کہ
 مجھ سے ساتھ یہ سب ہونے والا ہے تو میں یہ سب
 بھی نہ کرتی۔ ”دو اپنی افسردہ کی چھائیں اپنی ہی۔“
 انھیں نے اس کی جانب دیکھا پھر بے چین خود کو کچھ
 کہنے سے روکا۔ گاڑی گھر کے قریب پہنچ چکی تھی۔
 اس نے جیسے بار بار ان کی آواز اور یہ اس کی زندگی میں
 پہلی بار ہوا تھا۔

”تم بتاتی کیوں نہیں ہو کہ کیا ہوا ہے۔ کسی
 نے کچھ کہا ہے۔ بات نہ کی ہے کسی کی؟“ وہ زنج
 ہو کر پھر رہا تھا۔ جانتے ہوئے تو وہ بہت خوش اور
 پُر جوش تھی اور اب اس کا رویہ اسے حیران بھی کر رہا
 تھا اور پریشان بھی۔ سو نیا پن چاہ اپنے ہاتھوں
 کی جانب دیکھتی رہی۔ اسے شاید اشتیاق سے اس
 طرح حواسے جانے کی اتنی تکلیف نہ ہوتی اگر
 زرمین نے یہ نہ ہرانا اٹھا ہوتا۔

”اشتیاق نے کوئی بد فیزیکی ہے کہ تمہارے
 ساتھ؟“ انھیں کو اس کی خاموشی سے کچھ بھی نہیں
 نہیں آ رہا تھا۔
 ”میں تم سے کوئی بات نہیں کرنا چاہتی انھیں! تم
 نے بہت دل دکھایا ہے میرا۔“ وہ خلقت خوردہ
 لہجے میں بولی تھی جیسے بدھ مت ہو گیا ہو۔
 ”ایزودش۔“ انھیں نے ناک چڑھا کر کہا
 تھا۔ اس کا ممبر بس اتنی تھا۔

☆☆☆
 ”مجھے بالکل کچھ نہیں آیا کہ ہوا کیا ہے۔
 لیکن وہ بہت خفے میں تھی۔ مجھے لگا ہے اشتیاق نے
 کوئی بد فیزیکی ہے۔“ رات کو کبھی معمول کے
 مطابق سونے سے پہلے جب وہ زرمین کو شب بخیر

”بچہ زرمین ہوا تو اس نے ساری تحصیل تانے
 ہوئے لکھو دیا تھا۔“
 ”تم انھیں اشتیاق! اشتیاق! ایسا نہیں ہے اور یہ
 بات تم اچھی طرح سے جانتے ہو۔ اس لڑکی سے وہ
 دن ہوئے اس نے تمہاری ادنیٰ کو جب کہ اشتیاق تمہارا
 بچپن کا دوست ہے۔“ اس نے طحیہ پر انداز والے
 ایوچی کے ساتھ ایک جڑائی بیچ کیا۔
 ”اشتیاق کا کچھ کوئی گھر نہیں ہے زرمین! وہ
 بعض اوقات خواہ تو وہ اور ہو جاتا ہے۔ تم نے
 غور نہیں کیا لیکن وہ بلاوجہ سونا کے ساتھ بے تکلف
 ہونے کی کوشش کر رہا تھا۔ ہوسکا ہے اس نے کچھ
 ایسا دیا کہ بڑا ہوا۔“ انھیں اپنے سوئے پر ڈٹا تھا۔
 زرمین نے تین بار طحیہ پر ایوچی بیچے تھے۔
 ”انھیں! اشتیاق! زرمین اب اتنی بھی حسین و
 جمیل نہیں ہے کہ اس کو دیکھ کر کوئی اور ہو جائے۔
 میں کبیرہ ہوا باب یا پھر سوئی کی کسی بھی لڑکی نے تو
 بھی اشتیاق کے شغف سے شکایت نہ کی۔ تمہاری
 زرمین صاحبہ کو یہ غلطی ہوئی ہے۔“ اس نے انا
 کھا لیکن انھیں دیکھ سکتا تھا کہ وہ مزید توجہ نہ پ
 کر رہی تھی۔ اس نے فوراً لکھا۔

”اس نے شکایت نہیں کی پارا میں صرف
 اعزاز لگانے کی کوشش کر رہا ہوں کہ اصل میں
 وہاں ہوا کیا ہوگا کیونکہ میری موجودگی میں تو کچھ
 نہیں ہوا تھا۔ اس لیے میں تو بالکل لاعلم ہوں کہ وہ
 محترمہ ناراض ہی ہوئی ہیں۔“
 زرمین کا کچھ موصول ہوا تھا جو پہلے بیچ کا
 بقیہ حصہ تھا۔

”اور اس اشتیاق نے تکلف نہیں ہو رہا تھا۔
 اپنی احمق زرمین کو بتاؤ کہ اس کی قسمت کمال کی ہے۔
 اشتیاق کا کچھ کی ہے۔ وہ اس لیے نہیں وہ اس سے
 متعارف ہونے کی کوشش کر رہا تھا۔ اگر بڑی میں
 اسے کمر لکھ لیتا ہوتا کہتے ہیں تاکہ ایک دوسرے کو

مزید چھانچا جائے اور اپنی کزن کو بھی سمجھاؤ کہ
 خیرے کرنا بند کرے اور اس موقع کو چاہے سے تا
 جانے دے ورنہ اس قدر کے ساتھ ان کے نہیں میں
 کوئی شہزادہ نہیں آنے والا کھوڑے پر چڑھ کر۔“
 انھیں نے بیچ کا کچھ طرح سمجھنے کے لیے وہ
 بار بار حلقہ بھر کر ایک بیچ موصول ہوا۔

”اور پلیر یہ بھی اس کے خفے سے داغ میں
 ڈال دو کہ اشتیاق تمہاری اہورتن کی کزن میں اس
 لیے دلچسپی لینے پر مجبور ہوا کہ میں نے اسے آدھ کیا
 تھا۔ تمہاری کزن کی تعریف میں زمین آسمان کے
 مٹاے مٹاے تھے۔ بنا طے ہی اس کی اتنی تعریف
 کر دیتی تھی کہ وہ اس کو دیکھنے کے بعد میری باتوں کی
 صداقت پر ایمان لے آیا اور شاید اسی لیے وہ اسے
 اچھی لگ گئی اور تمہاری کزن میں ایسا تھا کہ وہ
 اسے دو بار دیکھ لیٹا۔ رہا ہے اچانک مٹاے کہ وہ
 ناراض ہو گئی۔“ زرمین کا کچھ کافی سا تھا۔ انھیں
 نے کچھ کرنا تھا۔ اس نے طحیہ اور اس سے پہلے اس نے
 بیوی کی آواز کی تھی کہ اس کی ای کوئی خیر ہو کہ وہ
 دہرات کے اس پہرے سے بات کر رہا ہے۔

”تم کیوں اتنا میل جل کر بیچ کر رہی ہو
 میں کہ تو رہا ہوں کہ اس نے کسی کا نام نہیں لیا لیکن
 اسے یہ ضرور پتا چل گیا ہے کہ ہم نے اسے بطور
 خاص اشتیاق سے حواسے کی کوشش کیوں کی ہے اور
 وہ اس بات پر ناراض ہو رہی تھی۔“ انھیں نے
 وضاحت کی۔ زرمین کی آواز میں تھی کی کی تیز
 مزید بڑھ گئی تھی۔

”تم اس کی ناراضی سے اتنے خائف کیوں
 ہو رہے ہو۔ بولی ہے ناراض تو ہوئی رہے۔ مجھے تو
 کچھ نہیں آ رہا کہ وہ خیرے کرکس بناد پر رہی
 ہے۔ ایورتن کی لڑکی ہے۔ قد کاٹھ تو خیر اللہ کے
 بنائے ہوئے ہوئے ہیں لیکن میک اپ دیکھا
 تھا۔ اور پھر ڈریس بھی نہیں ڈیو اور یہ گفٹ کیا

لائی تھی وہ میرے لیے۔ کپڑے کا بنا ہوا بیچ۔ ذرا
 بھی نہیں پسند آیا مجھے۔ بہت آدھ لٹھا چٹکس
 ہے بھائی تمہاری عراب عرف سونا کی۔“ اس نے
 ایک ایک لفظ زور دے دیتے ہوئے گویا انھیں کو باور
 کروانے کی کوشش کی کہ اس کی کزن اسے بالکل
 پسند نہیں آتی۔

”پارہم تم غلط بیانی سے کام لے رہی ہو۔
 لڑکی تو خوب صورت بھی ہے اور قابل بھی۔ میں تو
 خود حیران رہ گیا۔ اتنی صفائی سے وہ تصویر بناتی ہے
 اس نے اس پر پس پر۔ مجھے تو اچھا لگا بہت اور میں
 حیران تو جس اس بات پر ہوں کہ گویا کچھ کچھ
 باش کی بھی میرے ساتھ گردا رہی ہے میرے جیسے سر
 ہی میٹھا دے کی۔ کہیں تم نے تو کوئی بات نہیں کی
 اس کے قد کے حوالے سے۔“ انھیں کی سوئی ایک
 ہی جگہ کھڑی تھی۔ زرمین ایک ٹاپے کے لیے تو
 پُپ ہی ہوئی پھر جیسے بڑ بڑا کر فوراً وضاحت دیتے
 ہوئے بولی۔

”تمی نہیں۔ میں کیوں کروں گی کوئی بات کسی
 کے قد کاٹھ کے حوالے سے۔ یہ تو تم ہی ہو جو اسے
 چارٹ دس اناج کہتے رہتے ہو۔“ انھیں بلاوجہ نفس
 دیا۔

”اوہو۔ میری خیر ہے۔ کزن ہے۔ میری۔
 میری چھوٹی بیٹی۔ میں کہہ سکتا ہوں۔“ وہ
 مسکراتے ہوئے گھر رہا تھا۔ زرمین کی سکتی ہوئی
 آواز آتی تھی۔

”کیوں؟ تم کیوں کہہ سکتے ہو؟“
 ”انھیں کہتے ہیں مجھے۔ چارٹ دس اناج
 کہوں یا دس اناج چارٹ۔“ جتا ہے کچھ پر۔ ”وہ جتنے
 ہوئے بولا تھا۔“

☆☆☆
 اگلے دو دن وہ اس کی طرف کن انھیں سے
 دیکھنے کے باوجود اس سے بات کرنے کی ہمت نہ

دوستی کی آخری کمی۔ کیا میں یہ کافی کاکہ دے کر
آج تمہیں دوستی کی آخر کر سکتا ہوں؟“ وہ اس کی
آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔ چہرے پر
دوستانہ مسکراہٹ تھی۔ سوچا سٹرائیپ تک نہ تھی۔
”جی نہیں۔“ اس نے جواب دیتے ہوئے
مندرجہ ذیل طرف کر لیا تھا۔
”خدا کا کام تو کزن! جانتی ہو کہاں سے لایا
ہوں۔ چاہے کیا قیمت ہے اس ایک کپ کی۔ سوچا
دودھ اسٹ چاکلیٹ لینے کے لیے لائن لگی ہوئی ہے
عوام کی۔“ وہ اسی انداز میں بولا تھا۔ سوچانے نوزکر
اس کی جانب دیکھا ہی نہیں۔
”اوکے۔ تمہاری مرضی۔ نہیں جینی تو مت بچو
لیکن مجھے پیسے دو ان دونوں کے۔ اپنے کپ کے
بھی اور میرے کپ کے بھی کیونکہ میں تمہاری وجہ
سے ہی لایا تھا ورنہ اس سخت گرمی میں میرا یہ سوزی
ہوئی کافی پینے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔“ وہ جفا کر
بولا۔
”میرا بھی نہیں ہے۔ گرمی نہیں کی میں لیتی تھی۔
سب انسانوں کو فکرتی ہے۔“ سوچانے ناک چڑھا
جواب دیا۔ گرمی تو جی لیکن روزی شام ہوتے ہوا
چلنے لگتی تھی سو موسم تو آگن میں خوش گواری تھا۔
رات کی رانی کی دھیمی دھیمی ہی مہک بڑی دل فریب
تھی لیکن سوچانے چہرے کی ناراضی نے ماحول کو
کشیہ کر رکھا تھا۔
”اسی لیے تو کولہ کافی لایا ہوں۔ نی کر دیکھو
گو تو پتا چلے گا نا۔“ اس نے اپنا کپ وہیں
چھوڑ دیا۔ پھر دوسرا کپ زبردستی سوچانے کا تھا
میں بکڑا دیا تھا۔ اس نے چند لمبے تو تذبذب کے
عالم میں اسے دیکھا پھر منہ بنا کر کپ پکڑ لیا تھا۔
موچاس کا پینڈہ بھی تھا۔
”اب لے آئے ہو تو بی بیجی ہوں۔“ ایک دو
لمبے دو دوں اسٹرا سے رپ لینے میں گن رہے پھر

اٹھنے اس کے چہرے کی جانب دیکھا۔
”دوستی؟“ وہ چھوٹے بچوں کی طرح دایاں
ہاتھ اس کی جانب کرتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔ سوچا
ایک بیڑی میں اتر کر بیٹھنے لگی اور انداز میں سر ہلاتے
ہوئے بولی۔
”میں تمہاری دوستی انور نہیں کر سکتی۔ دوستی
برابر دلوں میں ہوتی ہے جبکہ تم کہاں اسنے اونچے
لے اٹھیں۔“ راجا اٹھ بلکہ ہمارا اٹھیں اور میں
کہاں چھوٹی سی۔“ وہ اس کی جانب دیکھے بنا بول
رہی تھی۔ اٹھیں اس کے کھڑے انداز پر خواہ مخواہ مسکرایا
اور پھر وہ بھی ایک اور بیڑی میں اتر کر اس کے برابر
آگیا۔
”لیکن میں نے تو سنا تھا کہ دوستی میں اونچ نیچ
کا فرق معنی نہیں رکھتا۔ ہاں رشتہ برابر دلوں میں
کرنا چاہیے اور تم سے رشتہ کرنے میں تو میں اسٹرا سٹ
ہی نہیں ہوں۔“ وہ کہہ رہا تھا۔
”اسٹرا سٹ زری..... صرف تم نہیں۔ میں بھی تم
سے رشتہ کرنے میں بالکل اسٹرا نہیں ہوں۔“
سوچانے نوزکر اس کی جانب دیکھا اور کھڑے انداز
میں جواب دیا تھا۔
”خیر یہ تو جھوٹ ہے۔ تم تو بے حد پسند کرتی
ہو مجھے۔“ وہ اسے چڑا رہا تھا۔ سوچانے دوبارہ نوز
کر اس کی جانب دیکھا پھر سادہ انداز میں ناک
چڑھا کر بولی۔
”اچھا واقعی!.....“ مسخراور فکلی ایک ساتھ
چہرے پر پھیلا تھا کہ اٹھیں کو ہنسی آگئی۔ اسنے دن
سے وہ اس کی دوستی کو اہمیت دیتی تھی اس کی اور اب
جب وہ ناراض ہوئی تھی تو اٹھیں کو احساس ہوا تھا کہ
وہ بھی اسے اہمیت دیتے ہوئے لگے تھے۔ کھر میں اس نے
بہر مری موجودی اسے ابھی لگتی تھی۔ اپنے سے
بڑھ کر کوئی ایسا بھی تھا جس سے وہ بلا جھجک زرمین
کی باتیں کر سکتا تھا سو اس کا ناراض ہونا اسے کافی

محسوس ہو رہا تھا۔
”ہاں تو اور کیا۔“ آخر کو تو سولہ ریزن ہے تا
اس ساری ناراضی سے چھپے۔ میں نے بہت ساری
ایسی سوچیں دیکھی ہوئیں جن میں سائڈ بزنس اسی
طرح ہیرو سے ناراض ہو جاتی ہے۔ جب وہ اسے
کسی اور سے ملوانے کی کوشش کرتا ہے تم بھی اسی
بیڑی میں اس طرح بی بیڑی کر رہی ہو ورنہ اسٹرا سے مل
کر ناراض کیوں ہوئیں؟“ وہ گردن اٹھا کر اسے
چوانے کی خاطر رپ کبہ رہا تھا سوچانے نے بیجی
کے عالم میں اس کی بات کو تسلیم کیا پھر اسٹرا سے
کلل کر اس کے کندھے پر ایک زوردار مارا تھا۔
”اٹھیں دی گرٹ۔ سب سے پہلے تو اس
ساری فلم میں سے اپنا فضول کر دار کلل کر اٹک
کر دو اور پھر میری بات دھیان سے سنو۔ مجھے واقعی
یہ بات“ بھی“ بہت بری لگی ہے کہ تم نے یہ سب
کیوں کیا۔“ اس نے لفظ ”بھئی“ پر زور دیتے
ہوئے کہا تھا پھر ذک کر ایک رپ مزید بھرا اور
غرائی۔
”تم ہوتے کون ہو۔ میرا رشتہ پکا کرنے
والے۔“ اٹھیں نے اسے اس کا جملہ پورا کرنے
نہیں دیا تھا۔
”کیا کس کم بخت نے کیا ہے۔ بس اتنی سی
کوشش کی تھی کہ اگر.....“ اب کی بار۔“ چنانے اس
کی بات کاٹی۔
”تمہیں کوشش کرنے کی بھی ضرورت نہیں
تھی۔ تم نے کیا سوچا کہ بے چاری کزن کا رشتہ نہیں
ہو رہا تو اسنے دوست سے درخواست کر لی جائے کہ
جائے بی بیڑی میں میری پیچھو کی بی بیڑی میں تھر
جائے۔“ وہ ایک ایک لفظ پر زور دے کر بول رہی
تھی۔ اٹھیں کھڑا زور بکڑا۔
”کیا بکواس ہے پارا ایسا کچھ نہیں ہے۔ جیسا
تم سوچ رہی ہو۔“

جولائی 2018ء

ایک سب سے دوسرے کو بار بار کہتا تھا۔
 "دو..." دوپٹہ ہونے لگیں چلتے ہوئے
 مسلسل ایک ایک کا پتھر دیکھ رہے تھے۔
 "مجھے تم سے پہلے تصور دار کا نام
 چاہیے دونہ۔ تم جب جانے ہو کر مزید اپنے میں
 یہ باسٹر بڑا عالم ہے۔" ان سب کو سنیں مس ہوتا
 تا دیجے کہ باسٹر جی نے ایک اور دم کی روٹی کھا لی۔
 "تی... ن..." ادھر مسٹر جی کے منہ سے
 عدد نکلا ادھر سب نے ایک ساتھ کہا تھا۔
 "رب نواز۔" باسٹر جی وہیں دک گئے اور
 ایک قدم واپس چلیں کہ رب نواز کے سامنے
 آگھرے ہوئے۔

”خدا بخواد۔ تو ہوگا نوکر۔ میں کیوں نہیں
 لگا نوکر۔ نوکر تو مجھے ماسٹر جی نے بھی نہیں
 کہا۔“ وہ ٹاک چڑھا کر بولا۔ ماسٹر نے ایک اور
 چٹری اس کی جاگنوں پر سیدھی۔

”یہ سچی بات تھی راکھوں۔“ اس کا یہ کہنا مزید حیران
 کیا۔ ماسٹر کی کواس کے عمل جملے سے زیادہ لگا
 بہن ”بھروسہ آیا تھا۔“
 ”دیکھا، یہ تو چھین ہیں اس کے۔ ایسے ہی
 کے سامنے بھی بات کرتا ہوگا جب ہی تو وہ اتنا
 افسوس چاہتی ہیں۔“ انہوں نے ایک اور چھری
 بردار چاہی لیکن اس بار وہ ذرا سا آگے ہو کر
 ”آپ کو کیا گیا۔“

”ماسٹر جی اس قسم کے خود مختار کونسلوں کو چاہئے ہیں۔ ان کا رول (دواولہ) یہی نہیں ہوتا۔ مجھے انہوں نے بولا کہ پٹالہ شہور کے ساتھ اس کی قیاس بنا دو حالانکہ وہ ان کے ذرا بھی نہیں جانتی تھیں لیکن میں نے انہیں نہیں کہا کیونکہ یہ پتا تھا پھر بھی آپ نے مجھے ہی ڈانٹا ہے۔ سو میں نے بتا دی۔ میرا تصور کہ جیسی انہوں نے بنوائی تھی۔ زبردت دیا نہیں آیا۔ انوکھا شرم کی تصویر اور دشمنی کے خلاف جتنا کڑا لڑائی نہیں ساتھ یعنی چھوٹی سوز کی کو دیکھ کر رگڑ کی تصویر بنانے جیسی اسائنمنٹ کی تھی مجھے۔ کام سے گھبراتا تو اسی وقت انکار کر دیتا ماسٹر جی لیکن میں نے ایسا نہیں کیا۔ سب کچھ دیا ہی کیا جیسا وہ حکم دے گی تھی۔ ماپ بھی میں نے پرہیز کیا تھا جو انہوں نے دیا۔ اب ہمیں حق بری ان پر پٹالہ شہور پر تصور ہو گیا اور وہ فرمائی ہیں کہ میں نے یہ نہیں کیا۔ اچھا بیٹے سے کیا ہوتا تو یہ بتا دیتا۔ دوزخ میں لپکتا ہے۔“

”مجھ سے نہیں ہوتا ماسٹر! آپ ان کی اسائنمنٹ کی یاد دہانی دیا کریں۔ دو بات پر میری بے عزتی کرنی ہیں۔ گالیوں بھی دیتی ہیں۔ ہر بات میں کہہ دیتی ہیں۔ ماسٹر جی نے میمن رکھ لیے ہیں اس لئے یہاں۔ کبھی کبھی تو تم جیسے ہوتے تھے کچھ نسل کے بوجھ کا م پرانہ نہیں کرتے۔ اماں کی قسم ماسٹر! اس جان بوجھ کر کہیں کرتا غلطیاں نہیں کرتے۔ مجھ سے ان کا ہر حکم بھی نہیں مانا جاتا۔ کبھی ہیں ابھی ٹیپ سے نہ پ کو میرا۔ مجھے شرم آتی

ہے ماسٹر جی! آپ کو پتا ہے یہ کام میں کس مسئلہ کا ہے؟
یہ بہنوں عینوں کی خدمت ہے تو مجھے معاف کریں۔ مجھ سے نہیں ہوتی ایسی خدمت۔ آپ کسٹروں کی صفائی کا دن اور سن کا والے کام مجھے دے دیں۔ باقی ان کم بہنوں سے کروایا کریں۔“ اس نے دو ٹوک انکار کر دیا تھا۔ ماسٹر جی اس کا چہرہ دیکھ رہے تھے۔ وہ باقاعدہ کسی اسکول سے نہیں پڑھا تھا لیکن علاقہ قرآن تھا۔ چار سال پہلے اس کی اماں اسے ان کی دکان پر چھوڑتی تھی کہ اسے کام سکھا دیں تاکہ وہ اپنی دکان بنا سکے۔ اس کے ہاتھ میں بڑی صفائی کھی۔ سلاخی میں دو تہہ جلدی ماہر ہو گیا تھا لیکن کھانے میں بھی اس نے ان کے باقی سب شادو کو کما دیتے ہوئے بڑی جلدی اپنی جگہ بناتی تھی اس لیے ماسٹر جی اسے اپنی ہی دکان پر مشعل ملازم رکھ لیا تھا لیکن شرط اس کے شروع دن سے ایک تھی کہ وہ کسی خانوں کا براہ راست ماپ نہیں لے گا۔ وہ کسٹروں خانوں کے کپڑوں سے ماپ لے کر اپنا کام مکمل کرنا تھا اور عموماً کسی کو اس سے شکایت نہیں ہوتی تھی۔ یہ واحد میڈم جنہیں یہ نہیں، جن کی کچھ عرصہ سے مشعل شکایتیں آنے لگی تھیں۔ وہ بھی اپنی جگہ درست تھا لیکن ماسٹر جی میڈم جنہیں کو بھی نشانہ نہیں کر سکتے تھے اس لیے مشعل کو جان میں رکھ گئے تھے۔

”ماسٹر جی! ہنجر (چپل) لے کر آؤں؟“

طیب نے تھکا ہوا لہجہ کا اعلان مایوس کرتے ہوئے سوال کیا تھا۔ یہ نواز جی انگریز کے بعد سب کو نظر آ رہا تھا کہ آج اس کا مشکل نکلے والا ہے۔

اؤں..... مجھے بولی (چڑاؤ) جلدی ہے۔“

ماسٹر جی نے ہاتھ میں بکڑی جلدی لیے اسے انگوٹھ برسید کی تھی۔ وہ چونک کر نہیں تھا اس لیے یہ ضرب کافی شدید ثابت ہوئی تھی۔ وہ ہلکا آٹھا۔

”چلو۔ لگو کام سے۔ میں یہ معاملہ کسی اور

نے اس کو طالب کرتے ہوئے کہا تھا۔ سوچ کا گہرا جال ان کے چہرے کا احاطہ کر رہا تھا۔ رب نواز نے طیب کی کندھے پر زور دیا مگر جڑے ہوئے سب سے پہلے چک چڑھی تھی۔

☆☆☆

یہ چند دن بعد کی بات تھی۔ سونیا اور انش کی ایک لمبی میٹنگ ہوئی اور یہ فیصلہ کیا گیا کہ باقی کے معاملات سونیا اور مہارانی جودھا جاپانی مل کر سنبھالیں گی۔ سو سونیا نے ایک دن ان کو ان دونوں کے گھر سے ملے جانے کے بعد ماحول بنا کر ان سے کہا تھا۔

”مہارانی جان! مجھے آپ سے ایک بہت ضروری بات کرنی ہے۔ وہ دال جاول بتا رہی تھیں۔ جاول دم پر رکھ دیے تھے اور دال کو بچھا لگانے کے لیے گرم تیل میں پیاز سرخ کر رہی تھیں۔ سونیا نے کینڈن کھول کر گرم مسالا اور سرخ ثابت گول مرچیں پیٹتے میں نکالی شروع کر دی تھیں۔ وہ ان کی بہت عزت کرتی تھی اور ان کی محبت کا دم بھی بھرتی تھی اسی لیے وہ جو بات کرنے والی تھی، ان کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے گریٹس پاری تھی۔ انہوں نے فرانک چین کا دست پڑ کر اسے زور سے ہلایا تھا تا کہ جو پیاز کناروں پر رہ گیا تھا وہ درمیان میں آجائے کیونکہ کناروں والا پیاز درمیان میں موجود پیاز کی نسبت جلدی سرخ ہوتا جا رہا تھا۔

”ہاں بولو۔ کیا ہو گیا۔ انش نے کچھ کہا؟“ اس کے لہجے کی تجیدگی کو محسوس کرتے ہوئے انہوں نے ممکنہ اعزاز دلانے کی کوشش کی تھی۔ سونیا نے آگے بڑھ کر وہ مرچیں فرانک چین میں ڈال دیں۔ ہلکی سا سڑ سڑ کی آواز بنے دھوئیں کے مرغولوں کو بھی ختم ہو ڈالا تھا۔

”مہارانی جان! میں انش سے شادی نہیں کرنا چاہتی۔“ اس نے ان کی جانب دیکھ کر بنا کھڑا

تھا۔ مہارانی جودھا کے چہرے پر دیکھا۔ وہ فرانک چین اٹھا کر دال والی پتلی میں اپنے ڈبے والی کھٹی اس کی بات سن کر انہوں نے فرانک چین کی پتلی میں خالی کر دیا تھا۔ پہلے سے زیادہ آواز بلند ہوئی تھی۔ دھوئیں کی وجہ سے مہناز تنکیم کی آنکھوں میں جلن لگ گئی۔

”ہم دونوں ایک دوسرے کے لیے مناسب نہیں ہیں۔ ہمارے مزاج، ہمارے اور شو کی ایک دوسرے سے قطعاً مختلف ہیں۔ عمارت نہیں جتنی میں مشرقی ہوں تو وہ مغرب۔ ہماری ساری زندگی بھر نہیں سکتی۔“ وہ مشکل لفظ جوڑ کر مناسب فیصلہ ترتیب دے رہی تھی۔ ایسی بات اپنی ہی ہونے والی ساس سے کرنا آسان نہیں تھا۔ ان کا چہرہ بالکل سبوتا ہو گیا تھا جیسے کہنے کو ایک لفظ نہ بچا ہو۔ انہوں نے گہری ہارشی سے بھری ہوئی سانس لی

”میں انش سے کچھ کہا۔ بتاؤ مجھے۔ اس نے کوئی بات کی ہے؟“ وہ بے حد حائل تھی۔ ان کی امیدیں جیسے ایک دم سے دم توڑ گئی تھیں۔ انش اور سونیا کی دوستی کا وہ نتیجہ نہیں تھا جو وہ توقع کر رہی تھیں۔ ان دونوں کے درمیان انسیت نے ایک نیا ہی گلہ دیا تھا۔ انہیں یقین تھا انش نے ہی سونیا سے کچھ کہا تھا۔

”نہیں۔ اس نے کچھ نہیں کہا اور پلینز آپ ناراض مت ہوں۔ بس محل سے مجھے بات مکمل کر لینے دیں۔“ اس نے انتہائی مہناز تنکیم سے اس کا چہرہ دکھا۔ ہلکی بار انہیں اس کا خوب صورت چہرہ خوب صورت لگا تھا۔

”شادی کرنا مشکل نہیں ہوتا مہارانی جان! شادی نابہا مشکل ہوتا ہے۔ بے جوڑ شادی ہو جائی کر رہی ہے لیکن ایسی شادی قائم رکھنا ہے حد مشکل ہوتا ہے۔ میری اور انش کی شادی ہو بھی گی تو زیادہ دیر چل نہیں پائے گی کیونکہ یہ ایک بے جوڑ شادی

ہوگی۔ میں جانتی ہوں آپ، میری نہیں، میری سب مل جل کر ہم دونوں کو ایک لڑکی میں جوڑنے کے لیے ان تک محنت کر رہے ہیں۔ ایسا ناچا ہے ہوئے بھی بنی کے گھر جا کر رو رہی ہیں۔ آپ اسے دن سے مجھے برداشت کر رہی ہیں اور پھر نظر آتا ہے کہ آپ انش کو آمادہ کرنے کی اور میری ای مجھے رضامند کرنے کی ان تعداد کو ششیں کر رہی ہیں لیکن سب بے فائدہ ہے۔ ہماری شادی ہو بھی گئی تو کامیاب نہیں ہوگی۔“ اس نے درمیان میں سانس لینے کو بھرا کر تھک گیا تو وہ بولیں۔

”سونیا! یہ کیوں کر رہی ہو۔“ کچھ نہیں جانتی تھیں۔ زہدی کی بات سن ہی تھیں۔ ہم بزرگوں نے اسے برت لیا ہے۔ ہم تم لوگوں کے لیے غلط فیصلہ توڑی کر رہے ہیں۔ تم لوگ ابھی بے ہوش تھے۔ انش بھی۔ تم لوگ وہ نہیں دیکھ رہے جو ہم دیکھ رہے ہیں۔ جو میں نظر آ رہا ہے۔ وہ تمہاری نظروں سے اوجھل ہے۔ ہاں ٹھیک ہے ہم سب اس شادی کو کروانے کے لیے سر توڑ کوشش کر رہے ہیں لیکن یقین مانو۔ کامیاب شادیاں وہی ہوتی ہیں جو منصوبہ بندی سے کروائی جاتی ہیں۔ لڑکی کو لڑکے کے لیے اور لڑکے کو لڑکی کے لیے باقاعدہ رضامند کیا جاتا ہے۔ جن شادیوں کے لیے دعا میں کی جاتی ہیں۔ دھینے پڑے جاتے ہیں۔۔۔ وہ شادیاں جن کی ابتداء میں ہی اندھی قسم کا عشق و عاشقہ انوالہ ہو۔ کبھی قسم کا پیار محبت ہو۔ وہ شادیاں زیادہ کامیاب نہیں ہوتیں۔ شادی سے پہلے ہی جینے مرنے کے وعدوں اور قسموں والی شادیاں تو پانی کا بلبلاب ثابت ہوتی ہیں۔ بے رنگ، بے بو پانی کا بلبلاب جبکہ تمہاری اور انش کی شادی ایسی نہیں ہوگی۔ اس لیے تم اس بات کی پروا چھوڑ دو کہ یہ شادی کامیاب نہیں ہوگی۔“ وہ جتنے پیار سے سمجھا رہی تھیں۔ سونیا نے لا چاری سے ان کی

جانب دیکھا پھر نظر پڑا جھکائیں۔ وہ بہت محبت میں چھس کی گئی مگر یونانی بھی ضروری تھا۔ ”میں انش کو پسند نہیں کرتی مہارانی جان!“ اس نے انتہائی کہا تھا کہ وہ تڑپ کر بولیں۔ ”تم کسی اور کو پسند کرتی ہو؟“

سونیا نے ایک بار پھر ان کا چہرہ دیکھا۔ وہ یکدم جیسے بھڑکی گئی تھیں۔ وہ اسے سمجھاتے ہوئے کتنی بڑا میڈلگ رہی تھیں کہ جیسے وہ ان کی بات سمجھ ہی جائے گی۔ اسے دلائل سے زیادہ جیسے انہیں اس کی ادائیگی کی تربیت پر بھروسہ تھا۔ اس نے دل ہی دل میں انش کو دو پار کا چاکا لیا دی تھیں جس نے یہ بات کرنے کی ذمہ داری اسے سونپی گئی۔

”میں انہیں کبھی کوئی نہیں کر پاؤں گا۔ تمہاری بات کو وہ میری بات سے زیادہ اہمیت دے گی۔ تمہارا کھا پھر پر کھیر بات ہوگا۔ تمہارا انکار تاہم اسے آخری میل والا کام کرے گا۔“ اس نے جانتے گی کچھ کہہ کر اسے مہناز تنکیم سے بات کرنے کا حوصلہ دیا تھا۔ ایسی وجہ سے وہ ان سے بات کرنے کی ہمت تو کر چکی تھی اور انش کو زبان بھی دے ڈالی تھی کہ آج وہ انہیں ہر طور سے کر دم لے گی چاہے کچھ بھی ہو جائے لیکن ان کا چہرہ وہ دیکھ کر اس کا حوصلہ اور دلائل ختم ہوئے چارے تھے۔ وہ چند لمحو تذبذب کے عالم میں انہیں دیکھ کر ہی پھر جیسے اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اب ریلیا بات تو کرنی ہی پڑے گی۔ ”جی۔۔۔“ اس نے کھڑا تھا۔

☆☆☆

”یہ زمین ہے۔“ انش نے باسٹری کو اس کی جانب اشارہ کر کے بتایا تھا۔ وہ مشرقی بھو کی طرح آج تک بالکل ہاشور نہیں اور دوپٹا پہنے سامنے آئی تھی۔ بال پونی کی شکل میں باندھ رکھے تھے اور ایک ایک کے نام پر بس آج نو ٹیکہ اپ، میک اپ والی لنگ کوتر بچ رہی تھی۔ وہ خوب صورت تو تھی لیکن چھکنا آج خوشی کے مارے وہاں میں



القرآن

ہوئے لوگوں کو اور اپنے رب سے جس نے پیدا فرمایا، اسی سے جوڑا اس کا اور پھیلا دیے ان دونوں سے مرد و عورت اور عورتیں (بیکھرتعداد میں) اور اللہ سے ڈرو جس کے نام پر پکارتے ہو اور تم ایک دوسرے سے (اپنے حقوق) جس کے واسطے سے اور ذرہ جوں (کے قطع کرنے سے) بے شک اللہ تعالیٰ تم پر ہر وقت نگران ہے۔ (سورۃ النساء ۱)

☆ اور تم ہرگز خلعت نہیں رکھتے کہ عورتوں پر انصاف کرو، اپنی بیویوں کے درمیان اگرچہ تم اس کے بڑے خواہ مخواہ مندگی ہوتے ہو، نہ کرو کہ جس جاؤ (ایک بیوی کی طرف) بالکل اور چھوڑ دو دوسری کے لئے، (اور درمیان میں) ایک رسی ہو اور اگر تم درست کرو (اپنا رویہ) اور پرہیزگار بن جاؤ تو ہے شک اللہ تعالیٰ بخیر اور رحیم ہے۔ (سورۃ النساء 129)

احادیث نبوی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
”عورت پہلی کی بڑی کی طرح اگر تم اسے بالکل سیدھا کرنا چاہو گے تو تم اسے توڑ دو گے (یعنی) جلدائی کی توبہ آپ کیپنے کی اور تم عورت سے فائدہ اٹھانا چاہو تو تم عورتوں کی کٹھن جان بڑھات کر کے ہوئے اس کی خوبیوں سے فائدہ اٹھانا ہوگا۔“

(بخاری 5184)
حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
”ایک دینار دے جو تم نے اللہ کی راہ میں خرچ کیا ایک دینار دے جس کے ذریعے تم نے کوئی غلام آزاد کیا، ایک دینار دے جو تم نے کسی مسکین کو صدقہ کے طور پر دے دیا اور ایک دینار دے جو تم نے اپنی

پس منی کی سہولت چاہے جسے اللہ داخل کرے جس اور پھر ماسرئی کو دیکھ کر کہیں اپنی جگہ پر جم گئی تھیں۔ الفاظ بھی بکھل ادا ہوئے تھے نہ سے۔ چہرے سے مسکراہٹ غائب ہی ہوئی۔ انہوں نے ایک نظر پٹنی کے چہرے کی جانب دیکھا اور دوسری نظر دیکھا اور ماسرئی پر ڈالی تھی۔ انہیں سمجھ بھی نہیں آ رہا تھا کہ انہیں کس طرح قہقہہ آنا چاہیے۔

”ماستر غلام حسین۔ آپ کیجئے۔ آپ کا؟“
انہوں نے ڈرا رنگ بدم کے لپٹوں کا آکر پوچھا تھا وہ ادا کا دی نہیں کر رہی تھیں۔ ان سے واقعی بولا نہیں جا رہا تھا۔ وہ ایک نظر پٹنی کو دیکھتی تھیں اور دوسری نظر زمین کو جو خود بھی گھبر رہی تھی۔ اس نے بھی ماسرئی کو پکھان لیا تھا۔ اگرچہ بہت کمر سے ان کی دکان پر نہیں گئی تھی کہ اب بڑی میڈ کا دور تھا لیکن بچپن سے اپنے کپڑوں کی ملائی اور آئرنیشن کے لیے ان کی دکان پر آنا جانا رہا تھا۔ یہ تو ان کے خاندانی ورثہ تھے۔

ورثہ! اتنی سے والد۔ ماسرئی ماسرئی تھیں ورثہ۔ وہ تو بس ایک پکا روٹی تھی۔
”جی۔ جی۔ جی۔ میڈم۔ یہ بیٹا ہے میرا۔ افضل غلام حسین۔“ ماسرئی نے فخر سے اس کا پر نام لیا تھا۔

☆ ☆ ☆
اس دن ہمارے ساتھ جو ہوا۔ اللہ کسی دشمن کے ساتھ بھی نہ کرے۔ میڈم تھیں میری ہونے والی سوکھن کے روپ میں سامنے آ کر پڑی تو پٹنی میں لیکن دل اس صورت حال کو قبول نہ کر پا رہا تھا۔ اب یہاں میرا پانی کا ایک گلاس پینا لازم ہے ورنہ میں یہ قصد آپ کے سامنے عمل نہ کر سکوں گا۔ میرا سانس بھی آ کر سکا ہے۔ میں ڈرا پانی پی کر آتا ہوں۔ آپ بھی حوصلے سے انتھار کیجئے۔

☆ ☆
باقی آنکھ وہاں اشارہ

یہ حال تھا۔ تھیں وہیں میں بسا بیا آج وہ پہلی مرتبہ زمین کے گھر آیا تھا۔ اس کا حال ایسا تھا کہ شادی سے پہلے ہی خود کو دہلا تصور کر رہا تھا۔ خوشی اور غمایت سارے وجود سے پھلک رہی تھی۔ سوچنا بھی ان کے ساتھ ہی آئی تھی۔ زمین نے گھر کے گیت پر ملازموں کے بجائے خود ان کا استقبال کیا تھا جو کہ پہلے اس نے بھی کسی مہمان کی خاطر نہیں کیا تھا۔ مہتر تھیں تو سلام کا جواب دے کر ذرا اندر کی جانب ہو گئیں لیکن ماسرئی نے وہیں گیت پر کھڑے ہو کر اس کے سر پر پیار دیا تھا۔ انہیں اس کا چہرہ دیکھ جانا چھپنا سا لگا تھا۔

”آپ۔ ماسرئی ہیں؟“ زمین نے پوچھا تھا۔ ماسرئی نے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔ انہیں محسوس ہوا تھا کہ جیسے زمین ان کو دیکھ کر کچھ حیران ہی ہوئی تھی۔

”زمین! یہ میری امی ہیں اور یہ سونا! میری کزن۔“ انہیں نے ماں باپ کے سامنے جان بوجھ کر ان دونوں کو دوبارہ متعارف کروا لیا تھا۔ زمین نے سر ہلایا اور پھر وہ ان کی رہنمائی کرتی ہوئی انہیں ڈرا رنگ روم میں لے آئی تھی۔ ان کا گھر بے حد کشادہ، خوب صورت اور عالی شان تھا۔ زمین نے صبح اپنی موجودگی میں سارا ڈرا رنگ روم اچھی طرح سے صاف کر دیا تھا۔ ان کی خاطر چائے کے دو برتن لٹوائے تھے جس کی امی کی بہت ہی خاص مہمانوں کی آمد پر لگائی تھیں۔ یہاں تک تو سب ٹھیک تھا لیکن مہمانوں کو دیکھ کر اس کا سارا وجود ہل سا گیا تھا۔ اسے اپنے چاروں اطراف کچھ سائزین بیٹھے محسوس ہو رہے تھے جنہیں فی الوقت وہ کوئی بھی نام نہ اپنے سے قاصر تھی۔

”زمین! کہاں ہو۔ مجھے بھی تو۔۔۔ مل۔۔۔
واہ۔۔۔ مہما۔۔۔ فوں سے۔۔۔“ تھیں تھیں بڑی نزاکت

تھی یہ خرچ کیا، ان میں سے زیادہ ثواب اس دینار پر ملے گا جو تم نے اپنی بیوی پر خرچ کیا۔“ (مسلم)

مغول بونی

☆ کسی کو دکھ دینے والا کسی خوش نہیں رہ سکتا۔ (حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ)۔
☆ کسی کی بے بسی بہت سبب ہو سکتی ہے۔ (حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ)۔
☆ کسی کی آنکھ تمہاری وجہ سے نہ مرنے کو کیونکہ تمہاری رسی اللہ تعالیٰ میں ہے۔ (حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ)۔
☆ مظلوم اور غلامی کی آہ سے ڈرو کیونکہ آہ کسی کی بھی ہو موش کو بچ کر اللہ کے پاس جاتی ہے۔ (حضرت علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ)۔
☆ شہزادہ۔۔۔ کراچی

☆ غیبت کرنے والا
ارسطو سے کسی نے کہا۔ ”میں نے ایک معترف آدی سے تمہارے بارے میں غلط باتیں سنی ہیں۔“ ارسطو نے جواب دیا۔ ”غیبت کرنے والا معترف کیسے ہو گیا؟“

☆ عاشق و دلہن کی کہاوٹیں
♥ نکلتا کا کمر ہی اپنے اوزاروں کو برا بھلا کہتا ہے (پٹنی کہاوٹ)۔
♥ زندگی بھر بن استاد ہے لیکن اس کی فیس بہت بھاری ہے (فراسی کہاوٹ)۔
♥ کھڑے کی چار ٹانگیں ہوتی ہیں لیکن کبھی

♥ آزادی کی تکلیف، غلامی کے آرام سے
بہتر ہے (مرنی کہادت)۔
♥ کامل شخص کے پاس وقت نہیں ہوتا
(احادیثی کہادت)۔

کنول شاہین - تلمیذ

وارث شاہ

ربا میرے حال دا عمر توں
اندروں ہیں، باہر توں ہیں، دردم دم دوج توں
توں ہیں تانا توں ہیں پانا، مجھ کچھ میرا توں
کے حسین فقیر نا تانا، میں نا ہیں سب ہیں توں
نوز یہ شربت - ہجرات

کہاں دفن ہیں

- حضرت آدم علیہ السلام - سری لنگا میں۔
- حضرت نوح علیہ السلام - جودون میں۔
- حضرت ہود علیہ السلام - یمن میں۔
- حضرت صالح علیہ السلام - لیوان میں۔
- حضرت لوط علیہ السلام - عراق میں۔
- حضرت اسحاق علیہ السلام - فلسطین میں۔
- حضرت یوسف علیہ السلام - فلسطین میں۔
- حضرت شعیب علیہ السلام - سری لنگا میں۔
- حضرت اسماعیل علیہ السلام - سعودی عرب میں۔
- حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم - سعودی عرب میں۔

بال بزرگ ہے

عظیم بن حرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک مشہور صحابی
ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔
چوٹھلے کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مظاہر ادا پھر کی
مومن پر کھانا لگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر حلقہ کر دیا۔
تیسری مرتبہ پھر سوال کیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے
پھر حلقہ کیا لیکن ساتھ ہی بارش فرمایا۔
"عظیم بال بزرگ ہوا (حوا) ہے۔" ظاہر میں
بڑی مٹھی چیز لیکن اس کا دستور یہ ہے کہ اگر دل کی مٹھی

ہے۔ اگر دل کے لالچ کے ساتھ ہے تو اس میں
برکت نہیں ہوتی۔ آدمی کا حال ایسا ہوتا ہے، جیسے
ہر وقت کھائے اور پیٹ نہ بھرے۔
یہ بات کن کریم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا۔
"بارسود اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اب آپ صلی
اللہ علیہ وسلم کے بعد کی کوئیں ستاروں کا۔"

انٹلین سچ - کراچی

آکھیں - تمہیں قسم کی ہوتی ہیں۔
(۱) جسمانی آکھیں - یہ انسان اور مومن دونوں
کے پاس حاصل ہے، ان کا مصرف دیکھنا ہے۔
(۲) عقلی آکھیں - یہ صرف انسانوں کے
لیے مخصوص ہے اور اسے صرف بصیرت دیتی ہے۔
(۳) روحانی آکھیں - یہ آکھیں صرف
خدا پرستوں کو ملتی ہیں۔ یہ دنیاوی اشیاء کی مابست کو
واجب طور پر آنکھوں کے سامنے لانے کے علاوہ عالم
بالا کا بھی نظارہ کراتی ہیں۔

تیمم پھر حسین - ذمہ
(افلاطون)
بیوی کا فون
فخر میں کام کرتے ہوئے ایک صاحب کا
موبائل چوری ہو گیا۔ دن بھر کما کے بعد جوں ہی گھر
پہنچا تو دیکھا کہ گھر میں ساس اور سر اپنی بیٹی کا
سامان دیک کے کن کے شکر تھے۔ تیمم اور ساس کی
آکھیں روئے گی وہ ہے سرخ نہیں اور سر کے
چہرے پر نفرت کی لگیں تھیں۔
"کہاں لے کر جا رہے ہیں میری بیوی کو؟
خبریت تو ہے؟" انہوں نے کچھ نہ سمجھنے والے انداز
میں درپاشت کیا تو سرسے آگے بڑھ کر ان کی بیوی
کا موبائل ان کے سامنے کر دیا۔ "میں جنہیں تین
حلقوں دیتا ہوں" بیوی کو ان کے بہتر سے سچا آقا تھا۔
سچ دیکھ کر صاحب نے ایک حشفی آہ بھری اور بتایا

ان کی تیمم کی بات سے کس درویش نے نہیں اور
سر صاحب نے اپنی باتیں چھپے چھپے دروازہ کھلیں۔
لیکن انہوں نے انہیں کس کے ہونے پر اچھا بھرا دیا کیا تو چور
نے ان اشیاء پر صاحب چھوئے ہی پھٹ پڑے۔
"کہئے انسان اخوان چرچا تو چرچا چلا۔" میری
بیوی کو حلقا دینے کا حق نہیں کس نے دیا ہے؟"
چور نے (تیمم) سے ان کی بات سنی اور کہنے لگا۔
"دیکھئے صاحب آج - جب سے آپ کا فون
چرچا ہے، مجھے آپ کی بیوی کے چھینکے سچ سمجھ
ہو گئے ہیں، کہاں ہو، کیا کر رہے ہو؟ کب آؤ گے؟
آتے ہوئے سے لے آؤ اور ہاں ہی مٹی - جلدی آؤ آنا۔
دیکھو حلقا حلقا چرچہ قسم ہو گئی ہے۔ میں پاگل ہو گیا جب
میں نے حلقا سچ دئی اور میری چھوٹی۔
جان کارن - چوکی

سورج جب چمکے لگا ہے تو بیوی روئی ہوتی ہے۔
دن چرچا آتا ہے، صبح چمکتی ہے، حدت میں ہے،
خوش ہوتی لیکن یہ چمکتی ہوئی کڑی جلائی نہیں آگ نہیں
لگتی اور جب یہ روئی ہے صبح ایک نقطہ پر مرکوز ہوتی
ہے تو آگ لگتی ہے، کاغذ پھل اٹھتا ہے۔ مل میں سارا
ہوا زیاک نقطہ پر مرکوز ہونے میں ہے، خواہش ہو، ارادہ
ہو، دعا ہو یہ ساری کی ساری تھاری دل کی صورتیں ہیں۔
نیم رخصت، نیم جاں - ہر آدمی کے اس صورت، لیکن جب
تک ہمارے دل سے کسی چیز کی مرکز پر فوس نہیں ہوتی
وہ جانیں سکی، بھڑک نہیں سکی۔
(سن چلے کا سودا)
سعد وحیدی سہدی - اسلام آباد

قرآن کریم کا ریاضیاتی معجزہ
• نقطہ "دنیا" اور "آخرت" - دونوں مساوی
طور پر 115 دفعہ دہرائے گئے ہیں۔
• نقطہ "شیطان" 88 مرتبہ، نقطہ "خلائق" یعنی
فرشتے کو 68 دفعہ دہرایا گیا ہے۔
• نقطہ "ایمان" 25 دفعہ اور نقطہ "کفر" بھی
ایسی مرتبہ استعمال ہوا ہے۔
• نقطہ "جنت" اور "جہنم" یکساں تعداد میں
یعنی 77 مرتبہ دہرائے گئے ہیں۔
• نقطہ "معدنہ" یعنی کانہ اور اس کے متضاد
نقطہ "مخران" یعنی خسارہ کو بھی یکساں طور پر
50,50 مرتبہ دہرایا گیا ہے۔
چاند

اسے میں نے دیکھ
تو سوچا
کتاب چاند نے
اسے سورج سے
لوٹا کتنا چھوڑ دی ہے
(احمد عظیم قاسمی)
☆ بنا سائبر سحر - قلم آباد

خوبانی سے ذائقہ

خالد جیلانی

خوبانی کا حلہ

اشیاء:
خوبانی (تنگ)
ایک کیک

1 کلو
1 کپ
(چورا کیا ہوا)
1 چمچی
2 قطرے
1 کپ
150 گرام
5 گرام

الائی پاؤڈر
عرق کلاب
چینی
کھویا
پستے

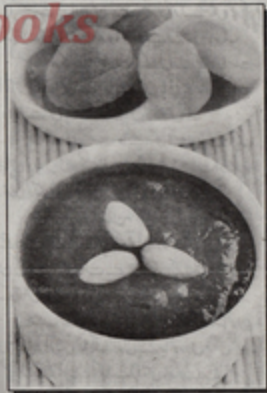


دہی اور خوبانی کی اسموتھی

اشیاء:
تازہ خوبانی
دہی (لونیٹ)
شہد

چیر یا آٹھ عدد
تین چوتھائی کپ
ایک چائے کا چمچ

ترکیب:
خوبانی کے سب سے نکل کر ان کو باریک چوپ کر
لیں، پلینڈر میں دہی، خوبانی اور شہد ڈال کر ہائی اسپینڈ
پر اتنی دیر چلائیں کہ ہموار اسموتھی تیار ہو جائے۔ تیار
ہونے کے بعد (خوشنایا تامل) فوراً سرد کریں۔



PakiBooks

اشیاء:
خوبانی (تازہ)
چینی
لیوں (رس نکال لیں)
1 عدد
1 کپ

ترکیب:

خوبانی کو پانی میں بھگو کر آدھا کھینے کے لیے
رکھ دیں۔ خیال رہے کہ خوبانیاں بہت نرم نہ ہونے
پائیں، آدھے کھینے کے بعد خوبانیوں کو نکال کر کچ
لے کر لیں، ہماری پینے والے سوس پین
میں بھی گرم کر کے خوبانیاں ڈال کر دہی آج پر
پکائیں، خوبانیوں کا رنگ سبزی ہو جائے تو اس میں
چینی اور کھویا ڈال دیں، چمچ چلاتی رہیں۔ اس کے
بعد کیک کا چورا، الائی پاؤڈر اور عرق کلاب شامل کر
کے چند منٹ تک پکانے کے بعد چولے سے
اتار لیں۔ حلہ کو پستے، بادام، اخروٹ اور چاندی
کے ورق سے گارڈش کر کے خوشنایا کر سہرہ کریں۔

اشیاء:
خوبانی (تازہ)
چینی
لیوں (رس نکال لیں)
1 عدد
1 کپ

ترکیب:

خوبانیوں کو دھو کر لے کر کے سب نکال لیں۔ سوس
پین میں خوبانی اور چینی ڈالیں اور لیوں کا رس چمک
کر مس کر کے 4 کھینے کے لیے ڈھک کر رکھ دیں۔
خوبانیاں نرم ہو جائیں تو دہی آج پر پکائیں۔ چینی
مکمل طور پر مکمل جائے تو آگ تیز کر کے 20-25
منٹ یا اتنی دیر تک پکائیں کہ آئیزہ کاڑھا ہو جائے۔
آئیزہ ہموار اور یکساں شکل اختیار کر لے تو چولے
سے اتار کر خشکا ہونے کے لیے رکھ دیں۔ خشکا
ہونے کے بعد ایئر ڈائٹ جار میں ڈال کر ریفریجریٹر
میں محفوظ کر لیں۔

☆☆



صائمہ سحر کی ڈائری میں تحریر
احمد فراز کی منزل

چاند اور میں،

چاند نے میں نے کہا اے میری والدہ کے رفیق
تو کہ سرگشتہ دنیا تھا صدا میری طرح

اپنے سینے میں چھلے ہوئے فکروں گھاؤ
تو دکھا دے گئے ہنسا میری طرح

منوفاں میں تیرا میرے ہنر کی صودت
احمد مقدم میں ناہم میرے کی ردا میری طرح

وہی قہر تیری میری ذہن کی گردش
وہی افکار کا پتھر جفا میری طرح

تیرے منظر میں ہیں دیران میرے خواب میں
تیرے قدموں میں بھی نہ خیر وفا میری طرح

وہی بھولے شب ذیبت میں تنہا سوزی
وہی دیران بانی دشت وہ میری طرح

آج کیوں میری وفاقت بھی گراں ہے تجھ کو
تو کہی انتہائی انسرودہ صفا میری طرح

چاند نے مجھے کہا! اے میرے باگل فلور
تو کہ عزم ہے میرے قرینہ تنہائی کا

موجزن ہے میرے اطراف میں اک بحر کونک
اندھ چاہے فضا میں تیری گویائی کا

آج کی شب میرے سینے پہ وہ قابلِ اترا
جس کی گردن پہ دمکتا ہے لہو جانی کا

میرے دامن میں نہ دیر ہے نہ سونا چاندی
اندھ بجز اس کے جن میں شوق تنہائی کا

مجھ کو دکھ ہے نہ لے جاؤں نہ دنیا والے
میری دنیا ہے خزانہ میری تنہائی کا

عالمش جنجوعہ کی ڈائری میں تحریر
عشق لغوی کی منزل

آدا کی ہیں محبت اس کو بھی ہنسا مانا
اقرار دے دنا کرنا پھر اس کے گھر مانا

جب غراب نہیں کوئی کیا زندگی کا کرنا
ہر سچ کوئی آکھنا ہر شام کو مر مانا

شب بھر کا ٹھکانا تو اک چھت کے کراہی ہے
کہا وقت پر گھر آنا کہا دیر سے گھر مانا

سڑا کے کھنے سے کچھ میرے ہاں ہوتا
خود ہر بیانی سے تب اس کا ارج مانا

ایسا نہ ہو دریا میں تم باہر گراں بھڑو
جب لوگ زیادہ ہوں غشتی سے آرتا مانا

روایا راجپوت، کی ڈائری میں تحریر
سعید اشقی کی نغم

سادن کی رتوں میں
شام ڈھلے

جب کے کانوں سے اکڑ
سوندھی تھی خوشبو آتی ہے

اندھا کاؤں کے مریض مجھوں سے
اجلا سا دھواں جب آتا ہے

سینے میں کی دھڑکی
جب کانوں سے گراتی ہے

آج کی کو دیا نہ دانتوں سے
اک مومنی سارنی صودت پر

اک اس کی دھیل ماتی ہے
اک خود سادل میں آکھتا ہے

میں کے کواڑوں پر بیٹھے
کوئی دستک دے کر جاتا ہے

میں کے ہاتھ پر بیٹھا کر
اول شب کے گھٹنے میں

ہر دم سے خود چلتے ہیں
اداسانہ میری کی سیاحتی سے

دور کشید ہوتا ہے میں
خنا کر کن، کی ڈائری میں تحریر

شہزادہ نیر کی منزل
ماؤ دھوپ کی اک اک خان کی بڑا کرتا ہوں

ایک منہ سے دل معبود میں کسے دہن تو ہو
نئے نئے احسان میں دن بھر گزرتا رہتا ہوں

ایک بلی بھی جو اس کے آگے ادبنا بولی بڑوں
بروں تک قدموں میں گرنا اڑتا ہوں

وہ آئے تو لڑ پڑتی ہے لب سے دل کی بات
وہ جلتے تو چاہتے آپ سے لڑتا رہتا ہوں

بیران اکھوں کا مجھ پر کچھ احسان نہیں
خود گھٹا ہوں شام پہ خود ہی جڑتا رہتا ہوں

افشاں صبح، کی ڈائری میں تحریر
عالمش کی منزل

رقص کیا کبھی خود چایا پہلی پہلی بارش میں
میں تھابیرا پاگل پہ تھا پہلی پہلی بارش میں

بہم دستک پر لونوں کی آکھ لے دیا گیا
کھل گیا دھیرے دھیرے دیکھ پہلی پہلی بارش میں

ایک ایک میں ہی گھر میں خود زور سا چھٹا تھا
دند شہر تو جیگ رہا تھا پہلی پہلی بارش میں

آئے طے ہنر دلوں کی سب شاہان اس سے ہے
اکھوں نے جو منظر دیکھا پہلی پہلی بارش میں

ملنے کیا کیا خواب تھے تھیں تھیں میں نے
جالتے اس پر کیا کیا تھا پہلی پہلی بارش میں

شام آگے سو جانے والا وہ جگا کر لڑھکے
لڑتے کھنگ جگا رہا تھا پہلی پہلی بارش میں

فدیر غریب
یہ حدیں نہ توڑ دینا میرے دارنے میں رہنا
مجھے اپنے دل میں دکھنا میرے ماضی میں رہنا
میرے ہاتھ کی گیس میں تیرا نام بن کے گیس
میری خواہشوں کی خوشبو میرے دل پہنچے میں رہنا
سنا کر
اُداسی آسمان ہے دل پر کتنا اکیلا ہے
پرندہ شام کے بل پر بہت خاموش چلے ہے
مکان سے لکھے لیتا، مکان تو کو مارتا ہو
مگر یہ گھاس والا نہ مٹی قالین امیر ہے
گولیا داغ
وہ سوئے اتفاق آگے تھے ہم سے
ہم نادان مجھے ہماری دعاؤں میں آگے ہے
تیز شاہ
سے کار حسیان سے لپٹ کر نہیں دکھا
جو مجھ میں ہوا ہے نہیں پلٹ کر نہیں دکھا
اکیسے کے کٹ جائیں نہ پٹائی کے دینے
آکھوں سے تیری داہ سے ہٹ کر نہیں دکھا
دایب راجپوت
میری دانتیں مری حریفیں امرا وادہ مری زندگی
مری جہیزیں مری قریبیں مراما تو مری زندگی
میرے فک مری مناجیں میرے خواب مری فانیں
میری چاہیں مری جیتیں مرا بہت کو مری زندگی
دیکھا نہ منظور
ایسا کہیں کو چلے سے صرف ایک انسان کے
ساری زندگی ہی بے ثبات ہو چلے
نازہ جی
نہندہ آگے تو چلوں کو کچا دیا کرو
مات جبر کسی کا جلتا مجھے دیکھا نہیں ہاتا

نازہ جیل
ہم اپنے دل کا پہلے حوصلہ معلوم کر گئے
پھر اس کے بعد تیرا فیصلہ معلوم کر گئے
وہ گئے وہ دل میں بے گلی آباد گئے گا
رہے گا وہ گئے دن خفا معلوم کر گئے
لاریب انور
والہ ہو گئی میں کچھ امیر ان آپسے
امیدوں کا چراغ بجھانے کا شکر ہے
مستحکم بیز
میرے ہونٹوں پہ نہیں چڑھے
یہ تو ہیں عزمِ محبت کے سٹے
افروغ العباد
خاموشی پرانی
جس کہیں خواب کی امید بندھا کرتی ہے
نہندہ اکھوں میں پریشانی پراگتی ہے
یاد رکھنا ہی محبت میں نہیں کھٹکتا
محول جانا بھی بڑی بات ہوا کرتی ہے
مہناز بند
سر جھکاؤ گے تو پتھر دیوتا ہو جائے گا
استقامت پا جو اسے وہ بے وفا ہو جائے گا
ابنی احمد
جو حیران ہیں قہار سے منہ پہ کبہ دو تھیلے ان سے
جو دامن پر نہیں کرتا وہ آسودہ ہو کر رہے
قدرا ناظر، افغانی نام
ہر ایک کے نام پہ نہیں دیکھیں صاحب
وہ کہیں بہت یا اصول ہوتی ہیں
آکس باوند
(ادب و دی) علی نور علی
وقت کیساں نہیں دیکھا میں نے اسے دوست
کبھی خود بھی دیکھتے ہیں اور دل کو دلائے طے

سیدہ سجاد
اس شہرے مثال میں ہم کو کھڑ کر
ہر غصے کا عذاب ہر غصے کا عذاب
شہناز کفر
دکھ اپنا اگر ہم کو بتانا نہیں آتا
تم کہیں تو اندازہ لگانا نہیں آتا
علیہ نشا
کون کہتا ہے نغموں میں وہ دہے مسکن
کچھ نہیں بھی بڑی آفریت ناک ہوتی ہیں
زمین فخر
کیا لوگ دے گئی سنئے موسم کی بارش
مجھے یاد آ رہے ہیں مجھے بھول جانے والے
فخریوسف
ہو اجازت تو مانگ لی نہیں رب سے
سننا ہے بارش میں دعا قبول ہوتی ہے
شہناز بلبل
میں نے جواز سے یہ وہ باہی نہ ہو
کادو کھل کے دیکھو کس ہوا یہ ہو
نہ مانے اس سے برے دشت مرگ ہو شاید
پلٹنا چاہیں وہاں سے تو راستہ ہی نہ ہو
نورالعین
گزر کے ہیں بہت دن رفاقت شب میں
اک عمر ہو گئی پھر وہ جا نہ سادہ گئے
جیسے سماوی گئے رنگ خوش نظر تھے مگر
جو مجھ کو دیکھ چکا ہو وہ ادو کیا دیکھے
بلوہ احمد
ملک نہیں ہے مجھ سے نہ رزنا فاخت
اسے دینا تیرے مزاج کا بندو بیں ہوں میں
فخر ارسلان
مانا اگر اس زمین کو نہ غمزدار کر سکے
کچھ عار کم کر سکے گرنے بدھ سے ہم

فردوس پیر
انگلیاں میری دفا پر نہ اٹھانا لوگو
جس کو فک ہے وہ مجھ سے خواہش
مبارک نواز
پہلے ہاتھ نہیں پس اتنی سی ہے داستانِ بخت
پہلے کا کفری جلال، ہر کج کی پہلی صبح ہو تم
سعدہ فغان
کتنی مشکل ہے زندگی یہ سفر
خدا نے مرنے حرام کیا، لوگوں نے مرنے
عشرت بادہ
کاش کہیں میں ہی تھے مانگ لیتے
ہر چیز بل بانی مٹی دو آئینہ جلتے
نصیرہ و نشان
سرگودھا
وہ مجھ سے دُور ہو کر خوش ہے تو بوسے دوا سے
مجھے جاہت سے زیادہ اس کی مسکراہٹ پسند ہے
جورہ و فغان
مسنے کی دعا میں کیوں مانگوں، بیٹے کی تمنا کیوں کرے
یہ دنیا ہو یا وہ دنیا، اب خواہش و ناگوار کیے
مددہ جول
بہت مشکل زمانوں میں بھی ہم اہل محبت
وفا پر مشق کی بنیاد رکھنا چاہتے ہیں
سنا کر
مات چیکے سے دھڑکنے سے سرگوشی کی
پھر سے اک بار کراہوں تھے جلتے جلتے
شازہ ممتاز
مختصر ہی تھی شبِ سیاہ اور وہ بھی طویل تر
محنت بھر کے ماروں پہ قیامت ہے دھیر

دھمکی

ہر بیوی اپنے شوہر کو یہ دھمکی ضرور دیتی ہے کہ میں تو بچوں کی وجہ سے رکی ہوئی ہوں ورنہ تمہیں کب کا چھوڑ دیتی۔
شادی کے 25 سال بعد یہ دھمکی سن کر ایک شوہر ہلکا "دو گھوڑا سب بچوں کی شادیاں ہو گئی ہیں۔ اب تو اپنا وعدہ پورا کر لو۔"
بیوی "میں ذرا چوے کی شادی تو دیکھ لیوں۔" تبسم بشر مسکین۔ ڈنک

ذہانت

استاد نے شاگرد سے پوچھا "جین زیادہ دور ہے یا سورج"
شاگرد نے فوراً جواب دیا "جین"
"استاد حیرت سے ہلکا۔ وہ کہے"
شاگرد نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔
"جناب سورج کو تو ہم دیکھ سکتے ہیں لیکن جین ہمیں نظر نہیں آتا۔"
صانع مشتاق۔ بھاگتالوالہ سرگودھا

ایک تیرے

"ماں نے بیٹے سے کہا۔" یہ تو بیٹا 1500 روپے۔"
"یہ کس لیے ماما؟" بیٹے نے حیران ہو کر پوچھا۔
"بیٹا! تو نے جب سے فیس یکہ، واپس ایپ شرواع کیا ہے۔ جب سے رات کو چہرہ لکھنا نہیں رکھتا۔"

پڑا۔" ماں نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

سرت طارق۔ مظفر آباد

راضی بد رضا

"آپ کی بیوی کی حالت بہت نازک ہے، وہ بھٹکل دس چھروہ جی میٹس کی۔"
"کوئی بات نہیں! جہاں بچس برس کاٹ لیے وہاں دس چھروہ دن اور سکما۔" شوہر نے غٹھی ماس لی۔
کول شاہین قیصر۔ تلہ گنگ

شکایت

ایک صاحب نے رات کو ایک پیش میں قیام کیا اور صبح فیر کو باکر شکایت کی۔
"یہ آپ کا ہوں ہے۔ میرے ساتھ والے کمرے میں رات بھر چار سو زخیں ہوتی ہیں۔"
"لیکن جناب آپ کو کسے علم ہوا اور میان میں کوئی درد نہ بھی نہیں کمروں کے دروازے اندر سے بند ہے۔" منیجر نے احتشار کیا۔
"درا میز پر کرسی رکھیے اور روشن دان سے چمائیے تو آپ کو پتا چلے گا۔" موموں نے فیسے کہا۔
فوزیہ خیرٹ۔ سمرات

خوف

استاد شاگرد سے۔ "کسی بہت بڑے پندے کا نام بتاؤ؟"
شاگرد۔ "پانی۔"
استاد۔ "پانی کون سا پندہ ہے؟" اچھا یہ بتاؤ

شاگرد۔

"استاد جی۔" اوہ طالبان کے کماڈر ہیں۔"
استاد نے ڈرتے ہوئے۔ "ماٹھے سے پینڈ صاف کرتے ہوئے" لڑکھڑاتے کچھ میں کہا ہے کہ "ہاں۔۔۔ ہاں آج صبح میں نے بھی اپنے پھت پر تین ہاں پر ہندوں کے ساتھ بیٹھے دیکھے۔"
صانع سر۔ فضل آباد

شناخت

"تیم۔" افس کار نے ٹکر مار کر آپ کو بچے گردایا۔ اس کا فیر تو آپ نے ضرور دیکھا ہوگا؟"
پاسی نے پوچھا۔
"نہیں میں نے فیر نہیں دیکھا۔" تیم صابہ نے سوچ کر جواب دیا "ہاں! البتہ اس کار میں ایک اسٹارٹی سی عورت بھی ہوئی گی، جو گھائی رنگ کے سوٹ میں ملیوٹی گی اور پکڑ 2001 روپے میں والا تھا۔ اس کے دایم ہاتھ میں انگلی گی، جس میں ٹکی لیر تھا، بالوں میں سونے کا کپ تھا۔ جبکہ وہ مصوغی پوشین کا کٹ بھی پہنے ہوئے گی۔"
عفت میر۔ لاہور

سنہری موقع

"اے تم تو اپنی بیوی کے ساتھ شاہک کے رنے چار ہے تھے، یہ اپنا کٹ فٹ ہال کا کچھ دیکھنے کیوں چلے آئے؟"
ایک شخص نے اپنے دوست کو اسٹڈیم میں آتے ہوئے دیکھ کر کہا۔
"یار۔۔۔ اصل میں ہم دونوں شاہک کے لیے کمرے سے نکلے ہی تھے کہ راستے میں میری بیوی کی پرانی کپلی لپٹی، میں نے سوچا کہ جب تک دونوں دعا سلام کرنی ہیں، کیوں نہ فٹ ہال کا کچھ ہی دیکھ لیں۔" دوست نے اطمینان سے جواب دیا۔
شاہد شہزاد۔ کراچی

بیوی سے بے ذرا رخصت ہونے اپنی ساس کو تنگ بھیجا۔ "آپ کی پروڈکٹ کھڑی رکھنا سٹ کے مطابق نہیں، اس کی پروڈکٹس جگ نہیں ہے، میں اسے لونہار ہاؤس اور تہذیبی کی ڈیٹا رکھتا ہوں۔ آپ کی یہ چیز واپس کرنا چاہتا ہوں۔"
اسٹارٹ ساس نے رخصتی کی کہا۔ "واری فٹم ہوگی ہے۔ ری پلیسٹ کارپٹ کی کوئی پالیسی نہیں، برائے مہربانی پروڈکٹ کی پروڈکٹس کو بھتر کرنے کے لیے روز بالوں سے پکڑ کر دھاتی کریں اور دیتے بھی جتنی اب نیا سامان نہیں بنا رہی ہے، مگر۔۔۔" انیلا اویس۔ چنڈی

خوش قسمت

نوجوان نے لڑکی سے شادی کی درخواست کی، جو اس نے قبول کر لی۔ لڑکے کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ رہا وہ اپنے آپ کو بہت خوش قسمت تصور۔ رر ہاتھ اور اس کا اظہار کے بغیر نہ رہ سکا۔ "مجھے امید نہیں گی کہ تم ہاں کر دو گی، میں تو خود کو تمہارے قائل نہیں سمجھتا تھا۔ میری تو غلطی بھی ایسی نہیں کہ کوئی لڑکی ایک بار نظر ڈال کر وہ بارود پکھٹا پندر کرے۔"
"ہاں۔۔۔ میں نے بھی اس بارے میں سوچا تھا۔" لڑکی نے اعتراف کیا۔ "مجھے پھر خیال آیا کہ تمہارا زیادہ وقت تو دفتر میں ہی گزار کرے گا۔"
مریم اسد۔ چنچہ ویسی آباد



نیک صورت

”صورت مکمل خواب دھنکی ہے جنم سے مران تک
! وہ جانتی ہے محبت کا چہرہ سدا ایک جیسا نہیں
رہتا۔ اگرچہ رونا دھونا، جفا، بکارتا رہتا ہے۔ اس منسوبے کی
اسے قدم قدم پر برساتی ہے۔ ہر کسی کو محبت کا ایک انگ سا
چھان لے لیتی ہوئی ہے۔ اس کے لیے وہ جاگ کرتی ہے۔
مگر ان کی وہادی میں قدم نہیں رکھتی۔“

(نثری نظمیں - لمبا)
صانع کرم - فیصل آباد

کریکٹ

جب کوئی شخص اچھی ہوئی ڈور کے باغیر میٹھے سے اس کا سرا
ٹلاش کر لیتا ہے تو پھر ہر آدمی اس اچھی ہوئی ڈور کو ٹھکانے میں مد
دینے لگتا ہے۔ حالانکہ اس وقت وہ اپنی صورت اپنی کمرہ دیتی۔ ڈور
ٹھکانے کے بعد ہر شخص اس کا کریکٹ خریدنے کی کوشش کرتا ہے۔
(میر و ام)

تجربہ پھر حسین - ڈنگہ

بچو بچو کتے

اگر بڑی میں ایک کتے کے کہ ”بھوکتے ہوئے کتے کا نہیں
کرتے یہ کتا کیسے کون ہانا ہے کہ ایک بھوکا ہوا کتا بھوکا بند
کرتے کہ کتا کتا کتا کتا کتا۔“ (پاکستان بھارتی)

(فادر و مٹی - چٹکی)

نیت

جو لوگ ساتھ دینے والے ہوتے ہیں، وہ بھی کسی
مالی میں بھی آپ کو کتنا نہیں چھوڑے وہ آپ کا ہاتھ جب بھی
قلم سے دیکھتے ہیں جب قسمت آپ کو الگ کرنے کے
منسوبے بنا چکی ہوتی ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا سے اپنی
جائے سے اتر کر جہاں بھی جی ہو وہاں جاتی ایک
پھر کتنی یہ سارا مکمل ہی نیت کا ہے۔
احسان حق - اسد اللہ راز داں

پچھتوں وہ بے ذمہ گنہگار کرتے رہے کہ مگر یہ
پچھتے سے مگر یہ مسائل پر سوچ بچار کرتے رہے کہ مگر یہ
اور جب ہم نے اپنے حالات اور ان کی جیت سے حال
ہو کر مگر یہ شروع کر دی اور اس کے عادی ہو گئے تو
انہوں نے چھوڑ دی۔ کہنے لگے بات یہ ہے کہ مگر یہ جیت
کے بہت مسائل پر ہمیں مگر یہ اپنی کمرور کیا کرتا تھا، وہ
وہ اصل یہی اسی کمرور سے مگر یہ ہوتے تھے۔
(مثنوی احمد یوسفی - چراغ تھے)
فوزیہ شربت - پانچہ مران - کمرات
امید اور خوش گمانی

اگر وہ سے پارتا ہوتا ہی ہیں تو اسے اور خوش گمانی سے
اچھے پار بھلا کون ہو سکتے ہیں۔ یہ دونوں پار کی نئی منزل میں اور
نے آئے انان اضمحلے کے آپ کو پھر دیکھیں جائیں گے۔
یہ دونوں ایسے جہن ہوتے ہیں کہ بیٹھے بیٹھے انسان کے ہاتھ
منزل میں اور آسمان رکھ دیتے ہیں کسی انسان کو کتنا نہیں چھوڑتے۔
ماوی کی کتنی جتنی تیرا ہوا ہے یہ کسی کی تھک جلی کر کھینچیں دیتے۔
(محمو د خضر اقبال باغی - قمر اسد اور قدس علی)
افروز احمد - کراچی

مظاہرات

سنو! جس مظاہرات کو تم غلام کتے ہو وہ صرف مذاکرات ہے
بزمیں اور جن میں غلام مظاہرات کے دم کرتا کتا ہے۔ مظاہرات کا
کچھ ہوتا ہے نہیں کہ تم کہہ دوں کوئلہ وہ بکلی مظاہرات کا کچھ
مظاہرہ اس وقت ہوتا ہے جب ہم اپنے کس سے جنگ کرتے
ہیں اپنے اندر کتے کے ہونے کو اور ہم نے نہیں دیتے۔ جب
تک انفرادی داخلی حکم، اس نظریے سے کتہ نہ ہوئی، بھرتے
بہتر مظاہرات بھی دے پانا نہ جات ہو گئے

دوسرے مظاہرات کی بنیاد میں رکھتے ہو مگر وہ بھی ذمہ ہونا ہے کا
کیونکہ بنیاد اس پرانی زمین پر رکھو ہے جو جس کے نیچے آتش
لٹاں سوتے ہیں۔ پہلے اس کوئی غلام کو کھڑا کرو۔
(ان کی مٹی - جنم کا شعلہ)
سدرہ - قادری آباد
☆



ذوالفقار

کراچی

اگر یہ سچ ہے کہ محبت کا اثر ہوتا ہے تو کیا
وہ ہے کہ کائناتوں پر بول کی محبت کا اثر نہیں ہوتا؟
ن: دونوں میں شہد چل رہی ہے۔ دلائل اگرچہ
زور دار ہیں لیکن نہ پھول کا نٹوں کا اثر لینے پر رضامند
ہیں اور نہ ہی کاٹنے۔

منصوری - کرشل سینٹر

کہا آپ اسے خوب صورت کیسے ہو گئے۔
کیسے یہ سب بھر اینڈ لونی کا کمال تو نہیں ڈوا لفر نہیں
ہی؟

ن: بغیر اینڈ لونی کا اشتہار دیکھ کر تو کسی سیاہ
ترین جلد کے مالک کا بھی دل ایسی کریم استعمال
کرتے کو نہیں چاہے گا یہی!

عالیہ خرا - ڈالیر کراچی

س: جن میں لگتا تو آتا نہیں پھر مگر اسے ہی لوگ
جن میں ہی نسل کا کاغذہ دکھار کیوں کہتے ہیں جبکہ
میری نظرس ہم میں کوئی ایسی بات نہیں؟
ن: مجھے میں کوئی ایسی بات نہیں، میری تحریر میں
شاید ضرور ہے۔

رضیہ حمید - قطار پور

س: آسمان پر چمکیں کھکھاس اور لوہن کی جھلجھلاتی
ماگ میں سے آپ کو کون سی چیز پسند ہے؟



ن: دونوں بہت دور ہیں مجھ سے۔
شمینہ کوثر - مہمان

س: تمہیں بیسیا آپ کے ہر ناول کا بھر و مگر یہ
یا سکا رہی کیوں جیتا ہے۔ پکھار کیوں نہیں؟
ن: پاکستان میں ان دور دورے والے کے ساتھ صرف
چاہے بیٹنے کی اجازت ہے۔

فرح دیا - کراچی

س: کہیں اگر بولتے تو جگہ وہاں ہو جاتی ہے۔
اگر ڈوا لفر نہیں بولے تو جگہ کیا حال ہوتا ہے؟
ن: احباب کو گمان ہوتا ہے کہ بیشن بہادر اس کا
سماں ہے۔

شہباز اختر - ڈوالال

س: آہستہ سے بتا دیں۔ جہاں آپ کے نام
سے آ رہا ہے۔ وہ آپ کیسے لکھوا رہے ہیں؟
ن: ایک سے مگر نام ہم نہیں کیوں تاہم اس کا۔

تکمرنگی ہے۔ بہت بہت شہر ہے، نہ صرف لیڈر شامل کیا بلکہ سلسلوں میں بھی چمک رہی، بہت شہر ہے۔ ایک چھوٹی سی فرمائش ہے، پلیز پوری کر دیجیے گا، پلیز۔ عمران مہاس کا انٹرویو لیں اور عیسن اور جسنی کو اس ماہ کی بڑی میں شامل کریں۔

☆ پیاری جسم اکرن کی پسندیدگی کا شہر ہے۔ آپ کی فرمائش عمران مہاس کا انٹرویو شایین رشید تک پہنچا دی جائے گی اور ”بزرگوں“ والی فرمائش بھی ان شاء اللہ پوری کر دی جائے گی۔

سردارہ فاروق آباد جیسے سب کی امید گزری جاری بھی بہترین گزری اور اس امید کو بھرپور بنادیا مصباح علی نے۔ آج تو میں سچ کہوں گی میرے خط لکھنے کی وجہ سے مصباح علی نہیں۔ ایک عید پراقتی عیدی، ان شاء اللہ۔ ٹی وی پر شعاں میں اور پھر ہمارے پیارے کرن میں بھی۔ تینوں پلیٹ فارم پر تین موضوع اور تینوں خوب جان دار مکالم۔ یہ آل ماڈرن سب لڑکی آپ کے ہاتھ لگی کہاں ہے؟ ”اسم ہادیان“ ناول پورے کرن کی جان محسوس ہوا ملائکہ فہریدہ میں ایک دھڑکی تحریر تھی لیکن جس خوب صورتی سے مصباح اس محبت کا قصہ سنائی جس اس انداز سے کیا ناولی ایڈ کا پہلی بچوں جیسا، بہت پسند آیا، باب کلاس۔ ”ہوئی میں رخ بدل گئی“ نے اب جو موڈ کاٹا ہے اس سے گلتا ہے کہانی اب چار پانچ اقتلا میں پہنچنے والی ہے۔ ”شب فم کی عمر“ میں رخ چوہدری نے تو

تجربہ شیر حسین..... ڈنگہ جاسٹل یونیک سا تھا۔ ادارہ عید کا ملہم، بہت خوب۔ ساس گل کی سہ لا جواب تھی اور علم کی نعت بے مثال۔ ”ہمارے زمانے کی عید“ سب کے جوابات اچھے تھے، سب کے انٹرویو اچھے تھے۔ ناول ”ہوئی میں رخ بدل گئی“ محبت جی پلیز اور پیکا سے محروم کی جان چھڑائے اور یہ حیرت جہ فزینہ کو خوش نہیں رکھ سکا تو شادی کیوں کی؟ قسم سے قطع بہت مختصر ہوتی ہے اور انتظار جان لیوا۔ ”شب فم کی عمر“ باقی دو طرح تیسری قطع بھی کچھ مثر نہ کر سکی، بہت معذرت کے ساتھ کہانی بالکل بھی اچھی نہیں ہے۔ ”اسم ہادیان“ مصباح جی بہت بہت شہر ہے، انٹری دینے کا مجھے تو کتنا کھینچتا ہوں کہ بھول جائیں گی، لا جواب تحریر تھی۔ ”میں ہادی بی“ فیصلہ اس دفعہ وہ بات نہیں ہو گی۔ بس کہانی سوسجی۔ ”تم سنگ نیناں لائے“ قرۃ العین کی کاوش اوسم تھی، خاص کر ڈائلنگل کا کردار دیری بانس۔ ”میرے عمر“ رحمان کی تحریر رمضان کے حوالے سے کافی اچھی تھی۔ جبکہ سردارہ نے بھی لا جواب لکھا۔ نادیہ کا افسانہ کافی لائٹ لائٹ تھا۔ ”رمضان مہربان“ نادیہ جیسی عورتیں جو ہر وقت کا رونا روٹی ہیں، بہت بری لگتی ہیں۔ شہرے تحریر کی باتوں سے وہ مبسوط، دیری مکمل۔ ”عید کا چاند“ بڑی نے کافی اچھا سبب دیا تو آخر شادان صبا کی پسند میں ڈسل گیا۔ ”آسان کی بات“ روکھا پیکا سا تھا، اکرن کتاب کا ماشاء اللہ کافی

ہیں۔ آخر سائنس بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔ پھر انجمن زین پینام دیتی ہے۔ تانیتان..... کوئٹہ س: بھیا! یہ مرد حضرات لڑکیوں کو صحیح طریقہ سے نہیں دیکھ سکتے، کیا ضروری ہے کہ آگئیں چھاڑ چاؤ کر دیکھیں؟ س: جنس کوئی خاص ضروری نہیں، بس دیے دیکھیں جیسے لڑکیاں انہیں دیکھتی ہیں۔ صاحبعل احمد..... کراچی س: اب تو عینک کی سخت حاجت ہے۔ کوئی صورت نظر نہیں آتی ہے؟ س: ایسا کرو، جس چیز کی حاجت ہے اس سے دور ہوا چھپا ہے کہ صورت نظر نہیں آئے گی۔ رضیہ سلطانہ بلوچ..... حیدرآباد س: بیوی تو سیکے جانے کی دھمکی دیتی ہے لیکن شوہر؟ س: زرات کے گھر سے باہر جاتے ہیں۔ میویدار شاہ قرعنی..... کراچی س: جو شخص خور کھا کر بھی نہ سنبھلے، اسے کیا سمجھا جائے؟ س: خور کھا نہ کا مادی۔ س: دوست کب دھوکا دیتا ہے؟ س: یہ پوچھیں کہ کب نہیں دیتا۔ س: حسین زیدی..... کراچی س: لوگ چاند پر جاتے ہیں، سورج پر کیوں نہیں جاتے؟ س: ایئر کنڈیشنر پلاٹ خراب پڑا ہے وہاں کا ایک عرصے سے۔ ☆☆

ہیں؟ ہو کیا بھی کا انتظار ہے؟ س: بات یہ نہیں بلکہ معاملہ یوں ہے کہ چھاری بھی کو ہمارا انتظار ہے۔ شیریں رحمن..... کوئٹہ س: قابل رنگ موت تو شہادت ہے۔ یہ تانے کے قابل رنگ زندگی کیا ہے؟ س: جو چاہا کرتے کرے۔ اپنے جس کے خلاف۔ کوثر ارشد..... گلستان س: ذوالقرنین بھیا! اگر آئینہ صورت کے بجائے سیرت دکھاتا تو پھر؟ س: پھر شاید احوال کی درنگی پر ہم زیادہ توجہ دیتے۔ س: اگر آپ کا بچپن دوبارہ لوٹ آئے پھر آپ کیا کریں گے؟ س: اس طرح کی پہچنے کی جستجو۔ س: مرد و خاتم، عورت مظلوم اور بے؟ س: کہتے ہیں ان سے شیطان بھی پتا مانگتا ہے۔ نسرتین کول..... کراچی س: خانہ شادی سے علم ہوا کہ بے روزگاروں کی فہرست سے ایک نام ہو گیا ہے۔ جب تحقیق کی تو پتا چلا کہ وہ بے روزگار نہ سچ کل کرن میں ٹپلے پڑا ہوا راتا ہے؟ س: شہر ہے خدا کا روزگار تو ہے۔ صاحبہ سانی..... راولپنڈی س: ذوقی بھیا! تانے سے خود نیاں آپس میں کھرتی ہیں تو کوئی پیغام دیتی ہیں اور جب جہاز کھرتے ہیں تو؟ س: پھر انجمن زین پینام دیتی ہے۔ س: پھل ہوتے تو تیرے وہ بچا بھی دیتے

تھے۔ ارے انسانوں میں تھا حڑے کا ہمارا دنیا یہ
 احمد کا، بابا۔ سدرہ انتہی اور راہی اخلاق " رمضان
 مہربان " میں اپنی بھاری بھری نصیحتیں کرتی رہیں،
 بہت خوب اور دل پر کارکن عید نمبر پر خوب چکا۔
 ☆ پیاری سدرہ! کرن کے عید نمبر کی
 پسندیدگی کا شکریہ۔

صاحبزادہ فیصل آباد

آج کرن میں تھرہ کرنے سے پہلے ڈھیروں
 گلے، شکوے کروں گی، کیونکہ میں آپ سے بہت
 ناراض ہوں۔ میں نے کرن کے تمام مستقل سلسلوں
 کے لیے اپنی تحریریں بھی مگر کسی سلسلے میں بھی نہیں تھی
 کیوں کہ آپ کا ہی کہنا ہے کہ "کرن" ہمارا چاہ ہے۔
 اب آپ ہی ہوں تھرہ کی طرف! احمد دہشت کے
 بعد "ہمارے زمانے کی عید" پر چنا۔ سب آرشوں کی
 بچپن کی اور اب کی عید کے بارے میں جان کر اچھا
 لگا۔ مگر دکھ بھی ہوا کہ گزرا وقت چھٹا اچھا تھا، موجودہ
 وقت اس کے برعکس ہے۔ اس کے بعد آندھا ہر کو
 پڑھا۔ گوکہ یہ نام میرے لیے ناخوشگوار کن پڑھا کہ
 کران کو جان کر اچھا لگا۔ "میری بھی سینے میں" سید
 علی حسن نے کچھ زیادہ ہی کھری کھری سنائی۔
 مجھے ان کی یہ بات بالکل بھی پسند نہیں آئی کہ
 "عورت حسین تو ہوتی ہے ذہین نہیں"۔ "مقابل
 ہے آئینہ" میں کتول قیسر شاہن کو جان کر اچھا لگا
 کیونکہ یہ کرن کی مستقل قاری ہیں۔

سب سے پہلے میں مکمل ناول فیض سید کا
 "میں باری بیا" میرے پاس الفاظ نہیں اس ناول کی
 تعریف کے لیے۔ نفرت، انتقام اور محبت کے
 جذبات سے گوندھایا یہ ناول مجھے تو اپنا امیر کر گیا۔

فیضہ کی اہمیت اچھا لگا آپ نے۔ ناول میں
 ریاضت کا لقب ہے "میرے عہد" میں اگر موضوع
 وہی پرانا اور وہی سا تھا سنی وہی سونچا ماں، اس کا
 حسد اور نادان سلوک۔ مگر بیان اس خوب صورتی
 سے کیا کہ لفظوں کے موتی ایک دوسرے سے جڑتے
 گئے اور بالائی جی اور سبکی ایک گھماری کی خوبی ہے۔
 موضوع کوئی بھی ہو مگر اپنے لفظوں سے اس میں
 جان ڈال دے اور اس ناول کی ایک بات ہے تو
 میں سو فیصد متفق ہوں کہ سینے کا ماں پر عورت کو ہونا
 ہے۔ سدرہ حیات کا ناول "ہم بھی وہی، تم بھی
 وہی" اپنے نام کی طرح ہلکا چھلکا۔ اب بات ہو جائے
 انسانوں کی۔ شرعی سیال کا افسانہ "شو میری عید کا
 چاند" عید کے چاند جیسا ہی خوب صورت۔ سدرہ
 انتہی کا "آسان ہی بات" واقعی بہت ہی اچھنوں اور
 مشکلوں کا آسان بنا گیا۔ یہ افسانہ مجھے پسند آیا۔ خیر
 آپ کی محبت ہے یہ جو اس بار میں کی اور سلسلے میں
 چلے گئیں لی۔

آخر میں بس اتنا کہوں گی کہ میں نے بہت
 مان، بہت جاہت اور محبت سے اس بار بھی کرن اور
 کرن کتاب کے لیے بہت کچھ لکھ کر بھیجا ہے، پلیز
 مجھے اس بار اس کے ہر سلسلے میں جگہ سے دینیے گا۔
 ☆ پیاری مائیں! آپ کی بھیجی گئیں مستقل
 سلسلوں کے حوالے سے تحریریں تاخیر سے ملی ہیں
 ان شاء اللہ گادی جائیں گی۔ آپ کا خط تو جولا کی
 میں لگا گیا تھا، آپ بہنوں کا خط اگر 28 تاریخ
 تک بھی نہیں موصول ہو تو لگا دیا جائے گا اور مستقل
 سلسلے کے حوالے سے تحریریں آپ ہمیں جب
 چاہیں بھجوا دیا کریں۔ باری آنے پر لکھی جائیں

انوشی انصار۔ تاکا عظیم پوری
 رمضان کی تحکات اور نیندوں کا شمار خوب
 اتارا۔ مصباح کی "ہم یاروں" ایک خوب صورت نو
 استوری دل میں شاد کر کے جب تک جیب بٹاز،
 شہابے منہ پر گلتے سے سکت ہو گیا۔ واہ میری
 پوری۔ اللہ کرے مصباح کا زور ہم اور زیادہ۔ دوسرا
 ناول تھا پیاری فیض سید کا تو کیا کہنے، اپنے سادہ
 اسلوب میں بہت کچھ سمجھا گئیں۔ بہت حڑے کا
 ناول تھا۔ "نعم ہے یا خوشی ہے" ڈویل ڈن۔
 افسانے سارے حڑے کے تھے، بیٹ سدرہ
 انتہی کا لگا۔

میرا رشتہ کرن سے پکا ہو چکا ہے پوری کوشش
 ہوتی ہے، ہر بار خط لکھوں اب لگانا آپ پر منحصر ہے،
 کب کب جگہ پتی ہیں۔
 ☆ پیاری انوش! آپ تو مستقل قاری بن چکی
 ہیں، ہر بار آپ لکھی رائے کا اظہار کرتی ہیں اور ہر بار
 آپ کو جگہ پتی ہے کیونکہ کرن آپ بہنوں کا ہی ہے۔
 اقرا ممتاز۔ سرگودھا

اس دفعہ کرن 30 ویں روزے کی شام کو ملا۔
 نائل گرل کی ہندی اور کارڈ بہت خوب صورت لگ
 رہا تھا۔ "ہمارے زمانے کی عید" سروے میں سب
 آرٹسٹ کو پڑھا۔ "میری بھی سینے" میں سید ملی حسن
 سے ملاقات بس سوسوی کیونکہ ان سے پہلے بھی
 ملاقات ہو چکی ہے۔ "مقابل ہے آئینہ" میں کتول
 شاہین قیسر کو جانا۔ مکمل ناول "ہوائیں رخ بدل
 گئیں" اب وہاں میں رخ بدل گئی ہیں، تیرہ غزنی تم
 سے امید ہے کہ تم خزینہ کا ساتھ دو گے۔ "ہم
 یاروں" مصباح علی سید کا نام ہی کافی ہے۔ کیا کوئی
 احمد جیسا باپ بھی ہو سکتا ہے، لاٹھی۔ مسٹر بٹاز تم

پھیری دیکھو سید کی جتھارا مقدہ بنادیا۔ "میں باری
 بیا" کیا مختلف سنگ استوری تھی۔ انسان شوکر لکھا کر ہی
 سمجھا ہے۔ اسی طرح رانیل کے ساتھ بھی ہوا،
 والدین کی کے کسی سزا کی نہ کسی کو بھگتی پڑتی ہے۔
 ناول "نعم ہے یا خوشی ہے" "آخ کا راز" اور
 کسی کروٹ پیڑھی کیا۔ "تم سنگ غیاں لا گے"
 وڈرغل استوری تھی۔ صفورہ تم کبھی بھیجیں کہ
 جہاد سے بڑکتے سے طوطی اور وڈرگل ایک نہیں
 ہوئیں گے، سارا نے ہر وقت مکمل کام کر کے طوطی
 اور وڈرگل کا کام آسان کر دیا اور لاٹھی دور
 کر دی۔

"میرے عہد" اس ماہ کا بہترین ناول تھا۔
 ٹانہ تو پاں تھی، اہمل کا خیال نہ آیا دوسری شادی
 کرتے وقت۔ علی زور یون نے اہمل کا بہت ساتھ
 دیا، اہمل ایک معاملے میں تم خوش نصیب ہی ہو کہ
 جھپٹیں اتنے پیار کرنے والے ساس سرٹے۔
 "ہم بھی وہی تم بھی وہی" زونیرا کا ڈائٹ
 پلان سن کر ہم بھی بے ہوش ہوتے ہوتے بیچے۔
 لائف کو انجائے کرنے کے لیے کچھ تو چٹ پٹی
 چیزیں لکھانی چاہئیں۔ آئی جی۔ "مجھے یہ شعر پسند ہے"
 میں بھی اپنا پیڑھو یہ شعر چن سکتی ہوں، خود بخود لکھا
 بھیجا ہوتا ہے۔

☆ پیاری اقرا! "مجھے یہ شعر پسند ہے" یا
 "پیادوں کے در سے بیچے" ان دونوں سلسلوں میں
 آپ بہنیں اپنی ذہنی نہیں بلکہ مختلف شعراء کے اشعار
 اور غزلیں، نظمیں جو آپ لوگوں کو پسند ہوں مجھے سکتی
 ہیں۔

نازیہ جلیل۔ گوجران
 خط لکھتے ہوئے ایسا لگتا ہے جیسے کوئی پیاری

ممبر بہت مزے کا تھا۔ پورا اتفاق کیا۔ سب سے پہلے تنزیلہ ریاض کو پڑھتی ہوں ”نعم ہے یا خوشی ہے تو“ زبردست جارہا ہے۔ اور ابھی بہت افسوس اور معذرت کے ساتھ اگر آپ برائہ مانیں تو کہہ دوں اس بار کرن کے دونوں سلسلے دار اس قدر شندے ہیں کہ بس..... مکمل ناول دونوں ہی ٹاپ کلاس تھے بلکہ انہوں نے قیمت وصول کی۔ مصباح علی تو خیر اب تعریف تبصر کی کو محتاج نہیں، ہر موضوع پر گرفت چھوڑتیں نہیں۔ پہلے ہی پہرے سے ہر قاری پر جال پھینکتی ہیں، پھر کوئی مل کر دکھائے اور اس بادیہ نشینہ سعید کا موضوع کہانی بے شک پرانا تھا لیکن خوش اسلوبی بہت تھی۔ ناولٹ بھی اچھے تھے، قرۃ العین سکندر کا ”تم سنگ نیناں لاگے“ ہلکا چھلکا لکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ درمیان سے ذرا گرفت موضوع سے ہٹ گئی تھی لیکن اینڈ پر قلم سنبھال لیا۔ ریحانہ آفتاب کا ایسے جس طرح زبردستی لکھا ہو۔ اس بار دو دوسرے اور دونوں نے اپنے قلم کی طاقت لگائی، حرا آگیا۔

☆ پیاری نازیہ! آپ نے اپنی پسند، ناپسند سے آگاہ کیا شکر ہے۔ آئندہ بھی اپنی رائے سے آگاہ کرتی رہے گا۔

فاطمہ نور..... پورے والا

السلام علیکم! پیاری پیاری آپ! رمضان کے

کچن اور آپ

اس ماہ رابعہ عمران چوہدری کو ”کچن اور آپ“ میں انعام کا حق دار قرار دیا ہے۔ ادارے کی طرف سے رابعہ عمران کو تین ماہ کے لیے ”ماہنامہ کرن“ مفت دیا جا رہا ہے۔